قادیانی مسئلہ

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

نوٹ: فہرست پر کلک کر کے مضامین تک براہِ راست پہنچا جا سکتا ہے، جبکہ ہر صفحے سے واپس فہرست پر جانے کا لنک موجود ہے۔

فہرست مضامین

عرض ناشر 15

دیباچہ 17

باب اول: قادیانی مسئلہ 19

تمہید 19

ختم نبوت کی نئی تفسیر 19

مرزا غلام احمد کا دعویٰ نبوت 21

قادیانی ایک علیحدہ امت 22

قادیانیوں کا مذہب مسلمانوں سے جدا ہے 23

نئے مذہب کے نتائج 24

قادیانیوں کو علیحدہ امت قرار دینے کا مطالبہ 25

ذمہ داران حکومت کا رویہ 27

مسلمانوں میں شغل تکفیر 28

مسلمانوں میں دوسرے فرقے 29

قادیانیوں کے سیاسی عزائم	30
پاکستان میں قادیانی ریاست	33
قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ	34
قادیانیوں کی تبلیغ کی حقیقت	35
انگریزی حکومت کی وفاداری	37
قادیانیت کے بنیادی خدوخال	41
مسلمانوں کا مطالبہ	43
قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کے لیے علما کی متفقہ تحریر	45
باب دوم: مقدمہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	47
اصل جرم	47
دیباچہ	48
جماعت اسلامی کی مخالفت	48
دیانت داری کا تقاضا	49
مخالفین کی بے بسی	50
مولانا مودودیؒ کا اصل جرم	51
مقدمہ کا پس منظر	53
سزائے موت	54
ایک عجیب منطق	55
رہائی کا مطالبہ بھی جرم؟	56

ہمارے صحافی اور ان کا ضمیر 57
اے پی پی کا افتراء 58
فردجرم نمبر ا 60
بیان نمبر ا مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (جوانہوں نے فوجی عدالت میں دیا) 61
مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے دو اخباری بیانات 74
پہلا بیان بتاریخ ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء 74
صحیح طریق کار 75
دوسرا بیان بتاریخ ۵ مارچ/ ۱۹۵۳ء 76
فردجرم نمبر ۲ 79
بیان نمبر ۲ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (جوفوجی عدالت میں دیا گیا) 80
سزا کے خلاف رحم کی اپیل کی گنجائش 84
چند اہم نکات 85
باب سوم: فسادات کی تحقیقاتی عدالت کے سامنے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے بیانات 91
پہلا بیان 92
وہ حالات جو لاہور میں مارشل لا جاری کرنے کے موجب ہوئے 93
اصل مسئلہ اور اس کا پس منظر 93
معاشرتی پہلو 94

معاشی پہلو	95
سیاسی پہلو	96
تلخی پیدا ہونے کے مزید وجوہ	98
لازمی نتیجہ	100
قادیانیوں کی اشتعال انگیزی	101
مکروہ تقلید	105
جماعتیں مسئلے پیدا نہیں کرسکتیں	106
شتابہ	107
جماعت اسلامی کی مساعی	108
بے تدبیری کا قدرتی ردعمل	109
عام ناراضگی کے اسباب	110
ایں گناہیت کہ درشہر شما نیز کنند	112
ذمہ داری تمام تر بارڈر پولیس کے ظلم وستم پر ہے	113
اصلاح حال کی کوشش	114
مسلم عوام سرپھرے نہیں ہیں	114
مارشل لاء	115
(۲) اضطراب کو روکنے اور بعد میں ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے سول حکام کی تدابیر.... کا کافی یا ناکافی ہونا	117
(۳) اضطرابات کی ذمہ داری	118

قادیانی مسئلہ کے متعلق میرا اور جماعت اسلامی کا طرز عمل	119
''رواداری'' کا نرالا تصور	121
غلطی کو غلطی نہ کہو	121
عدالت سے درخواست	122
اہم حقائق وواقعات	123
جماعت اسلامی کی دستاویزی شہادت	128
قادیانیوں کو مشورہ	128
احسان شناسی	130
دوسرا بیان	131
قادیانیوں سے متعلق مطالبات بیک وقت سیاسی بھی ہیں اور مذہبی بھی	131
مسلمانوں اور قادیانوں کے اختلافات بنیادی ہیں	132
تمام منحرفین کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ ضروری نہیں	134
ظفر اللہ خاں کی علیحدگی کے مطالبہ کے وجوہ	135
کلیدی مناصب کا مفہوم اور مطالبہ علیحدگی کے لیے دلائل	136
عدالت کے سامنے پیش کردہ قادیانیوں کی بناوٹی پوزیشن	137
قادیانیوں کی جارحانہ روش محض اتفاقی نہیں ہے	145
کفر، تکفیر اور خروج از اسلام	146
گواہوں کا کٹہرا علمی بحث کے لیے موزوں نہیں	148
دستوریہ میں قائداعظم کی افتتاحی تقریر کا صحیح مدعا	149

کیا قائداعظم کی تقریر دستور یہ کو پابند کرسکتی ہے؟	153
اسلامی ریاست نہ تھیا کریسی ہے اور نہ مغربی طرز کی جمہوریت	154
اسلام میں قانون سازی	155
اسلامی ریاست کے مطالبے کے حق میں معقول وجوہ موجود ہیں	156
اسلامی ریاست میں ذمیوں کی حیثیت	157
مرتد کی سزا اسلام میں	161
اسلامی قانون جنگ اور غلامی	162
اسلام اور فنون لطیفہ	164
فقہی اختلافات اسلامی ریاست کے قیام میں حائل نہیں ہیں	164
جماعت اسلامی اور ڈائرکٹ ایکشن	166
۳۰۔جنوری کی تقریر میں فسادات کی دھمکی نہیں بلکہ تنبیہہ تھی	173
ڈائرکٹ ایکشن کا رائج الوقت تصور اور مفہوم	174
ڈائرکٹ ایکشن قطعی حرام نہیں	176
راست اقدام کے لیے شرائط مکمل نہ تھیں	177
حکومت کی تنگ ظرفی سے جوابی تشدد کا خطرہ تھا	178
ڈائرکٹ ایکشن کی علانیہ مخالفت نہ کرنے کی وجہ	178
تیسرا بیان	179
(الف) بجواب نکتہ اول۔ درباب نزول مسیح	182
(ب) درباب ظہور مہدی	188

بجواب نکتہ دوم	191
بجواب نکتہ سوم	191
بجواب نکتہ چہارم	192
بجواب نکتہ پنجم	193
بجواب نکتہ ششم	195
بجواب نکتہ ہفتم	201
بجواب نکتہ ہشتم	205
خواجہ ناظم الدین صاحب	211
میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ	212
میجر جنرل محمد اعظم خاں	212
خان قربان علی خاں (سابق انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب)	213
میاں انور علی (سابق انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب)	213
خواجہ ناظم الدین صاحب	214
میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ	215
حافظ عبدالمجید (سابق چیف سیکرٹری پنجاب گورنمنٹ)	215
مسٹر غیاث الدین (ہوم سیکرٹری پنجاب گورنمنٹ)	215
خان قربان علی خاں (سابق انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب)	218
میاں انور علی (ساب ڈی آئی جی سی آئی ڈی اور بعد میں انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب)	219

میجر جنرل محمد اعظم خاں	220
ضمیمہ نمبر ۱	223
احادیث درباب نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام	223
حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات	223
جابر بن عبداللہؓ	225
نواسؓ بن سمعان الکلابی	226
عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ	227
حذیفہ بن اسید غفاریؓ	227
ثوبانؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	228
مجمع بن جاریہ انصاریؓ	228
ابوامامہ باہلیؓ	229
عثمان بن ابی العاصؓ	230
سمرہ بن جندبؓ	230
عمران بن حصینؓ	231
ام المومنین عائشہ صدیقہؓ	231
سفینہؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	231
حذیفہ بن یمانؓ	232
ضمیمہ نمبر ۲	233
احادیث درباب ظہور مہدی	233

قسم اول کی احادیث 233
قسم دوم کی احادیث 235
ضمیمہ نمبر ۳ 241
فقہاء، محدثین اور مفسرین کی تصریحات اس باب میں کہ عیسی علیہ السلام کا دوبارہ نزول نبی ہونے کی حیثیت سے نہ ہوگا بلکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیرو کی حیثیت سے آئیں گے اس لیے ان کا نزول ختم نبوت کے منافی نہیں۔ 241
(۱) علامہ ابن حزم 241
(۲) امام رازی 241
(۳) امام نووی 242
(۴) علامہ علاؤالدین بغدادی صاحب تفسیر (خازن) 243
(۵) علامہ تفتازانی 244
(۶) علامہ ابن حجر عسقلانی 244
(۷) علامہ بدرالدین عینی 245
(۸) علامہ قسطلانی 245
(۹) ابن حجر ہیتمی 246
(۱۰) شیخ عبدالحق محدث دہلوی 246
(۱۱) علامہ زرقانی 246
(۱۲) علامہ شوکانی 247

(۱۳) علامہ آلوسی	247
ضمیمہ نمبر ۴	248
احادیث درباب ختم نبوت	248
ضمیمہ نمبر ۵	253
آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کی تفسیر میں تیسری صدی ہجری سے تیرہویں صدی ہجری تک کے تمام اکابر مفسرین کے اقوال	253
(۱) علامہ ابن جریر طبری	253
(۲) محی السنہ بغوی	253
(۳) علامہ زمخشری صاحب	253
(۴) امام رازی	254
(۵) قاضی بیضاوی	254
(۶) حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	255
(۷) علاؤالدین علی بن محمد بغدادی	255
(۸) علامہ ابن کثیر دمشق	255
(۹) علامہ جلال الدین سیوطی	255
(۱۰) شیخ اسماعیل حقی	256
(۱۱) علامہ شوکانی	257
(۱۲) علامہ آلوسی بغدادی	257
ضمیمہ نمبر ۶	258

عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت اور مدعی نبوت کی تکفیر کے باب میں علماء امت کے اقوال 258
(۱) امام ابوحنیفہؒ 258
(۲) علامہ ابن حزم 258
(۳) امام غزالی 258
(۴) قاضی عیاض 259
(۵) علامہ شہرستانی 260
(۶) علامہ ابن کثیر 260
(۷) علامہ ابن نجیم 260
(۸) ملا علی قاری 260
(۹) شیخ اسماعیل حقی 260
(۱۰) فتاویٰ عالمگیری 261
(۱۱) علامہ آلوسی 261
ضمیمہ نمبر ۷ 262
مرزا غلام احمد صاحب کی تحریک کے مختلف مراحل، ان میں مرزا صاحب کے مختلف دعوے اور قادیانی عقیدہ وعمل پر ان دعوؤں کے اثرات 262
تاریخی ترتیب 262
ابتدائی عقیدہ ختم نبوت 265
(ب) ابتدائی دعوؤں کی توجیہات 266

(ج) نبوت کے مختلف دعوے	269
۱۔امتی نبی	269
۲۔غیر صاحب شریعت	269
۳۔صاحب شریعت	269
۴۔ظلی وبروزی نبی	270
۵۔بروز محمدؐ	270
۶۔تمام انبیاء کا مجموعہ	270
(ز) نبوت مرزا صاحب پر ختم	270
(د) ختم نبوت کی مختلف تاویلیں	271
پہلی تاویل	271
دوسری تاویل	271
تیسری تاویل	272
چوتھی تاویل	272
وحی	272
ابتدائی موقف	272
دوسرا موقف	273
تیسرا موقف	274
مسیح اور نزول مسیح کا مسئلہ	275
پہلا موقف	275

دوسرا موقف	276
قادیانی جامعت کا ایک ''امت'' ہونا	277
مرزا صاحب کو نہ ماننے کے نتائج اعتقادی حیثیت سے	278
ابتدائی موقف	278
آخری موقف	279
مرزا صاحب کو نا ماننے کے نتائج عملی حیثیت سے	281
ضمیمہ نمبر ۸	283
بنیادی اصولوں کی رپورٹ میں علما کی طرف سے پیش کردہ ترامیم	283
ضمیمہ نمبر ۹	285
قادیانیت علامہ اقبالؒ کی نظر میں	285
۱۔ڈاکٹر محمد اقبالؒ کی تقاریر اور بیانات سے چند اقتباسات	285
۲۔روزنامہ اسٹیٹسمین کے نام ایک خط	287
۳۔پنڈت جواہر لال نہرو کی طرف سے اٹھائے ہوئے سوالات کا جواب	291
ضمیمہ نمبر ۱۰	294
عدلیہ کے فیصلے	294
۱۔فیصلہ منشی محمد اکبر خاں صاحب (ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر)	294
۲۔فیصلہ شیخ محمد اکبر صاحب (ایڈیشنل سیشن جج راولپنڈی)	295
۳۔قادیانی مسئلہ اور اس کا صحیح حل	322

عرض ناشر

اس سے پہلے اس کتاب کے مضامین حسب ذیل پمفلٹوں کی شکل میں طبع ہو چکے تھے۔

۱۔قادیانی مسئلہ

۲۔مقدمہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

۳۔تحقیقاتی عدالت میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا پہلا بیان

۴۔تحقیقاتی عدالت میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا دوسرا بیان

۵۔تحقیقاتی عدالت میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا تیسرا بیان

اب ان تمام مضامین کو یکجا شائع کیا جا رہا ہے تا کہ قارئین بیک وقت اس پورے مسئلہ سے واقف ہو سکیں۔اس کے ساتھ حسب ذیل مضامین کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔

۱۔قادیانیت......کی نظر میں علامہ محمد اقبالؒ

(۱) اس میں علامہ موصوف کی چند تحریروں کے اقتباسات ہیں جو آپ نے اس مسئلہ پر تحریر فرمائی تھیں۔(۲) اس خط کا ترجمہ جو روزنامہ اسٹیٹسمین ،کلکتہ کو اس مسئلہ کے بارے میں لکھا تھا۔(۳) پنڈت جواہر لال نہرو کے ان سوالات کے جوابات جو پنڈت نہرو نے اس مسئلہ میں اٹھائے تھے۔

(۲) منشی محمد اکبر خاں صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر کے اس مشہور فیصلہ کا ترجمہ جو آپ نے قادیانیوں کے بارے میں ایک مقدمہ پر قیام پاکستان سے قبل ۷/فروری ۱۹۳۵ء کو دیا تھا۔

(۳) پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر کے ۳۳ جید علما کی متفقہ تجویز جو انھوں نے قادیانیوں کے بارے میں دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش کی تھی۔

(۴) شیخ محمد اکبر صاحب پی۔سی۔ایس۔ایڈیشنل سیشن جج راولپنڈی کا فیصلہ جو

آپ نے قیام پاکستان کے بعد ۳/ جون ۱۹۵۵ء کو قادیانیوں کے متعلق ایک مقدمہ میں دیا تھا۔

ہمیں یقین ہے کہ اب اس مجموعہ میں ہر اس شخص کی کامل تشفی کا سامان ہے جو قادیانیت کے مسئلہ کو سمجھنا چاہتا ہے اور اس کے جو دینی، سیاسی، معاشرتی اور قانونی اثرات مرتب ہوتے ہیں ان سے کماحقہ واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

وماتوفیقی الا باللہ

نیازمند

مینیجنگ ڈائریکٹر

اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمٹیڈ، لاہور

دیباچہ

اس مختصر کتابچے میں وہ تمام دلائل جمع کر دیئے گیے ہیں جن کی بنا پر ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دیا جائے۔ اس کے ساتھ ان تمام اعتراضات اور عذرات کا جواب بھی دیا گیا ہے جو اس مطالبے کے خلاف مختلف حلقوں سے پیش کیے جاتے ہیں۔

جمہوری نظام کا یہ مسلّم قاعدہ ہے کہ یا تو دلیل سے بات مانو یا دلیل سے منواؤ۔ محض طاقت کے بل پر ایک معقول و مدلل بات کو رد کر دینا جمہوریت نہیں ہے۔ اس لیے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ملک کے آئین ساز حضرات یا تو دلیل سے ہماری بات مانیں یا نہیں تو سامنے آ کر اپنے وہ دلائل پیش کریں جن کی بنا پر وہ ہماری اس بات کو نہیں مانتے۔ محض اس بھروسے پر کہ مجلس آئین ساز میں انہیں اکثریت حاصل ہے اگر وہ ایک معقول عوامی مطالبے کو بلا دلیل رد کریں گے تو یہ ان کے اپنے ہی حق میں نقصان دہ ہوگا۔ عوامی مطالبہ آخر کار پورا ہو کر ہی رہے گا۔

ابوالاعلیٰ مودودی

باب اول

قادیانی مسئلہ

تمہید:

گذشتہ ماہ جنوری میں پاکستان کے ۳۳ سربرآوردہ علماء نے تازہ دستوری سفارشات پر غور وخوض کر کے جو اصلاحات اور جوابی تجاویز مرتب کی ہیں، ان میں سے ایک اہم تجویز یہ بھی ہے کہ ان تمام لوگوں کو جو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو اپنا مذہبی پیشوا مانتے ہیں۔ ایک جداگانہ اقلیت قرار دیا جائے اور ان کے لیے پنجاب سے مرکزی اسمبلی میں ایک نشست مخصوص کردی جائے۔ جہاں تک علماء کی دوسری تجاویز کا تعلق ہے۔ ان کی معقولیت تو اتنی واضح ہے کہ علماء کے مخالفین کو بھی ان پر کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوسکی اور اگر انھوں نے کچھ کہا بھی تو وہ جگر سوختہ کے دھوئیں سے زیادہ نہ تھا جس کا ملک کے پڑھے لکھے اور ذی فہم لوگوں کی نگاہ میں کوئی وزن نہیں ہوسکتا لیکن اس خاص تجویز کے بارے میں ہم محسوس کرتے ہیں کہ قادیانی مسئلے کا بہترین حل ہونے کے باوجود تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک تعداد ابھی تک اس کی صحت ومعقولیت کی قائل نہیں ہوسکی ہے اور پنجاب وبہاولپور کے ماسوا دوسرے علاقوں، خصوصاً بنگال میں ابھی عوام الناس بھی پوری طرح اس کا وزن محسوس نہیں کررہے ہیں۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ان صفحات میں بھی پوری وضاحت کے ساتھ وہ دلائل بیان کردیں جن کی بنا پر علماء نے بالاتفاق یہ تجویز پیش کی ہے۔

ختم نبوت کی نئی تفسیر:

واقعہ یہ ہے کہ قادیانیوں کا مسلمانوں سے الگ ایک اُمت ہونا اس پوزیشن کا ایک لازمی منطقی نتیجہ ہے جو انھوں نے خود اختیار کی ہے۔ وہ اسباب ان کے اپنے ہی پیدا کردہ ہیں جو انہیں مسلمانوں سے کاٹ کر ایک جداگانہ ملت بنادیتے ہیں۔

پہلی چیز جو انہیں مسلمانوں سے جدا کرتی ہے وہ ختم نبوت کی نئی تفسیر ہے جو انھوں نے

مسلمانوں کی متفق علیہ تفسیر سے ہٹ کر اختیار کی۔ ساڑھے تیرہ سو سال سے تمام مسلمان بالاتفاق یہ مانتے رہے ہیں اور آج بھی یہی مانتے ہیں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد اب کوئی نبی ﷺ مبعوث ہونے والا نہیں ہے۔ ختم نبوت کے متعلق قرآن مجید کی تصریح کا یہی مطلب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا تھا اور اسی لیے انھوں نے ہر اس شخص کے خلاف جنگ کی جس نے حضور ﷺ کے بعد دعوائے نبوت کیا۔ پھر یہی مطلب بعد کے ہر دور میں تمام مسلمان سمجھتے رہے۔ جس کی بنا پر مسلمانوں نے اپنے درمیان بھی کسی ایسے شخص کو برداشت نہیں کیا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہو۔ لیکن قادیانی حضرات نے تاریخ میں پہلی مرتبہ ''خاتم النبیین'' کی یہ نرالی تفسیر کی کہ نبی اکرم ﷺ ''نبیوں کی مہر'' ہیں اور اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد اب جو بھی نبی آئے گا اس کی نبوت آپ کی مہر تصدیق لگ کر مصدقہ ہوگی۔

اس کے ثبوت میں قادیانی لٹریچر کی بکثرت عبارتوں کا حوالہ دیا جاسکتا ہے مگر ہم صرف تین حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں:

''خاتم النبیین کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کی مہر کے بغیر کسی کی نبوت کی تصدیق نہیں ہوسکتی۔ جب مہر لگ جاتی ہے تو وہ کاغذ سند ہوجاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی مہر اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے۔ (ملفوظات احمدیہ: مرتبہ محمد منظور الٰہی صاحب قادیانی، حصہ پنجم ص ۲۹۰)

''ہمیں اس سے انکار نہیں کہ رسول اکرم ﷺ خاتم النبیین ہیں مگر ختم کے معنی وہ نہیں جو ''احسان'' کا سوادِ اعظم سمجھتا ہے اور جو رسول کریم ﷺ کی شانِ اعلیٰ وارفع کے سراسر خلاف ہے کہ آپ ﷺ نے نبوت کی نعمت عظمیٰ سے اپنی اُمت کو محروم کر دیا بلکہ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نبیوں کی مہر ہیں۔ اب وہی نبی ہوگا جس کی آپ تصدیق کریں گے ......انہی معنوں میں ہم رسول کریم ﷺ کو خاتم النبیین سمجھتے ہیں۔''

(الفضل، قادیان، مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۳۹ء)

''خاتم مہر کو کہتے ہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہر ہوئے تو اگر ان کی اُمت میں کسی قسم کا نبی نہیں ہوگا تو وہ مہر کس طرح ہوئے یا مہر کس پر لگے گی؟''

(الفضل، قادیان، مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۲۲ء)

تفسیر کا یہ اختلاف صرف ایک لفظ کی تاویل وتفسیر تک ہی محدود نہ رہا بلکہ قادیانیوں نے آگے بڑھ کر صاف صاف اعلان کردیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایک نہیں ہزاروں نبی آسکتے ہیں۔ یہ بات بھی ان کے اپنے واضح بیانات سے ثابت ہے جن میں سے صرف چند کو ہم نقل کرتے ہیں:

''یہ بات بالکل روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔'' (حقیقۃ النبوت مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد، قادیان ص ۲۲۸)

''انھوں نے (یعنی مسلمانوں نے) یہ سمجھ لیا ہے کہ خدا کے خزانے ختم ہوگئے ...... ان کا یہ سمجھنا خدا تعالیٰ کی قدر کو ہی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے، ورنہ ایک نبی کیا میں تو کہتا ہوں ہزاروں نبی ہوں گے۔'' (انوار خلافت، مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد، ص ۶۲)

''اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار بھی رکھ دی جائے اور مجھے کہا جائے کہ تم یہ کہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو میں اسے ضرور کہوں گا کہ تو جھوٹا ہے، کذاب ہے، آپ کے بعد نبی آسکتے ہیں اور ضرور آسکتے ہیں۔'' (انوار خلافت، ص ۶۵)

مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت:

اس طرح نبوت کا دروازہ کھول کر مرزا غلام احمد صاحب نے خود اپنی نبوت کا دعویٰ کیا اور قادیانی گروہ نے ان کو حقیقی معنوں میں نبی تسلیم کیا۔ اس کے ثبوت میں قادیانی حضرات کی بے شمار مستند تحریرات میں سے چند یہ ہیں:

''اور مسیح موعود (یعنی مرزا غلام احمد صاحب) نے بھی اپنی کتابوں میں اپنے دعویٰ رسالت ونبوت کو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔ (بدر، ۵ مارچ ۱۹۰۸ء)

یا جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیوں کر اس سے انکار کرسکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک کہ اس دنیا سے گزر جاؤں۔''

(خط حضرت مسیح موعود بہ طرف ایڈیٹر اخبار عام)

یہ خط حضرت مسیح موعود نے اپنی وفات سے صرف تین دن پہلے یعنی ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء کو لکھا اور آپ کے یوم وصال ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو اخبار میں شائع ہوا۔

(کلمۃ الفصل مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی۔ مندرجہ ریویو آف ریلیجنز نمبر ۳، جلد ۱۴، ص ۱۱۰)

''پس شریعت اسلامی نبی کے جو معنی کرتی ہے اس کے معنی سے حضرت صاحب (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) ہرگز مجازی نبی نہیں ہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں۔''

(حقیقۃ النبوت، مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان، ص ۱۷۴)

قادیانی ایک علیحدہ اُمت:

نبوت کے دعوے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص بھی اس نبوت پر ایمان نہ لائے وہ کافر قرار دیا جائے۔ چنانچہ قادیانیوں نے یہی کیا۔ وہ ان تمام مسلمانوں کو اپنی تحریر و تقریر میں اعلانیہ کافر قرار دیتے ہیں جو مرزا غلام احمد صاحب کو نبی نہیں مانتے۔ اس کے ثبوت میں ان کی چند صریح عبارتیں یہ ہیں:

''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انھوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔''

(آئینہ صداقت مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، خلیفہ قادیان، ص ۳۵)

''ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہیں مانتا ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔''

(کلمۃ الفصل، مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب، قادیانی، مندرجہ ریویو آف ریلیجنز، ص ۱۱۰)

''ہم چونکہ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں اور غیر احمدی آپ کو نبی نہیں مانتے، اس لیے قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق کہ کسی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے، غیر احمدی کافر ہیں۔''

(بیان مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب باجلاس سب جج عدالت گورداسپور مندرجہ اخبار الفضل مورخہ ۲۶/۲۹ جون ۱۹۲۲ء)

قادیانیوں کا مذہب مسلمانوں سے جدا ہے:

وہ صرف یہی نہیں کہتے کہ مسلمانوں سے ان کا اختلاف محض مرزا صاحب کی نبوت کے معاملے میں ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا خدا، ہمارا اسلام، ہمارا قرآن، ہماری نماز، ہمارا روزہ، غرض ہماری ہر چیز مسلمانوں سے الگ ہے۔ ۲۱ / اگست ۱۹۱۷ء کے الفضل میں خلیفہ صاحب کی ایک تقریر ''طلبا کو نصائح'' کے عنوان سے شائع ہوئی تھی جس میں انھوں نے اپنی جماعت کے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے یہ بتایا تھا کہ احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان کیا اختلاف ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں:

''ورنہ حضرت مسیح موعود نے تو فرمایا ہے کہ ان کا (یعنی مسلمانوں کا) اسلام اور ہے اور ہمارا اور، ان کا خدا اور ہے اور ہمارا اور، ہمارا حج اور ہے ان کا حج اور، اسی طرح ان سے ہر بات میں اختلاف ہے۔''

۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء کے الفضل میں خلیفہ صاحب کی ایک اور تقریر شائع ہوئی ہے جس میں وہ اس بحث کا ذکر کرتے ہیں جو مرزا غلام احمد صاحب کی زندگی میں اس مسئلے پر چھڑ گئی تھی کہ احمدیوں کو اپنا ایک مستقل مدرسہ دینیات قائم کرنا چاہیے یا نہیں۔ اس وقت ایک گروہ کی رائے یہ تھی کہ نہیں کرنا چاہیے اور ان کی دلیل یہ تھی کہ ''ہم میں اور دوسرے مسلمانوں میں چند مسائل کا اختلاف ہے، ان مسائل کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حل کر دیا ہے اور ان کے دلائل بتا دیئے ہیں، باقی باتیں دوسرے مدرسوں سے سیکھی جا سکتی ہیں۔'' دوسرا گروہ اس کے برعکس رائے رکھتا تھا۔ اس دوران میں مرزا غلام احمد صاحب آ گئے اور انھوں نے یہ ماجرا سن کر اپنا فیصلہ دیا۔ اس فیصلے کو خلیفہ صاحب ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

''یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ان سے ہمیں اختلاف ہے۔''

نئے مذہب کے نتائج:

اس ہمہ گیر اختلاف کو اس کے آخری منطقی نتائج تک بھی قادیانیوں نے خود ہی پہنچا دیا اور مسلمانوں سے تمام تعلقات منقطع کر کے ایک الگ اُمت کی حیثیت سے اپنی اجتماعی تنظیم کر لی۔ اس کی شہادت قادیانیوں کی اپنی تحریرات سے ہمیں یہ ملتی ہے:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سختی سے تاکید فرمائی ہے کہ کسی احمدی کو غیر احمدی کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ باہر سے لوگ اس کے متعلق بار بار پوچھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں تم جتنی دفعہ بھی پوچھو گے اتنی دفعہ ہی میں یہی جواب دوں گا کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں، جائز نہیں، جائز نہیں۔''

(انوار خلافت، مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان، ص ۸۹)

''ہمارا یہ فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔'' (انوار خلافت ص ۹۰)

''اگر کسی غیر احمدی کا چھوٹا بچہ مر جائے تو اس کا جنازہ کیوں نہ پڑھا جائے، وہ تو مسیح موعود کا منکر نہیں؟ میں یہ سوال کرنے والے سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہندوؤں اور عیسائیوں کے بچوں کا جنازہ کیوں نہیں پڑھا جاتا؟...... غیر احمدی کا بچہ بھی غیر احمدی ہی ہوا، اس لیے اس کا جنازہ بھی نہیں پڑھنا چاہیے۔'' (انوار خلافت، ص ۹۳)

''حضرت مسیح موعود نے اس احمدی پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے جو اپنی لڑکی غیر احمدی کو دے۔ آپ سے ایک شخص نے بار بار پوچھا اور کئی قسم کی مجبوریوں کو پیش کیا لیکن آپ نے اس کو یہی فرمایا کہ لڑکی کو بٹھائے رکھو لیکن غیر احمدیوں میں نہ دو۔ آپ کی وفات کے بعد اس نے غیر احمدیوں کو لڑکی دے دی تو حضرت خلیفہ اول نے اس کو احمدیوں

کی امامت سے ہٹا دیا اور جماعت سے خارج کر دیا اور اپنی خلافت کے چھ سالوں میں اس کی توبہ قبول نہ کی باوجودیکہ وہ بار بار توبہ کرتا رہا۔ (انوارِ خلافت، ص ۹۳۔۹۴)

''حضرت مسیح موعود نے غیر احمدیوں کے ساتھ صرف وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں، ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا، ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں؟ دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک دینی دوسرے دنیوی۔ دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلق کا بھاری ذریعہ رشتہ و ناطہ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لیے حرام قرار دیئے گئے۔ اگر کہو کہ ہم کو ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں کہتا ہوں نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت ہے اور اگر یہ کہو کہ غیر احمدیوں کو سلام کیوں کہا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ بعض اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود تک کو سلام کا جواب دیا ہے۔''

(کلمۃ الفصل مندرجہ ریویو آف ریلیجنز، ص ۱۶۹)

قادیانیوں کو علیحدہ اُمت قرار دینے کا مطالبہ:

یہ قطع تعلق صرف تحریر و تقریر ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ پاکستان کے لاکھوں آدمی اس بات کے شاہد ہیں کہ قادیانی عملاً بھی مسلمانوں سے کٹ کر ایک الگ اُمت بن چکے ہیں۔ نہ وہ ان کے ساتھ نماز کے شریک، نہ جنازے کے، نہ شادی بیاہ کے۔ اب اس کے بعد آخر کون سی معقول وجہ رہ جاتی ہے کہ ان کو اور مسلمانوں کو زبردستی ایک اُمت میں باندھ رکھا ہے؟ جو علیحدگی نظریے اور عمل میں فی الواقع رونما ہو چکی ہے اور پچاس برس سے قائم ہے، آخر اب اسے آئینی طور پر کیوں نہ تسلیم کر لیا جائے؟

حقیقت یہ ہے کہ قادیانی تحریک نے ختم نبوت کی ان حکمتوں اور مصلحتوں کو اب تجربے سے ثابت کر دیا ہے جنہیں پہلے محض نظری حیثیت سے سمجھنا لوگوں کے لیے مشکل تھا۔ پہلے ایک شخص یہ سوال کر سکتا تھا کہ آخر کیوں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بعد دنیا سے

ہمیشہ کے لیے انبیا کی بعثت کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔لیکن اب اس قادیانی تجربے نے عملاً یہ ثابت کر دیا کہ اُمت مسلمہ کی وحدت اور استحکام کے لیے ایک نبی کی متابعت پر تمام کلمہ گویان توحید کو مجتمع کر دینا، اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے اور نئی نئی نبوتوں کے دعوے کس طرح ایک اُمت کو پھاڑ کر اس کے اندر مزید اُمتیں بنانے اور اس کے اجزا کو پارہ پارہ کر دینے کے موجب ہوتے ہیں۔اب اگر یہ تجربہ ہماری آنکھیں کھول دے اور اس نئی اُمت کو مسلمانوں سے کاٹ کر الگ کر دیں تو پھر کسی کو نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھنے اور اُمت مسلمہ کے اندر پھر سے قطع و برید کا سلسلہ شروع کرنے کی ہمت نہ ہو گی۔ورنہ ہمارے اس قطع و برید برداشت کر لینے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم ایسے ہی دوسرے بہت سے حوصلہ مندوں کی ہمت افزائی کر رہے ہیں۔ہمارا آج کا تحمل کل دوسروں کے لیے نظیر بن جائے گا اور معاملہ ایک قطع و برید پر ختم نہ ہو گا بلکہ آئے دن ہمارے معاشرے کو نئی نئی پراگندگیوں کے خطرے سے دوچار ہونا پڑے گا۔

یہ ہے وہ اصل دلیل جس کی بنا پر ہم قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کرتے ہیں۔اس دلیل کا کوئی معقول جواب کسی کے پاس نہیں ہے مگر سامنے سے مقابلہ کرنے کے بجائے چند دوسرے سوالات چھیڑے جاتے ہیں جو براہ راست نفس معاملہ سے متعلق نہیں ہیں۔مثلاً کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں اس سے پہلے بھی مختلف گروہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے رہے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں اگر اسی طرح ایک ایک کی تکفیر پر دوسرے کو اُمت سے کاٹ دینے کا سلسلہ شروع کر دیا جائے تو سرے سے کوئی اُمت مسلمہ باقی ہی نہ رہے گی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں قادیانیوں کے علاوہ چند اور گروہ بھی ایسے موجود ہیں جو نہ صرف بنیادی عقائد میں سواد اعظم سے گہرا اختلاف رکھتے ہیں۔بلکہ عملاً انھوں نے اپنی اجتماعی شیرازہ بندی مسلمانوں سے الگ کر رکھی ہے اور قادیانیوں کی طرح وہ بھی سارے مذہبی و معاشرتی تعلقات مسلمانوں سے منقطع کیے ہوئے ہیں۔پھر کیا ان سب کو

بھی اُمت سے کاٹ پھینکا جائے گا؟ یا یہ معاملہ کسی خاص ضد کی وجہ سے صرف قادیانیوں کے ساتھ کیا جارہا ہے؟ آخر قادیانیوں کا وہ خاص قصور کیا ہے جس کی بنا پر اس طرح کے دوسرے گروہوں کو چھوڑ کر خصوصیت کے ساتھ ان ہی کو الگ کرنے کے لیے اتنا اصرار کیا جاتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علیحدگی کا مطالبہ تو اقلیت کیا کرتی ہے مگر یہ عجیب ماجرا ہے کہ آج اکثریت کی طرف سے اقلیت کو الگ کرنے کا مطالبہ کیا جارہا ہے حالانکہ اقلیت اس کے ساتھ رہنے پر مُصر ہے۔

بعض لوگوں کے ذہن پر یہ خیال بھی مسلط ہے کہ قادیانی حضرات ابتدا سے عیسائیوں، آریہ سماجیوں اور دوسرے حملہ آوروں کے مقابلے میں اسلام کی مدافعت کرتے رہے ہیں اور دنیا بھر میں وہ اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ یہ سلوک زیبا نہیں ہے اور آخر میں اب یہ بات بھی بڑے معتبر ذرائع سے سننے میں آئی ہے کہ قادیانیوں کے خلاف یہ قدم اٹھانا ہمارے ذمہ داران حکومت کے نزدیک پاکستان کے لیے سیاسی حیثیت سے بہت نقصان دہ ہے کیونکہ ان کی رائے میں قادیانی وزیر خارجہ کا ذاتی اثر انگلستان اور امریکہ میں بہت زیادہ ہے اور ہم کو ان ملکوں سے جو کچھ بھی مل سکتا ہے، ان ہی کے توسط سے مل سکتا ہے۔

ذمہ داران حکومت کا رویہ:

آخری بات چونکہ ذرا مختصر ہے اس لیے پہلے ہم اس کا جواب دیں گے پھر دوسرے سوالات پر بحث کریں گے۔

اگر یہ واقعہ ہے کہ ہمارے ذمہ داران حکومت یہی خیال رکھتے ہیں تو ہمارے نزدیک ایسے کوڑھ مغز اور کند ذہن لوگوں کی قیادت سے یہ ملک جتنی جلدی نجات پا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ جو لوگ ایک ملک کی قسمت کو کسی ایک شخص یا چند اشخاص پر منحصر سمجھتے ہیں وہ ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ ایک لمحہ کے لیے بھی پاکستان کی زمام کار ان کے ہاتھ میں رہنے دی

جائے۔ انگلستان اور امریکہ میں کوئی سیاسی مدبر اتنا احمق نہیں ہوسکتا کہ وہ آٹھ کروڑ کی آبادی رکھنے والے ایک عظیم الشان ملک اور اس کے ذرائع و وسائل اور اس کے جغرافی محل وقوع کا وزن محسوس کرنے کی بجائے صرف ایک شخص کا وزن محسوس کرے اور اس ملک کے ساتھ جو کچھ بھی معاملہ کرے اس شخص کی خاطر کرے، اور اس شخص کے ہٹتے ہی پورے ملک سے اس لیے روٹھ جائے کہ تم نے اسی ایک آدمی کو ہٹا دیا جس کے پاس خاطر سے تمھیں ''روٹی کپڑا'' دے رہے تھے۔ یہ احمقانہ بات اگر انگلستان اور امریکہ کے لوگ سن پائیں تو وہ ہمارے ''مدبرین عظام'' کی عقل وخرد پر بے اختیار ہنس پڑیں گے اور انہیں سخت حیرت ہوگی کہ ایسے ایسے طفل مکتب اس بدقسمت ملک کے سربراہ کار بنے ہوئے ہیں جنہیں اتنی موٹی سی بات بھی معلوم نہیں ہے کہ باہر کی دنیا میں قادیانی وزیر خارجہ کو جو کچھ بھی اہمیت حاصل ہے پاکستان کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ پاکستان کی اہمیت اس خاص وزیر خارجہ کے طفیل۔

مسلمانوں میں شغل تکفیر:

اب ہم اوپر کے سوالات میں سے ایک ایک کو لے کر سلسلہ وار ان کا جواب دیتے ہیں۔ بلاشبہ مسلمانوں میں یہ ایک بیماری پائی جاتی ہے کہ ان کے مختلف گروہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے رہے ہیں اور اب بھی بعض گروہوں کا یہ شغل نامبارک جاری ہے۔لیکن اس کو حجت بنا کر قادیانی گروہ کو امت مسلمہ میں شامل رکھنا کئی وجوہ سے غلط ہے۔

اولاً، اس شغل تکفیر کی بعض غلط اور بری مثالوں کو پیش کر کے یہ کلی حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ تکفیر ہمیشہ غلط ہی ہوتی ہے اور سرے سے کسی بات پر کسی کی تکفیر ہونی ہی نہ چاہیے۔فروعات کے ذرا ذرا سے اختلافات پر تکفیر کر دینا اگر ایک غلط حرکت ہے تو اسی طرح دین کی بنیادی حقیقتوں سے کھلے کھلے انحراف پر تکفیر نہ کرنا بھی سخت غلطی ہے۔ جو لوگ بعض علماء کی بے جا تکفیر بازی سے یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ ہر قسم کی تکفیر سرے سے ہی بے جا ہے، ان سے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ہر شخص ہر حال میں مسلمان ہی رہتا ہے خواہ وہ خدائی کا

دعویٰ کر بیٹھے یا نبوت کا مدعی ہو یا اسلام کے بنیادی عقائد سے صریحاً منحرف ہو جائے؟

ثانیاً، مسلمانوں کے جن گروہوں کی باہمی تکفیر بازی کو آج حجت بنایا جارہا ہے ان کے سر برآوردہ علماء ابھی ابھی کراچی میں سب کے سامنے جمع ہوئے تھے اور انھوں نے بالاتفاق اسلامی حکومت کے اصول مرتب کیے تھے۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہوئے ہی یہ کام کیا۔ اس سے بڑھ کر اس بات کا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ ایک دوسرے کے بعض عقائد کو کافرانہ عقائد کہنے اور سمجھنے کے باوجود وہ ایک دوسرے کو خارج از دائرہ اسلام نہ کہتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں، لہٰذا یہ اندیشہ بالکل فرضی ہے کہ قادیانیوں کو الگ کرنے کے بعد مختلف گروہوں کو اُمت سے کاٹ پھینکنے کا ایک سلسلہ چل پڑے گا۔

ثالثاً، قادیانیوں کی تکفیر کا معاملہ دوسرے گروہوں کی باہمی تکفیر بازی سے بالکل مختلف نوعیت رکھتا ہے، قادیانی ایک نئی نبوت لے کر اٹھے ہیں جو لازماً ان تمام لوگوں کو ایک اُمت بناتی ہے جو اس نبوت پر ایمان لے آئیں اور ان تمام لوگوں کو کافر بنا دیتی ہے جو اس پر ایمان نہ لائیں۔ اس بنا پر قادیانی تمام مسلمانوں کی تکفیر پر متفق ہیں اور تمام مسلمان ان کی تکفیر پر متفق۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت بڑا بنیادی اختلاف ہے جس کو مسلمانوں کے باہمی فروعی اختلافات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

مسلمانوں میں دوسرے فرقے:

بلاشبہ مسلمانوں میں قادیانیوں کے علاوہ بعض اور گروہ بھی ایسے موجود ہیں جو اسلام کی بنیادی حقیقتوں میں مسلمانوں سے اختلاف رکھتے ہیں اور مذہبی و معاشرتی تعلقات منقطع کر کے اپنی جداگانہ تنظیم کر چکے ہیں۔ لیکن چند وجوہ ایسے ہیں جن کی بنا پر ان کا معاملہ قادیانیوں سے بالکل مختلف ہے۔

وہ مسلمانوں سے کٹ کر بس الگ تھلگ ہو بیٹھے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے چند چھوٹی چھوٹی چٹانیں ہوں جو سرحد پر پڑی ہوئی ہوں اس لیے ان کے وجود پر صبر کیا جاسکتا ہے۔ لیکن قادیانی مسلمانوں کے اندر مسلمان بن کر گھستے ہیں۔ اسلام کے نام

سے اپنے مسلک کی اشاعت کرتے ہیں، مناظرہ بازی اور جارحانہ تبلیغ کرتے پھرتے ہیں اور مسلم معاشرے کے اجزاء کو توڑ توڑ کر اپنے جداگانہ معاشرے میں شامل کرنے کی مسلسل کوشش کررہے ہیں۔ ان کی بدولت مسلم معاشرے میں اختلال و انتشار کا ایک مستقل فتنہ برپا ہے جس کی وجہ سے ان کے معاملے میں ہمارے لیے وہ صبر ممکن نہیں ہے جو دوسرے گروہوں کے معاملے میں کیا جاسکتا ہے۔

ان گروہوں کا مسئلہ ہمارے لیے صرف ایک دینیاتی مسئلہ ہے کہ آیا اپنے مخصوص عقائد کی بنا پر وہ اسلام کے پیرو سمجھے جاسکتے ہیں یا نہیں۔ اگر بالفرض وہ اسلام کے پیرو نہ بھی مانے جائیں تو جس جمود کی حالت میں وہ ہیں اس کی وجہ سے ان کا مسلمانوں میں شامل رہنا ہمارے لیے نہ خطرہ ایمان ہے اور نہ کوئی معاشرتی، معاشی یا سیاسی مسئلہ ہی پیدا کرتا ہے۔ لیکن مسلمانوں میں قادیانی مسلک کی مسلسل تبلیغ ایک طرف لاکھوں ناواقف دین مسلمانوں کے لیے ایمان کا خطرہ بنی ہوئی ہے اور دوسری طرف جس خاندان میں بھی ان کی یہ تبلیغ کارگر ہوجاتی ہے وہاں فوراً ایک معاشرتی مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے۔ کہیں شوہر اور بیوی میں جدائی پڑ رہی ہے۔ کہیں باپ اور بیٹے ایک دوسرے سے کٹ رہے ہیں اور کہیں بھائی اور بھائی کے درمیان شادی و غم کی شرکت تک کے تعلقات منقطع ہورہے ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ قادیانیوں کی جتھہ بندی سرکاری دفتروں میں، تجارت میں، صنعت میں، زراعت میں غرض زندگی کے ہر میدان میں مسلمانوں کے خلاف نبردآزما ہے جس سے معاشرتی مسئلے کے علاوہ اور دوسرے مسائل بھی پیدا ہورہے ہیں۔

قادیانیوں کے سیاسی عزائم:

پھر دوسرے گروہوں کے کوئی ایسے سیاسی رجحانات نہیں ہیں جو ہمارے لیے کسی حیثیت سے خطرناک ہوں اور ہمیں مجبور کرتے ہوں کہ ہم فوراً ان کے مسئلے کو حل کرنے کی فکر کریں۔ لیکن قادیانیوں کے اندر بعض ایسے خطرناک سیاسی رجحانات پائے جاتے ہیں، جن سے کسی طرح آنکھیں بند نہیں کی جاسکتیں۔

ان کو ابتدا سے یہ احساس رہا ہے کہ ایک نئی نبوت کا دعویٰ لے کر جو شخص یا گروہ اٹھے اس کا کسی آزاد و باختیار مسلم سوسائٹی کے اندر پنپنا مشکل ہے۔ وہ مسلم قوم کے مزاج سے واقف ہیں کہ وہ طبعاً ایسے دعووں سے متنفر ہے جو ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان کفر واسلام کی تفریق کر کے نظام دین کو اور اسلامی معاشرے کے نظام کو درہم برہم کرتے ہوں۔ وہ مسلمانوں کی تاریخ سے واقف ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے دور سے لے کر آج تک اس طرح کے مدعیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا رہا ہے۔ انہیں خوب معلوم ہے کہ جہاں حکومت مسلمانوں کے اپنے ہاتھ میں ہو وہاں نئی نئی نبوتوں کے چراغ نہ کبھی جلنے دیئے گئے ہیں اور نہ آئندہ کبھی اُمید کی جاسکتی ہے کہ جلنے دیئے جائیں گے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ صرف ایک غیر مسلم حکومت ہی میں آدمی کو یہ آزادی مل سکتی ہے کہ حکومت کو اپنی وفاداری و خدمت گزاری کا پورا اطمینان دلانے کے بعد مذہب کے دائرے میں جو دعویٰ چاہے کرے اور مسلمانوں کے دین، ایمان اور معاشرے میں جیسے فتنے چاہے اٹھاتا رہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اسلام کی حکومت پر کفر کی حکومت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ ان کی شکارگاہ مسلمان قوم ہی ہے، کیونکہ وہ اسلام کے نام پر اپیل کرتے ہیں اور قرآن وحدیث کے اسلحہ سے کام لیتے ہیں۔ لیکن ان کا مفاد یہ مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمان قوم ایک کافر اقتدار کے پنجے میں بے بس ہو کر ان کی شکارگاہ بنی رہے اور یہ اس کافر اقتدار کے پکے وفادار بن کر اس کا شکار کرتے رہیں۔ ایک آزاد خود مختار مسلمان قوم ان کے لیے بڑی سنگلاخ زمین ہے جسے وہ دل سے پسند نہیں کرتے اور نہ ہی کر سکتے ہیں۔

اس کے ثبوت میں مرزا غلام احمد صاحب اور ان کی جماعت کے بکثرت بیانات میں سے صرف چند کا نقل کر دینا ہی کافی ہے:

''بلکہ اس گورنمنٹ کے ہم پر اس قدر احسان ہیں کہ اگر ہم یہاں سے نکل جائیں تو ہمارا مکہ میں گزارا ہو سکتا ہے اور نہ قسطنطنیہ میں تو پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اس کے برخلاف کوئی خیال اپنے دل میں رکھیں۔'' (ملفوظات احمدیہ، جلد اول، ص ۱۴۶)

”میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں، نہ مدینہ میں، نہ روم میں، نہ شام میں، نہ ایران میں، نہ کابل میں مگر اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لیے دعا کرتا ہوں۔“ (تبلیغ رسالت مرزا غلام احمد صاحب، جلد ششم، ص ۹۹)

”یہ تو سوچو کہ اگر تم اس گورنمنٹ کے سائے سے باہر نکل جاؤ تو پھر تمہارا ٹھکانہ کہاں ہے؟ ایسی سلطنت کا بھلا نام تو لو جو تمہیں اپنی پناہ میں لے لے گی۔ ہر ایک اسلامی سلطنت تمہارے قتل کرنے کے لیے دانت پیس رہی ہے۔ کیونکہ ان کی نگاہ میں تم کافر اور مرتد ٹھہر چکے ہو۔ تم اس خداداد نعمت کی قدر کرو اور تم یقیناً سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے سلطنت انگریز تمہاری بھلائی کے لیے اس ملک میں قائم کی ہے اور اگر اس سلطنت پر کوئی آفت آئے تو وہ آفت تمہیں بھی نابود کر دے گی ...... ذرا کسی اور سلطنت کے زیر سایہ رہ کر دیکھ لو کہ تم سے کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ سنو انگریزی سلطنت تمہارے لیے ایک رحمت ہے۔ تمہارے لیے ایک برکت ہے اور خدا کی طرف سے تمہاری وہ سپر ہے پس تم دل و جان سے اس سپر کی قدر کرو اور ہمارے مخالف جو مسلمان ہیں، ہزار ہا درجہ ان سے انگریز بہتر ہیں کیونکہ وہ ہمیں واجب القتل نہیں سمجھتے۔ وہ تمہیں بے عزت نہیں کرنا چاہتے۔“

(اپنی جماعت کے لیے ضروری نصیحت از مرزا غلام احمد صاحب مندرجہ تبلیغ رسالت، جلد دہم، ص ۱۲۳)

”ایرانی گورنمنٹ نے جو سلوک مرزا علی محمد باب، بانی فرقہ بابیہ اور اس کے بے کس مریدوں کے ساتھ مذہبی اختلاف کی وجہ سے کیا اور جو ستم اس فرقے پر توڑے گئے، وہ ان دانش مند لوگوں پر مخفی نہیں ہیں جو قوموں کی تاریخ پڑھنے کے عادی ہیں۔ اور پھر سلطنت ترکی نے جو ایک یورپ کی سلطنت کہلاتی ہے، جو برتاؤ بہاء اللہ بانی فرقہ بابیہ بہائیہ اور اس کے جلا وطن شدہ پیرووٴں سے ۱۸۶۳ سے لے کر ۱۸۹۲ء تک پہلے قسطنطنیہ پھر ایڈریانوپل اور بعد ازاں مکہ کے جیل خانے میں کیا، وہ بھی دنیا کے اہم واقعات پر اطلاع رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے۔ دنیا میں تین ہی بڑی سلطنتیں کہلاتی ہیں۔ اور تینوں نے جو تنگ دلی اور تعصب کا نمونہ اس شائستگی کے زمانے میں دکھایا وہ احمدی قوم کو یقین دلائے بغیر نہیں

رہ سکتا کہ احمدیوں کی آزادی تاج برطانیہ کے ساتھ وابستہ ہے......لہٰذا تمام سچے احمدی جو حضرت مرزا کو مامور من اللہ اور ایک مقدس انسان تصور کرتے ہیں بدوں کسی خوشامد اور چاپلوسی کے دل سے یقین کرتے ہیں کہ برٹش گورنمنٹ ان کے لیے فضل ایزدی اور سایہ رحمت ہے اور اس کی ہستی کو وہ اپنی ہستی خیال کرتے ہیں۔'' (الفضل، ۱۳ ستمبر ۱۹۱۴ء)

یہ عبارات اپنی زبان سے خود کہہ رہی ہیں کہ کفار کی غلامی جو مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی مصیبت ہے، مدعیان نبوت اور ان کے پیروؤں کے لیے وہی عین رحمت اور فضل ایزدی ہے کیونکہ اسی کے زیر سایہ ان لوگوں کو اسلام میں نئی نئی نبوتوں کے فتنے اٹھانے اور مسلم معاشرے کی قطع و برید کرنے کی آزادی حاصل ہوسکتی ہے اور اس کے برعکس مسلمانوں کی اپنی آزاد حکومت، جو مسلمانوں کے لیے ایک رحمت ہے، ان لوگوں کے لیے وہی ایک آفت ہے کیونکہ بااختیار مسلمان بہرحال اپنے ہی دین کی تخریب اور اپنے ہی معاشرے کی قطع و برید کو بخوشی برداشت نہیں کر سکتے۔

پاکستان میں قادیانی ریاست:

اس مستقل رجحان کے علاوہ اب ایک نیا رجحان قادیانی گروہ میں ابھر رہا ہے کہ وہ پاکستان کے اندر ایک قادیانی ریاست کی بنا ڈالنا چاہتے ہیں۔ قیام پاکستان کو ابھی پورا ایک سال بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ ۲۳ جولائی ۱۹۴۸ء کو قادیانی خلیفہ صاحب نے کوئٹہ میں ایک خطبہ دیا جو ۱۳/ اگست کے الفضل میں بایں الفاظ شائع ہوا ہے:

''برٹش بلوچستان، جو اب پاکی بلوچستان ہے، کی کل آبادی پانچ یا چھ لاکھ ہے۔ یہ آبادی اگرچہ دوسرے صوبوں کی آبادی سے کم ہے مگر بوجہ ایک یونٹ ہونے کے اسے بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دنیا میں جیسے افراد کی قیمت ہوتی ہے، یونٹ کی بھی قیمت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ کی کانسٹی ٹیوشن ہے۔ وہاں اسٹیٹس سینٹ کے لیے اپنے ممبر منتخب کرتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کسی اسٹیٹ کی آبادی دس کروڑ ہے یا ایک کروڑ ہے۔ سب اسٹیٹس کی طرف سے برابر ممبر لیے جاتے ہیں۔ غرض پاکی بلوچستان کی آبادی

پانچ یا چھ لاکھ ہے اور اگر ریاستی بلوچستان کو ملا لیا جائے تو اس کی آبادی گیارہ لاکھ ہے لیکن چونکہ یہ ایک یونٹ ہے اس لیے اسے بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ زیادہ آبادی کو تو احمدی بنانا مشکل ہے لیکن تھوڑے آدمیوں کو احمدی بنانا کوئی مشکل نہیں۔ پس جماعت اس طرف اگر پوری توجہ دے تو اس صوبے کو بہت جلد احمدی بنایا جا سکتا ہے...... یاد رکھو تبلیغ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک ہماری (base) مضبوط نہ ہو۔ پہلے (base) مضبوط ہو تو پھر تبلیغ پھیلتی ہے۔ بس پہلے اپنی (base) مضبوط کر لو۔ کسی نہ کسی جگہ اپنی (base) بنا لو۔ کسی ملک میں ہی بنا لو...... اگر ہم سارے صوبے کو احمدی بنا لیں تو کم از کم ایک صوبہ تو ایسا ہو جائے گا جس کو ہم اپنا صوبہ کہہ سکیں گے اور یہ بڑی آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔''

یہ تقریر کسی تشریح کی محتاج نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ دوسرے گروہ جن کی موجودگی کا حوالہ دے کر قادیانیوں کو برداشت کرنے کا ہمیں مشورہ دیا جاتا ہے، کیا ان میں سے بھی کسی کے ایسے منصوبے ہیں؟ کیا ان میں سے بھی کوئی ایسا ہے جو اپنے مذہب کے لیے غیر مسلم اقتدار کو مفید سمجھتا ہو اور مسلم اقتدار قائم ہوتے ہی ریاست کے اندر اپنی ریاست بنانے کی فکر میں لگ گیا ہو؟ اگر نہیں ہے تو پھر ان کی مثال قادیانیوں پر کیوں چسپاں کی جاتی ہے؟

قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ:

اب تیسرے سوال کو لیجیے۔ یعنی یہ کہ علیحدگی کا مطالبہ تو اقلیتیں کیا کرتی ہیں۔ یہاں یہ کیسی الٹی بات ہو رہی ہے کہ اکثریت اس کا مطالبہ لے کر اٹھی ہے۔

یہ سوال جو لوگ چھیڑتے ہیں کیا براہ کرم ان میں سے کوئی صاحب کسی سیاسی انجیل کی ایسی کوئی آیت پیش کر سکتے ہیں، جس میں یہ قانون کلی بیان کیا گیا ہو کہ علیحدگی کا مطالبہ کرنا صرف اقلیت ہی کے لیے جائز ہے، اکثریت ایسے کسی مطالبے کو پیش کرنے کی حق دار نہیں ہے؟ ہمیں بتایا جائے کہ یہ اصول کہاں لکھا ہے اور کس نے اسے مقرر کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ مطالبات ہمیشہ ضرورت کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں اور وہی ان کو پیش کرتا ہے جسے ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ ایک مطالبہ جس ضرورت کی بنا پر

کیا جا رہا ہے وہ بجائے خود معقول ہے یا نہیں، یہاں اختلاط کا نقصان اکثریت کو پہنچ رہا ہے نہ کہ اقلیت کو۔ اس لیے اکثریت یہ مطالبہ کرنے پر مجبور ہوئی ہے کہ اس اقلیت کو آئینی طور پر الگ کر دیا جائے جو ایک طرف عملاً الگ ہو کر علیحدگی کا پورا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اور دوسری طرف اکثریت کا جز بن کر اختلاط کے فوائد بھی سمیٹتی چلی جاتی ہے۔ ایک طرف وہ مسلمانوں سے مذہبی و معاشرتی تعلقات منقطع کر کے اپنی الگ جتھہ بندی کرتی ہے اور منظم طریقے سے ان کے خلاف ہر میدان میں کشمکش کرتی ہے تو دوسری طرف مسلمانوں میں مسلمان بن کر گھستی ہے، اپنی تبلیغ سے اپنی تعداد بڑھاتی ہے، مسلم معاشرے میں تفریق کا فتنہ برپا کرتی ہے اور سرکاری ملازمتوں میں مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنے متناسب حصے کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ حصہ حاصل کر لیتی ہے۔ اس صورت حال کا سراسر نقصان اکثریت کو پہنچ رہا ہے اور بالکل ناجائز فائدہ اقلیت حاصل کر رہی ہے۔ پھر آخر کون سی معقول وجہ ہے کہ ایسے حالات میں اگر اقلیت علیحدگی کا مطالبہ نہیں کرتی تو اسے زبردستی اکثریت کے سینے پر مونگ دلنے کے لیے بٹھائے رکھا جائے اور اکثریت کے مطالبہ علیحدگی کو رد کر دیا جائے؟ علیحدگی کے اسباب اکثریت نے نہیں بلکہ خود اقلیت نے پیدا کیے۔ عملاً اپنا الگ معاشرہ اس نے خود بنایا۔ اکثریت سے مذہبی و معاشرتی روابط اس نے خود توڑے۔ اس روش کا فطری تقاضا یہ تھا کہ وہ خود اس علیحدگی کو تسلیم کر لیتی جو اس نے فی الواقع اختیار کی ہے۔ اسے اگر تسلیم کرنے سے وہ گریز کرتی ہے تو یہ اس سے پوچھیے کہ کیوں گریز کرتی ہے اور خدا نے آپ کو دیکھنے والی آنکھیں دی ہیں تو خود دیکھیے کہ اپنے ہی عمل کے لازمی نتائج قبول کرنے سے اسے کیوں گریز ہے۔ اس کی نیت اگر دغا اور فریب سے کام چلانے کی ہے تو آپ کی عقل کہاں چلی گئی ہے کہ آپ خود اس قوم کو اس کی دغا بازی کا شکار بنانے پر تلے ہوئے ہیں؟

قادیانیوں کی تبلیغ کی حقیقت:

آخری جواب طلب بات یہ رہ جاتی ہے کہ قادیانی حضرات اسلام کی مدافعت اور تبلیغ کرتے رہے ہیں، اس لیے ان سے ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔

یہ درحقیقت ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے جس میں بالعموم ہمارے نئے تعلیم یافتہ لوگ بُری طرح مبتلا ہیں۔ اس لیے ہم ان سے گزارش کرتے ہیں کہ ذرا آنکھیں کھول کر مرزا صاحب قادیانی کی حسب ذیل عبارتوں کو ملاحظہ فرمائیں۔ یہ عبارتیں اس مذہب کے بانی کی نیت اور مقاصد کو خود ہی بڑی خوبی کے ساتھ بیان کر رہی ہیں:

''تریاق القلوب'' مطبوعہ مطبع ضیاء الاسلام قادیان ۲۸ / اکتوبر ۱۹۰۲ء ضمیمہ نمبر ۳ بعنوان ''حضور گورنمنٹ عالیہ میں ایک عاجزانہ درخواست'' میں مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں:

''بیس برس کی مدت سے میں اپنے دلی جوش سے ایسی کتابیں زبان فارسی اور عربی اور اُردو اور انگریزی میں شائع کر رہا ہوں جن میں بار بار یہ لکھا گیا ہے کہ مسلمانوں کا فرض ہے، جس کے ترک سے وہ خدا تعالیٰ کے گناہ گار ہوں گے کہ اس گورنمنٹ کے سچے خیر خواہ اور دلی جاں نثار ہو جائیں اور جہاد اور خونی مہدی کے انتظار وغیرہ بے ہودہ خیالات سے جو قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتے، دست بردار ہو جائیں اور اگر وہ اس غلطی کو چھوڑنا نہیں چاہتے تو کم سے کم یہ ان کا فرض ہے کہ اس گورنمنٹ محسنہ کے ناشکر گزار نہ بنیں اور نمک حرامی سے خدا کے گناہ گار نہ ٹھہریں۔'' (ص: ۳۰۷)

''اب میں اپنی گورنمنٹ محسنہ کی خدمت میں جرأت سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ بست سالہ میری خدمت ہے جس کی نظیر برٹش انڈیا میں ایک بھی اسلامی خاندان پیش نہیں کر سکتا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قدر لمبے زمانہ تک جو بیس برس کا زمانہ ہے ایک مسلسل طور پر تعلیم مذکورہ بالا پر زور دیتے جانا کسی منافق اور خود غرض کا کام نہیں ہے بلکہ ایسے شخص کا کام ہے جس کے دل میں اس گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی ہے۔ ہاں میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ میں نیک نیتی سے دوسرے مذاہب کے لوگوں سے مباحثات بھی کیا کرتا ہوں اور ایسا ہی پادریوں کے مقابل پر بھی مباحثات کی کتابیں شائع کرتا رہا ہوں اور میں اس بات کا بھی اقراری ہوں جب کہ بعض پادریوں اور عیسائی مشنریوں کی تحریر نہایت سخت ہو گئی اور حد اعتدال سے بڑھ گئی اور بالخصوص پرچہ نور افشاں میں جو کہ ایک عیسائی اخبار لدھیانہ سے نکلتا ہے،

نہایت گندی تحریریں شائع ہوئیں اور مولفین نے ہمارے نبی اکرم ﷺ کی نسبت نعوذ باللہ ایسے الفاظ استعمال کیے کہ یہ شخص ڈاکو تھا، چور تھا، زنا کار تھا اور صدہا پرچوں میں یہ شائع کیا کہ یہ شخص اپنی لڑکی پر بدنیتی سے عاشق تھا اور بایں ہمہ جھوٹا تھا اور لوٹ مار اور خون کرنا اس کا کام تھا تو مجھے ایسی کتابوں اور اخباروں کے پڑھنے سے یہ اندیشہ دل میں پیدا ہوا کہ مبادا مسلمانوں کے دلوں پر جو ایک جوش رکھنے والی قوم ہے، ان کلمات کا کوئی سخت اشتعال دینے والا اثر پیدا ہو تب میں نے ان جوشوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اپنی صحیح اور پاک نیت سے یہی مناسب سمجھا کہ اس عام جوش کو دبانے کے لیے حکمت عملی یہی ہے کہ ان تحریرات کا کسی قدر سختی سے جواب دیا جائے تاکہ سریع الغضب انسانوں کے جوش فرو ہو جائیں اور ملک میں کوئی بدامنی پیدا نہ ہو۔ تب میں نے بمقابل ایسی کتابوں کے جن میں کمال سختی سے بدزبانی کی گئی تھی چند ایسی کتابیں لکھیں جن میں بالمقابل سختی تھی کیونکہ میرے کانشنس نے قطعی طور پر مجھے فتویٰ دیا کہ اسلام میں جو بہت سے وحشیانہ جوش رکھنے والے آدمی موجود ہیں، ان کے غیظ و غضب کی آگ بجھانے کے لیے یہ طریق کافی ہوگا۔ (ص ۳۰۸۔۳۰۹)

پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

''سو مجھ سے پادریوں کے مقابل پر جو کچھ وقوع میں آیا یہی ہے کہ حکمت عملی سے بعض وحشی مسلمانوں کو خوش کیا گیا اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ تمام مسلمانوں میں سے اول درجے کا خیر خواہ گورنمنٹ انگریزی کا ہوں کیونکہ مجھے تین باتوں نے خیر خواہی میں اول درجے پر بنا دیا ہے اول والد مرحوم کے اثر نے، دوم اس گورنمنٹ عالیہ کے احسانوں نے، سوم تیسرے خدا تعالیٰ کے الہام نے۔'' (ص ۳۰۹۔۳۱۰)

انگریزی حکومت کی وفاداری:

''شہادۃ القرآن'' مطبوعہ پنجاب پریس سیالکوٹ طبع ششم کے ساتھ ایک ضمیمہ ہے جس کا عنوان ہے ''گورنمنٹ کی توجہ کے لائق'' اس میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''سو میرا مذہب جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں، یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔

ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کریں۔ دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو، جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سائے میں ہمیں پناہ دی ہو۔ سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے۔ (ص ۳)

''تبلیغ رسالت'' جلد ہفتم مطبوعہ فاروق پریس قادیان (اگست ۱۹۲۲ء) میں مرزا صاحب کی ایک درخواست ''بحضور نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر دام اقبالہٗ'' درج ہے جس میں وہ پہلے اپنے خاندان کی وفاداریوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ چٹھیاں نقل کرتے ہیں جو ان کے والد مرزا غلام مرتضیٰ خان کو کمشنر لاہور، فنانشل کمشنر پنجاب اور دوسرے انگریز افسروں نے ان کی وفادارانہ خدمات کے اعتراف میں عطا کی تھیں۔ نیز ان خدمات کو گنایا ہے جو ان کے خاندان کے دوسرے بزرگوں نے انجام دیں۔ پھر لکھتے ہیں:

''میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو قریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں، اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں تا کہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کو دور کروں جو ان کو دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں۔'' (ص ۱۰)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

''اور میں نے نہ صرف اس قدر کام کیا کہ برٹش انڈیا کے مسلمانوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی اطاعت کی طرف جھکایا بلکہ بہت سی کتابیں عربی اور فارسی اور اُردو میں تالیف کر کے ممالک اسلامیہ کے لوگوں کو بھی مطلع کیا کہ ہم لوگ کیوں کر امن اور آزادی سے گورنمنٹ انگلشیہ کے سایہ عاطفت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔'' (ص ۱۰)

پھر وہ اپنی کتابوں کی ایک لمبی فہرست دیتے ہیں جن سے ان کی وفادارانہ خدمات کا ثبوت ملتا ہے۔ پھر لکھتے ہیں:

''گورنمنٹ تحقیق کرے کہ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہزاروں مسلمانوں نے جو مجھے کافر

قرار دیا اور مجھے اور میری جماعت کو جو ایک گروہ کثیر پنجاب اور ہندوستان میں موجود ہے ہر ایک طور کی بدگوئی اور بداندیشی سے ایذا دینا اپنا فرض سمجھا۔ اس تکفیر اور ایذا کا ایک مخفی سبب یہ ہے کہ ان نادان مسلمانوں کے پوشیدہ خیالات کے برخلاف دل و جان سے گورنمنٹ انگلشیہ کی شکرگزاری کے لیے ہزار ہا اشتہارات شائع کیے گئے اور ایسی کتابیں بلاد عرب و شام وغیرہ تک پہنچائی گئیں؟ یہ باتیں بے ثبوت نہیں۔ اگر گورنمنٹ توجہ فرمادے تو نہایت بدیہی ثبوت میرے پاس ہیں۔ میں زور سے کہتا ہوں اور میں دعویٰ سے گورنمنٹ کی خدمت میں اعلان دیتا ہوں کہ باعتبار مذہبی اصول کے مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سے گورنمنٹ کا اول درجے کا وفادار اور جاں نثار یہی نیا فرقہ ہے جس کے اصولوں میں سے کوئی اصول گورنمنٹ کے لیے خطرناک نہیں۔'' (ص ۱۳)

آگے چل کر پھر لکھتے ہیں:

''اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے، ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔'' (ص ۱۷)

تھوڑی دیر کے لیے اس سوال کو نظر انداز کر دیجیے کہ یہ زبان اور یہ تحریر کسی نبی کی ہو بھی سکتی ہے یا نہیں۔ ہم یہاں جس پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ اس مذہب کی تبلیغ و تلقین اور ''مدافعت اسلام'' کے وہ مقاصد اور محرکات ہیں جو بانی مذہب نے خود بیان کیے ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی یہ نام نہاد ''خدمت دین'' کسی قدر کی مستحق رہ جاتی ہے؟ اس پر بھی اگر کوئی شخص اس خدمت دین کی حقیقت نہ سمجھ سکے تو ہم اس سے گزارش کریں گے کہ ذرا قادیانیوں کے اپنے اعترافات کو آنکھیں کھول کر پڑھے:

''عرصہ دراز کے بعد اتفاقاً ایک لائبریری میں ایک کتاب ملی جو چھپ کر نایاب بھی ہوگئی تھی۔ اس کتاب کا مصنف ہے ایک اطالوی انجینئر، جو افغانستان میں ذمہ دار عہدہ پر فائز تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب (قادیانی) کو اس لیے شہید کیا گیا کہ

وہ جہاد کے خلاف تعلیم دیتے تھے اور حکومت افغانستان کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ اس سے افغانوں کا جذبہ حریت کمزور ہو جائے گا اور ان پر انگریزوں کا اقتدار چھا جائے گا...... ایسے معتبر راوی کی روایت سے یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچ جاتا ہے کہ اگر صاحبزادہ عبداللطیف شہید خاموشی سے بیٹھے رہتے اور جہاد کے خلاف کوئی لفظ بھی نہ کہتے تو حکومت افغانستان کو انہیں شہید کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔''

(مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا خطبہ جمعہ مندرجہ الفضل مورخہ ۶/ اگست ۱۹۳۵ء)

افغانستان گورنمنٹ کے وزیر داخلہ نے مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا ہے:

''کابل کے دو اشخاص ملا عبدالحلیم چہار آسیائی و ملا نور علی دکاندار قادیانی عقائد کے گرویدہ ہو چکے تھے اور لوگوں کو اس عقیدہ کی تلقین کر کے انہیں اصلاح کی راہ سے بھٹکا رہے تھے......ان کے خلاف مدت سے ایک اور دعویٰ دائر ہو چکا تھا اور مملکت افغانیہ کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط ان کے قبضے سے پائے گئے جن سے پایا جاتا ہے کہ وہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھ بک چکے تھے۔''

(اخبار الفضل بحوالہ امان افغان۔ مورخہ ۳/ مارچ ۱۹۲۵ء)

''روسیہ (یعنی روس) میں مَیں اگرچہ تبلیغ احمدیت کے لیے گیا تھا لیکن چونکہ سلسلہ احمدیہ اور برٹش حکومت کے باہمی مفاد ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اس لیے جہاں میں اپنے سلسلے کی تبلیغ کرتا تھا وہاں لازماً مجھے گورنمنٹ انگریزی کی خدمت گزاری بھی کرنی پڑتی تھی۔'' (بیان محمد امین صاحب قادیانی مبلغ۔ مندرجہ اخبار الفضل مورخہ ۲۸ ستمبر ۱۹۲۲ء)

''دنیا ہمیں انگریزوں کا ایجنٹ سمجھتی ہے، چنانچہ جب جرمنی میں احمدیہ عمارت کے افتتاح کی تقریب میں ایک جرمن وزیر نے شمولیت کی تو حکومت نے اس سے جواب طلب کیا کہ کیوں تم ایسی جماعت کی کسی تقریب میں شامل ہوئے جو انگریزوں کی ایجنٹ ہے۔''

(خلیفہ قادیان کا خطبہ جمعہ، مندرجہ اخبار الفضل مورخہ یکم نومبر ۱۹۳۴ء)

''ہمیں اُمید ہے کہ برٹش حکومت کی توسیع کے ساتھ ہمارے لیے اشاعت اسلام کا میدان بھی وسیع ہو جائے گا اور غیر مسلم کو مسلم بنانے کے ساتھ ہم مسلمان کو پھر مسلمان کریں

گے۔'' (لارڈ ہارڈنگ کی سیاست عراق پر اظہار خیال۔مندرجہ الفضل ۱۱/فروری ۱۹۱۰ء)

''فی الواقع گورنمنٹ برطانیہ ایک ڈھال ہے جس کے نیچے احمدی جماعت آگے ہی آگے بڑھتی جاتی ہے۔اس ڈھال کو ذرا ایک طرف کر دو اور دیکھو کہ زہریلے تیروں کی کیسی خطرناک بارش تمہارے سروں پر ہوتی ہے۔پس کیوں ہم اس گورنمنٹ کے شکر گزار نہ ہوں ہمارے فوائد اس گورنمنٹ سے متحد ہو گئے ہیں اور اس گورنمنٹ کی تباہی ہماری تباہی ہے اور اس گورنمنٹ کی ترقی ہماری ترقی ۔ جہاں جہاں اس گورنمنٹ کی حکومت پھیلتی جاتی ہے، ہمارے لیے تبلیغ کا ایک میدان نکلتا آتا ہے۔'' (الفضل،۱۹/اکتوبر ۱۹۱۵ء)

''سلسلہ احمدیہ کو گورنمنٹ برطانیہ سے جو تعلق ہے وہ باقی تمام جماعتوں سے نرالا ہے۔ ہمارے حالات ہی اس قسم کے ہیں کہ گورنمنٹ اور ہمارے فوائد ایک ہو گئے ہیں۔ گورنمنٹ برطانیہ کی ترقی کے ساتھ ہمیں بھی آگے قدم بڑھانے کا موقع ملتا ہے اور اس کو خدانخواستہ اگر کوئی نقصان پہنچے تو اس صدمے سے ہم بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔''

(خلیفہ قادیان کا اعلان مندرجہ اخبار الفضل، ۲۷/ جولائی ۱۹۱۸ء)

قادیانیت کے بنیادی خدوخال:

اب قادیانی جماعت کی پوری تصویر آپ کے سامنے ہے۔اس کے بنیادی خدوخال یہ ہیں:

(ا) پچاس برس سے زیادہ مدت ہوئی، جب کہ انگریزی دور حکومت میں مسلمان غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے، پنجاب میں ایک شخص نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھا۔جس قوم کو اللہ کی توحید اور رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقرار نے ایک قوم، ایک ملت اور ایک معاشرہ بنایا تھا اس کے اندر اس شخص نے یہ اعلان کیا کہ مسلمان ہونے کے لیے توحید و رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ میری نبوت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے جو اس پر ایمان نہ لائے وہ توحید و رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھنے کے باوجود کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

(۲) اس بنیاد پر اس نے مسلم معاشرے میں کفر و ایمان کی نئی تفریق پیدا کی اور جو لوگ اس پر ایمان لائے ان کو مسلمانوں سے الگ ایک اُمت اور ایک معاشرے کی شکل میں منظم کرنا شروع کر دیا۔ اس نئی اُمت اور مسلمانوں کے درمیان اعتقاداً اور عملاً ویسی ہی جدائی پڑ گئی جیسی ہندوؤں اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان تھی۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ نہ عقیدے میں شریک رہی نہ عبادت میں، نہ رشتے ناطے میں اور نہ شادی و غم میں۔

(۳) بانی مذہب کو اول روز سے یہ احساس تھا کہ مسلم معاشرہ اپنی اس قطع و برید کو بخوشی برداشت نہیں کرے گا اور نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس نے اور اس کے جانشینوں نے نہ صرف ایک پالیسی کے طور پر انگریزی حکومت کی پختہ وفاداری و خدمت گزاری کا رویہ اختیار کیا بلکہ عین اپنے موقف کے فطری تقاضے سے ہی انھوں نے یہ سمجھا کہ ان کا مفاد لازماً غلبہ کفر کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہندوستان ہی میں نہیں تمام دنیا میں اس بات کے خواہش مند رہے اور عملاً اس کے لیے کوشاں رہے کہ آزاد مسلمان قومیں بھی انگریزوں کی غلام ہو جائیں تاکہ ان میں اس نئے مذہب کی اشاعت کے لیے راہ ہموار ہو سکے۔

(۴) اس طرح بیرونی اقتدار سے گٹھ جوڑ کر کے اس جماعت نے مسلمانوں کی ان تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا جو گذشتہ نصف صدی میں اسے مسلمانوں سے خارج کرنے کے لیے کی گئیں اور انگریزی حکومت اس بات پر مصر رہی کہ یہ گروہ مسلمانوں سے الگ بلکہ ہر چیز میں ان کا مخالف ہونے کے باوجود ان ہی میں شامل رہے گا۔ اس تدبیر سے مسلمانوں کو دہرا نقصان اور قادیانی جماعت کو دہرا فائدہ پہنچایا گیا۔

(الف) عام مسلمانوں کو علماء کی تمام کوششوں کے باوجود یہ باور کرایا جاتا رہا کہ قادیانیت اسلام ہی کا ایک فرقہ اور قادیانی گروہ مسلم معاشرے ہی کا ایک حصہ ہے۔ اس طرح قادیانیت کے لیے مسلمانوں میں پھیلنا زیادہ آسان ہو گیا کیونکہ اس صورت میں ایک مسلمان کو قادیانیت اختیار کرتے ہوئے یہ اندیشہ لاحق نہیں ہوتا کہ وہ اسلام سے نکل کر کسی دوسرے معاشرے میں جا رہا ہے۔ قادیانیوں کو اس سے یہ فائدہ پہنچا کہ وہ مسلمانوں

میں سے برابر آدمی توڑتوڑ کر اپنی تعداد بڑھاتے رہے اور مسلمانوں کو یہ نقصان پہنچا کہ ان کے معاشرے میں ایک بالکل الگ اور مخالف معاشرہ سرطان کی طرح اپنی جڑیں پھیلاتا رہا۔ جس کی بدولت ہزارہا خاندانوں میں تفرقے برپا ہوگئے، خصوصیت کے ساتھ پنجاب اس کا سب سے زیادہ شکار ہوا کیونکہ یہ بلا اسی صوبے سے اٹھی تھی اور یہی وجہ ہے کہ آج پنجاب ہی کے مسلمان اس کے خلاف سب سے زیادہ مشتعل ہیں۔

(ب) انگریزی حکومت کی منظورِ نظر بن کر قادیانی جماعت انگریزی حکومت کی فوج، پولیس، عدالت اور دوسری ملازمتوں میں اپنے آدمی دھڑا دھڑ بھرتی کرتی چلی گئی اور یہ سب کچھ اس نے مسلمان بن کر ملازمتوں کے اس کوٹے سے حاصل کیا جو مسلمانوں کے لیے مخصوص تھا۔ مسلمانوں کو اطمینان دلایا جاتا رہا کہ یہ ملازمتیں تم کو مل رہی ہیں، حالانکہ وہ کثیر تعداد میں ان قادیانیوں کو دی جارہی تھیں جو مسلمانوں کے مدمقابل بن کر اپنی مخالفانہ جتھہ بندی کیے ہوئے تھے۔ ایسا ہی معاملہ ٹھیکوں اور تجارتوں اور زمینوں کے بارے میں بھی کیا گیا۔

(۵) اب یہ گروہ اپنے اس گہرے احساس کی بنا پر کہ پاکستان کا مسلم معاشرہ آزاد ہونے کے بعد زیادہ دیر تک اسے برداشت نہ کرے گا۔ ایک طرف اس کے تمام وہ افراد جو ذمہ دار سرکاری عہدوں پر ہیں، حکومت کے ہر شعبے میں اپنے آدمی بھر رہے ہیں اور معاشی وسائل و ذرائع پر بھی قادیانیوں کا زیادہ سے زیادہ قبضہ کرا رہے ہیں تاکہ تھوڑی مدت ہی میں ان کی طاقت اتنی مضبوط ہوجائے کہ پاکستان کے مسلمان آزاد و خود مختار ہونے کے باوجود ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ دوسری طرف وہ اس بات کے لیے کوشاں ہیں کہ کم از کم بلوچستان پر قبضہ کرکے پاکستان کے اندر اپنی ایک ریاست بنالیں۔

مسلمانوں کا مطالبہ:

ان وجوہ سے پاکستان کی تمام دینی جماعتوں نے بالاتفاق مطالبہ کیا ہے کہ اس سرطان کے پھوڑے کو مسلم معاشرے کے جسم سے فوراً کاٹ پھینکا جائے اور سرظفر اللہ خان کو وزارت کے منصب سے ہٹا دیا جائے جن کی بدولت ملک کے اندر بھی اور باہر کے

مسلم ممالک میں بھی اس سرطان کی جڑیں پھیل رہی ہیں اور قادیانیوں کو پاکستان کے کلیدی مناصب سے ہٹانے اور ملازمتوں میں ان کی آبادی کے تناسب سے ان کا حصہ مقرر کرنے کی جلدی سے جلدی فکر کی جائے۔

مگر حکومت پاکستان کو اس سے انکار ہے، پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کو اس سے انکار ہے، حکومت کے ذمہ دار عہدہ داروں کو اس سے انکار ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے ملک کی تعلیم یافتہ آبادی کا ایک بڑا حصہ بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ یہ محض مسلمانوں کی باہمی فرقہ وارانہ لڑائیوں کا ایک شاخسانہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس کو بھی اس تجویز سے اختلاف ہے اس کے پاس آخر دلیل کیا ہے؟ ہم نے اپنے دلائل پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر دیے ہیں۔ اب اگر کسی کے پاس جواب میں کوئی دلیل ہے تو وہ سامنے لائے ورنہ بلا دلیل ایک بات پر اڑ جانا، جس کا الزام کبھی ''ملا'' کو دیا جاتا تھا اب اس کے مرتکب وہ لوگ ہوں گے جو ''ملا'' نہ ہونے پر فخر کرتے ہیں اور وہ یقین رکھیں کہ رائے عام اور دلیل کی متفقہ طاقت ان کو آخر کار نیچا دکھا کر رہے گی۔

اس میں شک نہیں کہ اس مطالبے کے لیے عوام جس طریقے سے مظاہرے کر رہے ہیں وہ شائستہ نہیں ہے اور ملک کے تعلیم یافتہ اور سنجیدہ لوگ کسی طرح اس کو پسند نہیں کر سکتے، مگر اپنی قوم کے عوام کو یہ تربیت دینے کی ذمہ داری کس پر ہے؟ ابھی چند ہی سال پہلے اسی پنجاب میں ملک سر خضر حیات ٹوانہ کی وزارت کو توڑنے کے لیے مسلم لیگ نے جو ایجی ٹیشن کیا تھا وہ اس تازہ ایجی ٹیشن سے اپنی کون سی خصوصیات میں کچھ گھٹ کر تھا؟ یہ تو موجودہ قائدین ملت کا اپنا لگایا ہوا، باغ ہے جس کی بہار دیکھ کر وہ آج گھبرا اٹھے ہیں۔ اب اس مظاہرہ ناشائستگی کا الزام ''ملا'' کو دیا جا رہا ہے، مگر ہمیں بتایا جائے کہ خضر حیات خان کے خلاف جس شائستگی کے مظاہرے ہوئے تھے وہ کس ''ملا'' نے کرائے تھے؟ اینٹی ملا حضرات کا تو اب یہ منہ نہیں ہے کہ شائستگی و ناشائستگی کا سوال چھیڑیں۔ انہیں دیکھنا یہ چاہیے کہ مطالبہ معقول ہے یا نہیں؟ اور اس کی پشت پر رائے عام کی طاقت ہے یا نہیں؟ اگر یہ دونوں ثابت ہیں تو پھر جمہوری نظام میں کسی منطق سے ان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کے لیے

علما کی متفقہ تجویز

پاکستان کے سربرآوردہ علما نے دستوری سفارشات میں جو ترمیمات پیش کی ہیں ،ان میں سے ایک ترمیم یہ بھی ہے کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دے کر پنجاب سے مرکزی اسمبلی میں ان کے لیے ایک نشست مخصوص کردی جائے اور دوسرے علاقوں کے قادیانیوں کو بھی اس نشست کے لیے کھڑے ہونے اور ووٹ کا حق دے دیا جائے۔اس ترمیم کو علماء نے ان الفاظ کے ساتھ پیش کیا ہے۔

''یہ ایک نہایت ضروری ترمیم ہے جسے ہم پورے اصرار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ملک کے دستور سازوں کے لیے یہ بات کسی طرح موزوں نہیں ہے کہ وہ اپنے ملک کے حالات اور خصوصاً اجتماعی مسائل سے بے پرواہ ہوکر محض اپنے ذاتی نظریات کی بنا پر دستور بنانے لگیں۔انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ملک کے جن علاقوں میں قادیانیوں کی بڑی تعداد مسلمانوں کے ساتھ ملی جلی ہے وہاں اس قادیانی مسئلے نے کس قدر نازک صورت حال پیدا کردی ہے۔ان کو پچھلے دور کے حکمرانوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے جنھوں نے ہندو مسلم مسئلہ کی نزاکت کو اس وقت محسوس ہونے ہی نہ دیا جب تک متحدہ ہندوستان کا گوشہ گوشہ دونوں قوموں کے فسادات سے خون آلود نہ ہوگیا۔جو دستور ساز حضرات خود اس ملک کے رہنے والے ہیں،ان کی یہ غلطی بڑی افسوس ناک ہوگی کہ وہ جب تک پاکستان میں قادیانی مسلم تصادم کو آگ کی طرح بھڑکتے ہوئے نہ دیکھ لیں......اس وقت تک انہیں اس بات کا یقین نہ آئے کہ یہاں ایک قادیانی مسلم مسئلہ موجود ہے جسے حل کرنے کی شدید ضرورت ہے۔اس مسئلہ کو جس چیز نے نزاکت کی آخری حد تک پہنچادیا ہے وہ یہ ہے کہ قادیانی ایک طرف مسلمان بن کر مسلمانوں میں گھستے بھی ہیں اور دوسری طرف عقائد،عبادات اور

اجتماعی شیرازہ بندی میں مسلمانوں سے نہ صرف......الگ ہیں بلکہ ان کے خلاف صف آرا بھی ہیں اور مذہبی طور پر تمام مسلمانوں کو اعلانیہ کافر قرار دیتے ہیں۔اس خرابی کا علاج آج بھی یہی ہے اور پہلے بھی یہی تھا (جیسا کہ علامہ اقبال مرحوم نے اب سے بیس برس پہلے فرمایا تھا) کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دے دیا جائے۔

علماء کے نام

مولانا مفتی محمد حسن صاحب خلیفہ حاجی ترنگ زئی

مولانا ابوالحسنات صاحب	مولانا اطہر علی صاحب
مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی	مولانا محمد اسماعیل صاحب
سید ابوالاعلیٰ مودودی	مولانا حبیب اللہ صاحب
مولانا شمس الحق صاحب	علامہ سید سلیمان ندوی صاحب
مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	مولانا داؤد غزنوی صاحب
مولانا خیر محمد صاحب	مولانا احمد علی صاحب
مولانا احتشام الحق صاحب	قاضی عبدالصمد صاحب سربازی
مولانا عبدالحامد قادری بدایونی	مولانا ابوجعفر محمد صالح صاحب
مولانا محمد ادریس صاحب	مولانا محمد اسماعیل صاحب
حاجی محمد امین صاحب	مولانا محمد صادق صاحب

☆......☆......☆......☆......☆

باب دوم

مقدمہ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

اصل جرم

مولانا مودودی کو جس دفعہ کے تحت سزائے موت کا حکم سنایا گیا وہ ضابطہ نمبر ۸ مارشل لا بشمول دفعہ نمبر ۱۵۳ / الف۔ رعایا کے درمیان منافرت پھیلانا ہے نہ کہ ۱۲۴ / الف کے تحت......یعنی حکومت کے خلاف بغاوت کرنا۔

بہ الفاظ دیگر مولانا مودودی محض ''قادیانی مسئلہ'' نامی پمفلٹ لکھنے کے ہی جرم میں سزائے موت کے مستحق ٹھہرائے گئے ہیں۔

(ملاحظہ ہو: فوجی حکام کا خط بنام مولانا مودودی بہ سلسلہ اپیل ص (۹۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

جماعت اسلامی پاکستان کی دعوت اور مقصد سے نہ صرف ملک کے باشندے بلکہ بیرونی ممالک کے لوگ بھی اب ناواقف نہیں ہیں۔ یہ جماعت گذشتہ بارہ سال سے اسلامی نظام کی مؤید، حامی اور داعی ہی نہیں ہے بلکہ اس نظام کے قیام کے لیے عملاً کوشاں بھی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد سے اس کی کوششوں کا مقصد اس سرزمین پاک پر اسلامی تہذیب کا احیا و بقا، اس نئی مملکت کے دستور کی اسلامی خطوط پر ترتیب وتنفیذ اور اس مقصدی ریاست کی رہنمائی اور قیادت کے منصب پر مخلص، قابل اور صالح افراد کا وجود وغلبہ ہے۔

اس کام میں قدرتی طور پر بے شمار مشکلات حائل ہیں۔ لیکن سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ ہماری قوم کے تعلیم یافتہ اور ذی اثر افراد کا ایک بڑا حصہ مغربی تعلیم وتہذیب سے متاثر ہونے کی بنا پر اسلامی تعلیمات سے ناواقف، اسلامی تہذیب سے بدگمان اور اسلامی نظام کے نام سے خائف ہے۔ اس لیے اس طبقہ کی فکری پریشانیوں، ذہنی الجھنوں اور عقلی اعتراضات اور شبہات کو دور کرنے کے لیے جماعت اسلامی نے وسیع، جامع اور سائنٹیفک لٹریچر پیش کیا ہے جو ایک طرف مذہب کے بارے میں ہر قسم کے شکوک عقلی استدلال سے رفع کرتا ہے، دوسری طرف اسلامی نظام کی صداقت اور اس کے دورِ جدید میں قابل عمل ہونے کے دعوے کو مضبوط دلائل سے ثابت کرتا ہے اور تیسری طرف وقت کے تمام اہم مسائل کا اسلامی نقطۂ نظر سے قابل عمل اور اطمینان بخش حل پیش کرتا ہے۔

جماعت اسلامی کی مخالفت

اس علمی، فکری اور تعمیری کام کے ساتھ ساتھ جماعت اسلامی خالص جمہوری طریقہ سے اور قطعی آئینی خطوط پر پاکستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے لیے جدوجہد کر رہی ہے اور بالکل ناگزیر طور پر اس راہ میں مخالفتوں، بدنامیوں اور سازشوں کا اسے مقابلہ

کرنا پڑتا ہے لیکن اس کو جماعت کی بدقسمتی کہیے یا مخالفوں کی اخلاقی کمزوری کہ جماعت اسلامی کی دعوت، مقصد اور طریق کار کو غلط، نقصان دہ یا ناقابل عمل ٹھہرا کر نہیں بلکہ اپنے ذاتی مفاد کے خلاف اور اپنے مستقبل کے لیے خطرناک پا کر حریفوں کی طرف سے مخالفت میں ایسے ہتھکنڈے استعمال ہوئے ہیں جو نہ صرف یہ کہ غیر جمہوری ہیں بلکہ غیر شریفانہ بھی ہیں اور اس لحاظ سے قوم کی بہبود اور ملک کے مستقبل دونوں کے لیے یکساں طور پر غلط اور مُضر بھی۔

بظاہر یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ پاکستان کی اس سرزمین پر، جو اسلام کے نام پر وجود میں آئی، مسلمان کہلانے والے ایسے لوگ بھی موجود ہوں جو لادینیت کے پرستار اور خدا کی شریعت کے مخالف ہوں، لیکن بات اپنی جگہ خواہ کتنی ہی افسوسناک کیوں نہ ہو، بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ ہماری صفوں میں مسلمانوں کے سے نام رکھنے والے ایسے افراد بھی موجود ہیں جن کو اسلامی نظام سے نفرت، جماعت اسلامی کے نام سے چڑ اور مولانا مودودیؒ سے خدا واسطے کا بیر ہے۔

یہ گروہ اگرچہ بے حد قلیل التعداد ہے لیکن اقتدار کے اعلیٰ مناصب پر قابض ہونے کی وجہ سے ہر قسم کے جوڑ توڑ، شرارتیں اور سازشیں کرنے پر قادر ہے۔ یہ لوگ کھل کر اسلام کی مخالفت کرنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ اس لیے ''ملائیت'' اور ''مذہبی جنون'' کے ناموں کی آڑ لے کر اسلام کے خلاف اپنے دل کا بخار نکالتے ہیں اور علماء کی توہین اور اسلام پسند عناصر کی مخالفت کے پردہ میں پاکستان میں اسلامی دستور کے خلاف اور نظامِ اسلامی کے قیام کو روکنا چاہتے ہیں۔

دیانت داری کا تقاضا:

جماعت اسلامی یا اس کے رہنما مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے اختلاف کرنے، ان پر اعتراضات کرنے، حتیٰ کہ ان کی عملی مخالفت کرنے کا بھی ہر شخص کو پورا پورا حق حاصل ہے، لیکن شرافت، جمہوریت اور مردانگی کا تقاضا یہ ہے کہ بدترین مخالفت بھی کھل کر کی

جائے، سچائی اور دیانت کے ساتھ کی جائے اور مقابلہ علی الاعلان میدان میں آ کر کیا جائے، اس کے بجائے پس پردہ رہ کر جھوٹے اعتراضات پیش کرنا، بے بنیاد الزامات لگانا اور غیر شریفانہ پروپیگنڈا کرنا، قومی اخلاق و کردار کے لیے تو تباہ کن ہے ہی لیکن یہ مخالفین کے اپنے کردار کی پستی، اخلاق کی بے حیائی اور ان کے موقف کی کمزوری کو بھی خود ہی نمایاں کر دیتا ہے۔

کسی کو یہ بات پسند ہو یا ناپسند، بہرحال یہ حقیقت ہے کہ جماعت اسلامی اس ملک کی ایک نہایت منظم بااثر اور فعال جماعت ہے۔ پاکستان کی سیاست میں وہ بحیثیت حزب اختلاف کے، اپنا ایک خاص مقام اور درجہ رکھتی ہے اور ملک کی برسر اقتدار پارٹی سے اصولی اختلاف رکھتے ہوئے اسے اس بات کا پورا حق حاصل ہے کہ وہ اس پارٹی کی حکومت کی پالیسیوں، انتظامات اور تدابیر پر دلائل کے ساتھ تنقید کر کے اس کی کمزوریاں عوام کے سامنے لائے اور کھلے طور پر رائے عامہ کو ہموار کر کے ملکی عوام کی تائید و تعاون سے ملک کی حکمران پارٹی کو اس کے منصب سے آئینی طریقہ پر ہٹانے کی کوشش کرے۔

مخالفین کی بے بسی:

نشریاتی محکمے، خبر رساں ایجنسیاں، نیم سرکاری اخبارات اور سیاسی لیڈر ملک کی ایک اہم حزب اختلاف کی تمام خبروں کا بلیک آؤٹ کرنے اور جماعت اسلامی کا نام تک نہ لینے کے بارے میں خواہ کتنی ہی متفقہ و منظم پالیسی کیوں نہ اختیار کریں لیکن ایک تنظیم اور تحریک اپنے وجود کو منوانے اور ملک کے باشندوں پر اثر انداز ہونے کے لیے کسی سرکاری اجازت اور حکومتی اعتراف پر انحصار نہیں کرتی۔ جماعت اسلامی کا وجود و بقا اور اثر و ترقی بھی اس بات کی محتاج نہیں ہے کہ جب تک سرکاری طور پر تسلیم نہ کی جائے، اس کی طاقت اور وسعت محض خیالی اور ہوائی سمجھی جائے۔ دنیا میں حقائق سے منہ موڑنے یا ان کا اعتراف نہ کرنے سے ان کی حقیقت بہرحال نہیں بدلی جاسکتی۔

پھر جماعت اسلامی کے مخالفین کے لیے یہ بھی کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ وہ جبر و تشدد،

مکروفریب اور ظلم وزیادتی سے جماعت کے کارکنوں کو خوف زدہ، مجبور یا پست ہمت کرنا تو درکنار خاموش ہی کرسکیں۔ یہ جماعت اللہ کی توفیق سے ہر قسم کی چال بازیوں اور سازشوں کا اب تک مقابلہ کرتی رہی ہے اور آئندہ بھی ان شاء اللہ کرتی رہے گی۔ لیکن پاکستان کے ہر بہی خواہ کو یہ سوچنا پڑے گا کہ ملک کی سیاسیات میں دھوکہ دہی، دھاندلی، بے انصافی اور دہشت انگیزی کی یہ روش آخری کن نتائج پر منتج ہوگی۔

مولانا مودودیؒ کا اصل جرم:

برسر اقتدار طبقہ کے مغرب زدہ افراد کی نظروں میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا سب سے بڑا جرم یہی ہے کہ وہ اس ملک میں اسلامی نظام کے حامی اور اس کے لیے عملاً سرگرم ہیں۔ مولانا مودودیؒ ہی نے پاکستان میں سب سے پہلے اسلامی حکومت کی آواز بلند کی اور باشندگان ملک کو اسلامی دستور کے لیے متحد و منظم کیا۔ ان ہی نے عوام کے اسلامی جذبات کو مشہور نو نکاتی مطالبے کی صورت میں سمیٹ کر مجلسِ دستور ساز کے سامنے رکھا جس کے نتیجہ میں قوم کی عظیم اکثریت نے پورے ملک میں اسلامی دستور کے لیے کامیاب ترین مہم چلائی اور مجلس دستور ساز کو مجبور کردیا کہ ۱۹۵۲ء کے اندر دستوری سفارشات کے بارے میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ پیش کردے۔ پھر ہر چند کہ یہ تازہ دستوری تجاویز اسلامی نقطۂ نظر سے خام اور تشنہ ہیں مگر اسلامی نظام کے مخالف اور لادینی طرز حکومت کے حامی افراد کے لیے یہ تجاویز اس لیے قابلِ برداشت نہیں کہ ان کے ذریعہ سے پاکستان میں اسلام کے آنے کا ''خطرہ'' بڑھتا جارہا ہے اور اس میں ان کو اپنا مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔ اس قلیل التعداد مگر طاقتور اور ذی اقتدار گروہ کو اپنی مغرب زدگی اور فرنگیت مابی میں اصل خطرہ تو اسلامی شریعت سے ہے جو ان کی فاسقانہ زندگی پر یقیناً قیود عائد کرے گی۔ لیکن یہ طبقہ بجائے کھل کر سامنے آنے کے ''ملائیت'' ''رجعت پسندی'' اور ''مذہبی تنگ نظری'' کا نام لے کر اسلام اور اسلام پسند عناصر کے خلاف زہر اگلا کرتا ہے اور ان کے پڑھے لکھے طبقہ کو اسلامی تعلیمات کے بارے میں شکوک و تذبذب رکھے اور علماء و دینی

اداروں اور اسلامی جماعتوں کے خلاف لوگوں کو طرح طرح سے بھڑکائے۔ چنانچہ اس گروہ کی طرف سے گذشتہ چھ سال کے عرصہ میں جہاد کشمیر کو حرام ٹھہرانے، فوج میں بھرتی روکنے، انڈونیشیا کی دارالسلام پارٹی سے گٹھ جوڑ کرنے اور بیرونی طاقتوں سے امداد حاصل کرنے کے انتہائی گھناؤنے الزامات پے در پے جماعت اسلامی پر لگائے گئے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک الزام میں کچھ بھی صداقت ہوتی تو کیا آج اس جماعت کے کارکن پھانسیوں پر لٹکنے، جلا وطن کیے جانے اور کوٹھڑیوں میں بند ہونے سے بچے رہ سکتے تھے؟ آج تک ان میں سے کوئی ایک الزام بھی دلائل وشواہد سے ثابت نہیں کیا جا سکا ہے اور نہ قانونی طور پر ہی اس قسم کی تخریبی کارروائیوں کے لیے جماعت اسلامی کبھی مجرم گردانی گئی ہے۔ اس جماعت کے کثیر کارکنوں کو جب بھی پکڑا گیا ہے۔ سیفٹی ایکٹ کے ماتحت ہی نظر بند کیا گیا ہے جو ان کی بے گناہی اور بے قصوری پر خود دلالت کرتا ہے۔ اور آج بھی پنجاب کے مختلف اضلاع میں مطالبہ تحریک تحفظ ختم نبوت کے شاخسانہ میں، جماعت اسلامی کے تقریباً پچاس کارکن اسی کالے قانون کے تحت اپنے جرم بے گناہی کی سزا پا رہے ہیں۔ البتہ امیر جماعت اسلامی پاکستان سید مولانا ابوالاعلیٰ مودودی پر مقدمہ چلا کر جماعت کی سرگرمیوں پر پہلی بار ''قانونی چارہ جوئی'' کی گئی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا موقع عام حالات میں نہیں بلکہ لاہور میں مارشل لا کے زمانہ میں مجرد عام قوانین ملک کے تحت نہیں بلکہ مارشل لا حکام کے قوانین کے ساتھ اور پھر ملک کی کسی سول عدالت میں نہیں بلکہ ایک فوجی عدالت میں پیش آیا۔

یہاں اس مقدمہ پر فی نفسہٖ کوئی تبصرہ مقصود نہیں، بلکہ چند ایسے امور پبلک کے سامنے پیش کرنا مقصود ہیں جن پر ہر سوچنے سمجھنے والے دماغ اور ملک کے مسائل سے دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کا غور کرنا ضروری بھی ہے اور مفید بھی۔

جماعت اسلامی کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ملک کی ایک باضابطہ اور آئینی جماعت کے رہنما ہیں۔ برسر اقتدار پارٹی سے ان کے اختلافات اصولی اور بنیادی ہیں۔

ان کی سیاسی جدوجہد نہ صرف آئینی ہے بلکہ اسلامی واخلاقی حدود کی بھی پابند ہے۔اگر کبھی ان کی سرگرمیاں حدود سے متجاوز اور ملک وقوم کے لیے باعث تخریب نظر آئیں تو ملک کی عام عدالتیں اور قوانین ان کو روکنے اور ان پر قدغن لگانے کے لیے ہر وقت موجود ہیں۔ سیاسی نیک نامی اور قومی آبرومندی کا تقاضا یہ ہے کہ سیاسی اختلافات رکھنے والے افراد اور جماعتوں پر جب کبھی بھی ہاتھ ڈالا جائے تو ان پر کھلم کھلا الزام لگایا جائے اور صفائی کا پورا پورا موقع دے کر کھلی عدالتوں میں عام ملکی قوانین کے تحت ان کے خلاف چارہ جوئی کی جائے۔ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ باشندگان ملک کو واقعات سے پوری طرح باخبر رکھا جائے تاکہ عوام الزامات کی نوعیت، استغاثہ کے واقعات، صفائی کی شہادتوں اور فیصلہ کے دلائل دیکھ کر خود بھی کوئی رائے قائم کرسکیں اور کسی کے دل میں یہ کھٹک نہ رہ جائے کہ انصاف کا حق ادا نہیں ہوا یا اس شبہ کی گنجائش نہ ہو کہ قانون کی طاقت کو سیاسی اختلافات کا بدلہ لینے کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔

مقدمہ کا پس منظر:

مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ میں یہ بات پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ ان پر ضابطہ مارشل لا نمبر ۸ بشمول تعزیرات پاکستان کی دفعات نمبر ۱۵۳ (رعایا کے درمیان منافرت پھیلانا اور نمبر ۱۲۴ / الف (حکومت کے خلاف بغاوت پر ابھارنا) کے تحت مقدمہ چلایا گیا...... یہ وہی دفعات ہیں جن کے تحت حال ہی میں کراچی کے ایک انگریزی روزنامہ ''ایوننگ ٹائمز'' کے ایڈیٹر مسٹر زیڈ۔اے سلہری پر حکومت کی طرف سے مقدمہ چلایا گیا تھا مگر بالآخر جسٹس لاری نے اپنے تاریخی فیصلہ میں ان کو دونوں الزامات سے نہ صرف بری قرار دیا بلکہ آزاد مملکت پاکستان کے مخصوص حالات میں ان دفعات کے اطلاق اور بغاوت کی تعریف پر سیر حاصل بحث بھی کی ہے۔اس سلسلہ میں پہلی عجیب بات یہ ہے کہ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتاری کے وقت سے مقدمہ چلائے جانے سے دو دن پہلے تک جرم کی نوعیت سے آگاہ نہیں کیا گیا۔یہی نہیں بلکہ گرفتاری کی تاریخ ۲۸ مارچ سے لے کر ۳

مئی ۱۹۵۳ء تک کی مدت میں ان سے قلعہ لاہور میں ان دفعات کی خلاف ورزی کے جرم کی تحقیق وتفتیش کے بجائے ، جماعت اسلامی کے ذرائع آمدنی ، بیت المال کے حسابات اور کسی فرضی خفیہ امداد کے بارے میں جرح وسوالات ہوتے رہے۔ اگر ان کا جرم وہی تھا جس پر حراست کے ۳۷ دن بعد مقدمہ چلایا گیا تو کیا وجہ تھی کہ اس پورے عرصہ میں نہ پبلک کو اور نہ خود ملزم ہی کو ان کے جرم سے واقف کیا گیا۔ اس سے تو مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ دراصل نیت تو ان پر کسی اور نوعیت کا الزام لگانے کی تھی مگر جب سرتوڑ کوششوں کے باوجود تفتیش کنندگان کو کہیں سے کچھ مواد ہاتھ نہ لگا تو پھر یہ تلاش شروع ہوئی کہ آخر کار کون سا الزام لگایا جائے۔

اس دوران میں ۴ مئی ۱۹۵۳ء کو اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ مسٹر غلام محمد گورنر جنرل پاکستان ۳ مئی کو اچانک لاہور پہنچ گئے ہیں ...... چونکہ ناظم الدین وزارت کی برخواستگی کی وجہ سے عام خیال کے مطابق گورنر جنرل کی پوزیشن محض آئینی سربراہی کی نہیں رہی تھی بلکہ وہ براہ راست ملک کے روزمرہ کے معاملات میں گہری دلچسپی لیتے نظر آرہے تھے، اس لیے قدرتی طور پر لوگ لاہور میں مارشل لا کے اختتام کی خوش خبری سننے کے منتظر تھے۔ مگر خبر یہ ملی کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ امیر جماعت اسلامی پاکستان پر ۵ مئی ۱۹۵۳ء سے مارشل لا ہی کے تحت فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا۔

سزائے موت:

۵ مئی ۱۹۵۳ء کو گورنر جنرل پاکستان واپس کراچی تشریف لے آئے اور ۹ مئی کو ان کی طرف سے ایک آرڈی ننس جاری ہوا جس کی رو سے فوجی عدالتوں کو اس بات کا قانونی طور پر مجاز قرار دیا گیا تھا کہ وہ مارشل لا کے نفاذ سے قبل سرزد ہونے والے جرائم کی بھی سماعت کرسکتی ہیں اور یہ کہ ایسی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف ملک کی کسی عدالت میں اپیل نہیں ہوسکتی سوائے اس کے کہ مرکزی حکومت ہی ان پر نظر ثانی کرے۔ ۹ مئی کو مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ کی کارروائی ختم ہوگئی ......اور ۱۱ مئی ۱۹۵۳ء کی رات کو مولانا

ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کو سزائے موت کا حکم سنادیا گیا جسے بعد میں چودہ سال قید بامشقت میں تبدیل کردیا گیا۔

اس سزا پر پبلک کسی طرح مطمئن نہیں ہے۔لوگ سمجھتے ہیں کہ نہ ”قادیانی مسئلہ“ پر قلم اٹھانا کوئی جرم تھا اور نہ پارٹی حکومت پر تنقید کرنا۔ان کا خیال ہے مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کو حقیقت میں اسلامی نظام کے مطالبہ کی ہی سزا مل رہی ہے۔اس لیے مسلمان اس کو صریح ظلم قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف مختلف طریقوں سے اپنے رنج و اضطراب اور ناراضگی کا اظہار کررہے ہیں اور پاکستان اور عالم اسلام سے مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی فوری رہائی کے لیے برابر مطالبہ ہورہا ہے۔

ایک عجیب منطق:

اس عظیم احتجاج اور مطالبہ رہائی پر اب سرکاری حلقوں کی طرف سے یہ بات کہی جارہی ہے کہ آخر کوئی بات تو تھی جو ملٹری کورٹ نے مودودی صاحب کو اتنی سخت سزا دی۔ اس بات میں اس وقت تو کوئی وزن ہوسکتا تھا جب یا تو مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ پر کسی سول عدالت میں مقدمہ چلایا گیا ہوتا یا فوجی عدالت کے فیصلہ کے خلاف ملک کی عدالت عالیہ میں اپیل کرنے کا حق باقی رہنے دیا جاتا۔قانون میں اپیل کی گنجائش اسی تصور کے تحت ہی تو رکھی جاتی ہے کہ ایک عدالت کا فیصلہ غلط بھی ہوسکتا ہے اور یہ کسی عدالت سے مجرم قرار دیئے جانے کے باوجود بھی ایک شخص بے گناہ ہوسکتا ہے،مگر بحالت موجودہ اس استدلال کی روشنی میں تو گویا ایک عدالت کے فیصلہ کے خلاف دوسری عدالت میں اپیل کرسکنے کی گنجائش ہی بے معنی ہے کیونکہ ہر عدالتی فیصلہ کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آخر کوئی بات تو ہوگی جو عدالت نے مجرم کو سزا دی۔

ساتھ ہی یہ بات بھی لوگوں کے کان میں پھونکی جارہی ہے کہ باقاعدہ عدالتی کارروائی کے نتیجہ میں سزا یافتہ شخص کو بے گناہ سمجھنا اور اس کے لیے احتجاج کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ لیکن ہم جواباً یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ پبلک میں ملک کی عام عدالتوں کے سزا یافتہ افراد میں

سے کسی ایک کی بھی سزا کے خلاف آج تک ایسا احتجاج ہوا ہے؟ یہی نہیں بلکہ قادیانی تحریک کے پورے عرصہ میں کسی ایک شخص کی سزا یابی پر بھی ایسی ہل چل مچی ہے؟ آخر کوئی وجہ تو ہے کہ عوام اس ''باقاعدہ کارروائی'' پر مطمئن نہیں اور پبلک کو مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی بے گناہی پر یقین بھی ہے اور اصرار بھی۔

تاہم اگر حکومت کی نیک نیتی کا لوگوں کو یقین ہی دلانا مقصود ہے تو اس کا بہترین ثبوت اس طرح دیا جا سکتا تھا کہ ان افراد کو چھوڑ کر جن پر کسی نہ کسی قسم کے متعین الزامات عائد کر کے مقدمات چلائے گئے، جماعت اسلامی کے بقیہ نظر بندوں کو، جن پر آج تک کوئی جرم ثابت نہیں کیا گیا، فی الفور رہا کر دیا جاتا۔ نیز دفتر جماعت کا ریکارڈ، رجسٹر، کاغذات اور بیت المال کا روپیہ سیدھی طرح واپس کر دیا جاتا۔ لیکن ان میں سے کوئی کام بھی نہیں ہوا، اس لیے اگر حکومت کے خلاف عوام میں یہ رائے پائی جائے کہ یہ سب سیاسی اختلافات کا انتقام لیا جا رہا ہے تو اس بدگمانی کے پیدا کرنے کی ذمہ داری خود کارپردازان حکومت ہی پر عائد ہوتی ہے۔

رہائی کا مطالبہ بھی جرم؟

یہی نہیں بلکہ ہم تو اس کے بالکل برعکس یہ دیکھ رہے ہیں کہ جماعت اسلامی کے کارکنوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ حال ہی میں لاہور کے مقامی دفتر جماعت پر چھاپہ مار کر پولیس نے ''سائیکلواسٹائل مشین'' ٹائپ رائٹر مولانا مودودی کی رہائی کے دستخطی محضر نامے اپنے قبضہ میں کیے ہیں۔ گویا عوام کا اپنے لیڈر کی رہائی کا آئینی اور پرامن طریقہ پر مطالبہ کرنا بھی جرم ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ معقول سے معقول اور جائز سے جائز مطالبہ کے لیے بھی کوئی قدم خواہ کتنا ہی پرامن اور جمہوری کیوں نہ ہو اٹھانے کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے۔ یہ چیز عوام کے ذہنوں کو غیر آئینی راہوں پر ڈالنے والی اور تخریب پسند عناصر کی حوصلہ افزائی کرنے والی ہے۔ اس لیے اس پالیسی کو جس قدر جلد ترک کیا جا سکے اتنا ہی ملک وقوم کے لیے بہتر ہے۔

ہمارے صحافی اور ان کا ضمیر:

اس مقدمہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مولانا مودودی کے ۲۷ فروری اور ۵ مارچ ۱۹۵۳ء کے جن دو بیانات کو حکومت کے خلاف بغاوت پھیلانے کے مترادف قرار دیا گیا ہے وہ لاہور، کراچی اور دیگر مقامات کے اخبارات میں بھی شائع ہوئے لیکن مقدمہ صرف جماعت اسلامی کے ایک رکن کے اخبار روزنامہ ''تسنیم'' ہی پر چلایا گیا اور اس کے ایڈیٹر کو تین سال قید با مشقت کی سزا دی گئی، جس پر ہماری صحافتی برادری کے ضمیر آج تک خاموش ہیں۔

نیز جس پمفلٹ (قادیانی مسئلہ) کی تصنیف پر مولانا مودودی سزائے موت[(۱)] کے مستحق ٹھہرائے گئے۔ اس پر نہ مارشل لا کی پوری مدت میں فوجی حکام نے اور نہ آج تک کسی صوبائی اور مرکزی حکومت نے کسی قسم کی پابندی لگائی ہے۔ حالانکہ یہ پمفلٹ اب تک نوے ہزار کی تعداد میں اُردو، انگریزی، سندھی، گجراتی اور بنگلہ وغیرہ زبانوں میں شائع ہوکر لاکھوں افراد کی نظر سے گزر چکا ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر عجیب واقعہ یہ ہے کہ لاہور کے کتب فروشوں کی دوکانوں سے فوجی حکام نے اس پمفلٹ کے اسٹاک کو اٹھا کر پہلے تو اپنے قبضہ میں لے لیا تھا مگر پھر تفتیش و تحقیق کے بعد تمام کتابیں واپس کردیں اور کھلے عام فروخت کرنے پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی۔ خود جماعت اسلامی کے مرکزی مکتبہ کے ناظم سید نقی علی جن کو اس پمفلٹ کا پرنٹر و پبلشر ہونے کی وجہ سے ۹ سال قید با مشقت کی سزا ملی ہے۔ مارشل لا حکام کا ایک اعلان سن کر مذکورہ پمفلٹ لے کر اس کے بارے میں ان سے حکم دریافت کرنے گئے۔ لیکن اس کے بعد بھی اس کتاب کو ممنوع قرار نہیں دیا گیا۔

---

(۱) یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ مولانا مودودیؒ کو جس دفعہ کے تحت سزائے سزائے موت کا حکم سنایا گیا وہ ضابطہ نمبر ۷ مارشل لائ بشمول دفعہ ۱۱۵۳ الف ہے۔ یعنی رعایا کے درمیان منافرت پھیلانا نہ کہ ۱۲۴ الف کے تحت یعنی حکومت کے خلاف بغاوت کرنا۔ بالفاظ دیگر مولانا مودودیؒ محض ''قادیانی مسئلہ'' نامی پمفلٹ لکھنے کے ہی جرم میں سزائے موت کے مستحق پھہرائے گئے۔ ملاحظہ ہو فوجی حکام کا خط بنام مولانا مودودیؒ بہ سلسلہ اپیل، صفحہ

اے پی پی کا افترا:

آخر میں چند الفاظ پیش نظر پمفلٹ کے بارے میں عرض کرنا ہیں، ان سطور کی اشاعت کا مقصد مولانا مودودی کے مقدمہ سے متعلق وہ تمام حالات عوام کے سامنے لانے ہیں جن کے جاننے کا لوگوں کو شدید اشتیاق ہے اور جن کو پیش نظر رکھے بغیر پبلک خود کوئی رائے قائم نہیں کرسکتی ۔ نیز اس سے مقصود اس پروپیگنڈے کا ازالہ کرنا بھی ہے جو خود مرکزی حکومت کے انتہائی ذمہ دار افراد تک کی جانب سے سننے میں آرہا ہے کہ مولانا مودودی کو دراصل سزا مسلح افواج میں مضرت رساں پروپیگنڈا کرنے کے جرم میں دی گئی ہے اور اس کے ثبوت میں اے پی پی کی اس خبر کا حوالہ دیا جارہا ہے جو مولانا مودودی کی گرفتاری کے تقریباً ایک ہفتہ بعد اخبارات میں شائع ہوئی تھی اور جس میں ''باوثوق ذرائع'' سے یہ بات معلوم ہونے کا اعلان کیا گیا تھا کہ مولانا مودودی کا عنقریب کورٹ مارشل کیا جائے گا۔ کیونکہ ان کے خلاف علاوہ دیگر الزامات کے فوج میں مضرت رساں پروپیگنڈا کرنے کا الزام بھی ہے۔ یہ خبر رساں ایجنسی جو ایک پبلک ادارہ ہونے کے باوجود ریڈیو کی طرح صرف حکومت کا پروپیگنڈا کرنے کے لیے مخصوص ہوچکی ہے یوں تو جماعت اسلامی کی بڑی سے بڑی خبر کو بھی دبا دینے اور مولانا مودودی کا نام تک اپنی نشریات میں نہ آنے دینے کا خاص اہتمام کرتی ہے لیکن اس بے بنیاد الزام، صریح جھوٹ اور شرارت انگیز افواہ کو پھیلانے میں اس نے خاص دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس کے کارپرداز شاید یہ سمجھتے ہوں گے کہ برسراقتدار گروہ کی خوشامد ہی بس حاصل زندگی ہے اور اس کا عتاب تباہ کن ۔ لیکن وہ یہ بھولے ہوئے ہیں کہ ایک اقتدار اعلیٰ اور بھی ہے۔ ایک دن جس کے سامنے جھوٹ وافترا کے ایک ایک لفظ کا حساب دینا پڑے گا اور جس کی پکڑ اور عذاب کے آگے وقت کے نمرودوں اور فرعونوں تک کا عتاب بے حقیقت نظر آنے لگے گا۔

فرد جرم نمبر ۱

بنام ملزمان: نمبر ۱ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ولد احمد حسن، ذیلدار پارک اچھرہ لاہور۔
نمبر ۲ نصیر بیگ ولد امیر بیگ، مینیجر جدید اُردو پریس، لاہور
نمبر ۳ محمد بخش ولد حاجی محمد اسماعیل الائی، مرکنٹائل پریس لاہور
نمبر ۴ سید نقی علی، ناظم مکتبہ مرکزی جماعت اسلامی اچھرہ لاہور
جرم مارشل لا ریگولیشن نمبر ۸ مع دفعہ ۱۵۳ / الف تعزیرات پاکستان

ان پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے مشترکہ طور پر پاکستان میں مختلف طبقات کے درمیان دشمنی یا نفرت کے جذبات کو ابھارا اور اس طرح کہ لاہور میں ۶ اور ۱۳ / مارچ کے درمیان ایک پمفلٹ اُردو میں ''قادیانی مسئلہ'' اور انگریزی ''قادیانی پرابلم'' علی الترتیب لکھا، طبع کیا اور شائع کیا۔ اس صورت میں انھوں نے مارشل لا ریگولیشن نمبر ۸ مع ۱۵۳ / الف تعزیرات پاکستان کی رو سے جرم کیا۔

۳ مئی ۱۹۵۳ء		دستخط
لاہور		پراسیکیوٹر
(شوکت سلطان) میجر

بیان نمبر ۱

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

(جو انھوں نے فرد جرم زیر مارشل لا ضابطہ نمبر ۸ بشمول دفعہ نمبر ۱۵۳/ الف کے جواب میں فوجی عدالت میں دیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۷ اور ۲۸ مارچ کی درمیانی شب کو میرے مکان پر اچانک چھاپہ مارا گیا اور نہ صرف مجھے گرفتار کیا گیا بلکہ پولیس نے میرے مکان کی اور جماعت اسلامی کے مرکزی دفتر کی پوری تلاشی لینے کے بعد میرے ذاتی حسابات اور جماعت کے حسابات کے تمام رجسٹروں پر اور میرے اور جماعت کے دوسرے کاغذات پر قبضہ کرلیا۔ نیز جماعت کے خزانے کی پوری رقم بھی اپنی تحویل میں لے لی ۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ شہر لاہور میں جماعت اسلامی کے بارہ ذمہ دار کارکنوں کو بھی اس رات گرفتار کیا گیا۔ اس کے بعد ایک مہینہ چھ دن تک جماعت کے حسابات اور دوسرے ریکارڈ کو خوب اچھی طرح خوردبین لگا لگا کر دیکھا گیا اور مجھ پر اور جماعت کے دوسرے بہت سے کارکنوں پر قلعہ لاہور میں لمبا چوڑا interrogation ہوتا رہا جس کے سوالات کا انداز صاف بتا رہا تھا کہ تحقیقات اس بات کی کی جارہی ہیں کہ جماعت کے فنڈز کہاں سے فراہم ہوتے ہیں اور بیرونی حکومتوں سے تو جماعت اسلامی کا تعلق نہیں ہے؟ یہ سب کچھ ہو جانے کے بعد اب اس معزز عدالت کے سامنے دو مقدمے میرے خلاف پیش کیے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک ''قادیانی مسئلہ'' کی اشاعت کے متعلق اور دوسرا میرے ان بیانات کے متعلق ہے جو آخر فروری اور ۷ مارچ ۱۹۵۳ء کے درمیان میں نے پریس کو دیئے ۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ دراصل مقصد تو مجھ پر اور جماعت اسلامی پر کچھ دوسرے ہی سنگین الزامات لگانا تھا مگر جب کہیں سے کوئی چیز ایسی ہاتھ نہ آئی جس پر گرفت کی جاسکتی تو اب مجبوراً یہ دو مقدمے بنا کر پیش کیے جارہے

ہیں، ورنہ ظاہر ہے اگر میرے گناہ وہی دو تھے جواب پیش کیے جارہے ہیں تو ان میں سے کسی کے لیے بھی جماعت کے حسابات اور دوسرے ریکارڈ اور جماعت کے خزانے پر قبضہ کرنے کی حاجت نہیں تھی۔

اب تک جن الزامات پر میرا مقدمہ اس معزز عدالت کے سامنے پیش کیا گیا ہے ان کے بارے میں قانونی بحثوں کو وکلا پر چھوڑتے ہوئے میں صرف اصل واقعات بلا کم وکاست عدالت کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ مجھے اپنے اس بیان کو مرتب کرتے وقت یہ سہولت حاصل نہیں ہے کہ اپنے دفتر کے ریکارڈ سے فائدہ اٹھا سکوں، اس لیے میں محض اپنی یاد کی بنا پر تاریخوں کے حوالے دوں گا ان میں تھوڑی بہت غلطی کا امکان ہے تاہم واقعات جو میں بیان کررہا ہوں وہ اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہیں۔

۱۔ جماعت اسلامی پاکستان کی ایک منظم جماعت ہے۔ جس کا دستور تحریری شکل میں شائع شدہ موجود ہے اور اس دستور کی دفعہ ۱۰ میں قطعی طور پر جماعت کی یہ پالیسی لکھی ہوئی ہے کہ وہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کبھی کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرے گی جو فساد فی الارض کا موجب ہو۔ اس لیے یہ جماعت خود اپنے دستور کی رو سے پرامن ذرائع کی پابند ہے اور غیر آئینی ذرائع یا بدامنی پھیلانے والے ذرائع اختیار نہیں کرسکتی۔

۲۔ جماعت اسلامی نے ابتدا سے جب کہ وہ اگست ۱۹۴۱ء میں قائم ہوئی تھی، آج تک اپنے سامنے ایک ہی نصب العین رکھا ہے جس کے لیے وہ قیام پاکستان سے پہلے بھی جدوجہد کرتی رہی ہے اور آج تک کیے جارہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ زندگی کے پورے نظام کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی پہلوؤں سمیت اسلام کے اصولوں پر قائم کیا جائے۔ اس نصب العین کے لیے اپنی جدوجہد میں آج تک جماعت اسلامی نے کبھی کوئی غیر آئینی اور فساد انگیز طریق کار اختیار نہیں کیا ہے۔

۳۔ قیام پاکستان کے بعد جماعت اسلامی نے جس مقصد پر اپنی کوششوں کو مرکوز کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اس نئی ریاست کا دستور اسلامی اصولوں پر بنوایا جائے۔

۴۔ اپنی کوشش کے سلسلے میں جماعت اسلامی نے مئی ۱۹۵۲ء کے آغاز میں مجلس دستور ساز پاکستان کے سامنے ملک کا دستور جلدی سے جاری کرنے اور اسلامی اصولوں پر بنانے کے لیے ایک آٹھ نکاتی مطالبہ پیش کیا اور اس کے لیے پورے ملک میں آئینی جدوجہد کا آغاز کر دیا لیکن اس ماہ مئی کے آخر میں جماعت احرار نے جس کو مسلم لیگ نے پنجاب اور بہاول پور کے انتخابات میں اپنا حامی اور مددگار بنا کر از سرِ نو ملک کی پبلک لائف میں داخل ہونے کا موقع دے دیا تھا، قادیانی مسئلہ چھیڑ دیا۔

۵۔ جماعت اسلامی کو اور خصوصاً ذاتی حیثیت سے مجھ کو قادیانی مسئلہ کی تاریخ کا پورا علم تھا۔ ہم یہ جانتے تھے کہ پچاس برس سے اس مسئلہ نے خصوصیت کے ساتھ پنجاب اور بہاولپور کے علاقوں میں مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان نہ صرف مذہبی حیثیت سے بلکہ معاشرتی اور معاشی حیثیت سے بھی اتنی تلخیاں پیدا کر دی ہیں کہ اگر اس مسئلہ کو اس وقت چھیڑ دیا گیا اور احرار جیسے آتش بیان مقررین نے اس پر مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کر دیا گیا تو دوسرے تمام ملکی مسائل حتیٰ کہ دستور اسلامی کے مسئلے تک سے مسلمانوں کی توجہ ہٹ جائے گی، اس لیے جولائی ۱۹۵۲ء کے آغاز میں مَیں نے جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کا اجلاس لاہور میں بلایا اور مجلس شوریٰ نے اس معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد ایک ریزولیوشن کی شکل میں ملک کے عوام سے یہ اپیل کی کہ وہ اس وقت اس مسئلہ کو ملتوی کر کے اپنی پوری توجہ اسلامی دستور بنوانے پر مرکوز کر دیں اور یہ کہ جب اسلامی دستور بنے گا تو قادیانی مسئلہ آپ سے آپ حل ہو جائے گا۔

۶۔ لیکن اس وقت تک قادیانی مسئلہ پر عوام کا اشتعال اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ جماعت اسلامی کی اس اپیل کا کوئی اثر نہ ہو سکا اور جولائی ۱۹۵۲ء کے تیسرے ہفتہ میں ملتان فائرنگ تک نوبت پہنچ گئی۔

۷۔ اس حد تک حالات بگڑ جانے کے بعد میں نے اگست کے پہلے ہفتہ میں جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے ان ارکان کو جو لاہور میں موجود تھے، جمع کیا اور پوری صورت حال

کا جائزہ لے کر یہ رائے قائم کی کہ اگر قادیانی مسئلہ پر پنجاب اور بہاولپور کے مسلمانوں کے اشتعال کو آئینی جدوجہد کی طرف نہ موڑا گیا تو نہ صرف یہ کہ اسلامی دستور کے مسئلہ کو نقصان پہنچے گا بلکہ ملک کے اندر سخت بدامنی رونما ہو جائے گی۔ اس لیے ہم نے باہمی مشورے کے بعد قادیانی مسئلے کے متعلق مسلمانوں کی جدوجہد کو آئینی جدوجہد کی طرف موڑنے کا فیصلہ کیا اس موقع پر میں نے جو بیان دیا وہ اخبار تسنیم میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس سے عدالت کو خود معلوم ہو جائے گا کہ یہ فیصلہ ہم نے کس بنا پر کیا تھا۔

۸۔ اس سے میری اور میرے رفقا کی غرض یہ تھی کہ قادیانی مسئلہ کو دستور کے مسئلہ کا ایک جزو بنا کر مسلمانوں کو یہ سمجھایا جائے کہ اگر ان نکات کے مطابق اسلامی دستور بنے تو قادیانی مسئلہ آپ سے آپ حل ہو جائے گا۔ اس لیے اس مسئلہ پر الگ کسی ایجی ٹیشن کی حاجت نہیں ہے اور وہ آئینی جدوجہد جو ہم دستور کے لیے کر رہے ہیں ہمارے تمام مقاصد کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنی اس تدبیر میں پوری طرح کامیابی ہوئی اور اگست سے لے کر دسمبر ۱۹۵۲ء تک ملک کے مسلمان اس جدوجہد میں پوری طرح منہمک ہو گئے جو آئینی اور پُرامن طریقے پر دستور اسلامی کے لیے جاری تھی۔ اس دوران اس قادیانی مسئلہ پر کوئی فساد انگیز ایجی ٹیشن ملک میں نہ ہو سکا۔

۹۔ اس کے ساتھ ہی میں نے یہ محسوس کیا کہ حکومت پاکستان اور کانسی ٹیوٹ اسمبلی کے ارکان قادیانی مسئلہ کی اہمیت اور نزاکت سے بالکل ناواقف ہیں اور وہ اس کو محض ایک دینیاتی جھگڑا (theological controversy) اور فرقہ وارانہ نزاع (sectarian dispute) سمجھ رہے ہیں اور اس پر یا تو اسے حقارت سے نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا دفعہ ۱۴۴ وغیرہ لگا کر طاقت سے دبا دینا چاہتے ہیں۔ اس لیے میں نے جولائی ۱۹۵۲ء سے مسلسل ایسے مضمون لکھنے شروع کیے جن میں حکام پاکستان اور ارکان دستور ساز اسمبلی کو یہ بتانے کی کوشش کی گئی تھی کہ اس مسئلہ کی تاریخ کیا ہے اور اس کے معاشرتی اور معاشی پہلو کیا ہیں اور یہ کہ اس مسئلہ کو سمجھ کر ٹھیک طریقے سے حل کر دینا کتنا ضروری ہے۔ اس کے لیے

میں نے رسالہ ترجمان القرآن جون/ جولائی ۱۹۵۲ء کے مشترکہ نمبر میں ایک مفصل مضمون لکھا۔ اگست کے آغاز میں روزنامہ تسنیم میں ایک مفصل بیان دیا۔ پھر دستور ساز اسمبلی کی توجہ کے لیے ایک مضمون اگست ۱۹۵۲ء کے ترجمان القرآن میں لکھا جس میں دوسرے دستوری مسائل کے ساتھ قادیانی مسئلہ کو صحیح طور پر حل کرنے کی صورت مختصر دلائل کے ساتھ پیش کی، لیکن افسوس ہے کہ میری ان ساری کوششوں کے باوجود اس مسئلہ کو حل کرنے کی طرف کوئی توجہ نہ کی گئی اور دسمبر ۱۹۵۲ء میں جو بی۔ پی۔ سی رپورٹ شائع ہوئی اس میں قادیانی مسئلہ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔

۱۰۔ اس غلطی کی وجہ سے پنجاب اور بہاولپور کے عوام میں جن قادیانی مسئلہ کی پیدا کردہ معاشرتی پیچیدگیوں سے سب سے زیادہ سابقہ پیش آرہا تھا، پھر ایک بے چینی پیدا ہوگئی۔ اور ان لوگوں کو جو اس مسئلہ پر ایجی ٹیشن برپا کرنا چاہتے تھے، از سر نو اپنا کام کرنے کا موقع مل گیا۔

۱۱۔ جنوری ۱۹۵۳ء کے دوسرے ہفتہ میں کراچی میں پاکستان کے ۳۳ سر برآوردہ علماء کی ایک کانفرنس بی۔ پی۔ سی رپورٹ پر غور کرنے کے لیے منعقد ہوئی جس کے اجلاس ۱۰ سے ۱۹/ جنوری تک مسلسل ہوتے رہے۔ علما کی اس کانفرنس میں مَیں بھی شریک تھا۔ کانفرنس میں بی۔ پی۔ سی رپورٹ کی تجاویز پر اپنی ترمیمات اور اصلاحات تفصیل کے ساتھ مرتب کی گئیں جن میں ایک تجویز قادیانی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے بھی شامل کی گئی تھی اور مجلس دستور ساز پاکستان کو مختصر طور پر یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اس مسئلہ کی نزاکت کس نوعیت کی ہے اور اس کو آئینی طریقے پر حل کرنا کتنا ضروری ہے۔

۱۲۔ اس زمانے میں احرار اور جمعیت علما پاکستان کی دعوت پر کراچی میں ایک کنونشن منعقد ہوا جس کے اجلاس ۱۵/ اور ۱۷/ جنوری ۱۹۵۳ء کو ہوئے۔ دوسرے علما کے ساتھ میں بھی کنونشن میں شریک ہوا۔ کنونشن کے پہلے اجلاس میں ایک سبجیکٹس کمیٹی بنائی گئی جس کا ایک رکن میں بھی تھا۔ ۱۶/ جنوری ۱۹۵۳ء کی رات کو اس سبجیکٹس کمیٹی کا

اجلاس ہوا اور میں نے کافی بحث کے بعد کمیٹی سے یہ بات تسلیم کرائی کہ علماء کی کانفرنس نے جب قادیانی مسئلہ کے حل کو بھی بی۔ پی۔ سی رپورٹ کی اصلاح کے متعلق اپنی تجاویز میں شامل کرلیا ہے تو اس مسئلہ پر کسی الگ جدوجہد کی ضرورت نہیں ہے بلکہ علماء کی ان تجاویز ہی کو آئینی جدوجہد کے ذریعے سے تسلیم کرانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن جب ۱۷/ جنوری کو کنونشن کا اجلاس منعقد ہوا تو سبجیکٹس کمیٹی کی طے کردہ تجویز کو نامنظور کردیا گیا اور کنونشن کے ارکان کی اکثریت نے یہ پاس کردیا کہ قادیانی مسئلے پر الگ ہی جدوجہد کی جائے۔ اس کے بعد میں نے دوسری تجویز پیش کی کہ اس مسئلہ کے لیے جو جدوجہد بھی کی جائے ایک مرکزی مجلس عمل کی قیادت میں ہونی چاہیے اور کسی دوسرے شخص یا گروہ کو اس کے متعلق کوئی پروگرام بنانے یا نافذ کرنے کا حق نہ ہونا چاہیے۔ میری اس تجویز کو کنونشن میں منظور کرلیا گیا اور ایک مرکزی مجلس عمل بنادی گئی جس کا ایک رکن میں بھی تھا۔

۱۳۔ اس مرکزی مجلس عمل کا کوئی اجلاس جب سے وہ بنائی گئی ۲۶ جنوری تک نہیں ہوا۔ ۲۳ فروری کو جو وفد وزیر اعظم پاکستان سے ملا اور جس نے قادیانیوں کے متعلق چند مطالبات ان کے سامنے پیش کیے اور ان کو ان مطالبات کے تسلیم کرنے کے لیے ایک مہینے کی مہلت دیتے ہوئے ڈائریکٹ ایکشن کا نوٹس دیا وہ ایک غیر مجاز (un-authorised) وفد تھا جسے نہ کنونشن نے بنایا تھا اور نہ مرکزی مجلس عمل نے، اور نہ اس کو ایسا کوئی نوٹس دینے کا کسی نے مجاز کیا تھا۔ میں نے اس بے ضابطہ کارروائی پر سخت اعتراض کیا اور ۱۳ فروری کو پنجاب کی کونسل آف ایکشن کا جو اجلاس لاہور میں منعقد ہوا، اس میں میری طرف سے ملک نصر اللہ خان صاحب عزیز نے جا کر تحریری صورت میں اس امر پر احتجاج کیا کہ ڈائریکٹ ایکشن کے سلسلے میں جو پروگرام بنایا اور نافذ کیا جارہا ہے وہ بالکل خلافِ ضابطہ ہے نیز انھوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ مرکزی مجلس عمل کا اجلاس فوراً منعقد کیا جائے جس میں اس مسئلہ پر غور کیا جائے۔ چنانچہ مرکزی مجلس عمل کا اجلاس منعقد کرنے کے لیے ۱۷/ فروری کی تاریخ مقرر کی گئی۔

۱۴۔ ۱۷/ فروری کے اجلاس کی شرکت کے لیے میں نے ملک نصر اللہ خان صاحب عزیز اور میاں طفیل محمد صاحب سیکرٹری جماعت اسلامی کو اپنی طرف سے مقرر کیا اور اپنے تمام اعتراضات جو اس وقت تک کی کارروائی پر مجھے تھے، تحریری شکل میں ان کے ذریعے سے بھیجے لیکن اس میٹنگ میں جا کر ان دونوں حضرات کو معلوم ہوا کہ یہ مرکزی مجلس عمل کا اجلاس نہیں ہے تاہم میرے اعتراضات کو ان دونوں حضرات نے احرار اور جمعیت علما پاکستان کے ان لیڈروں تک پہنچا دیا جو اس وقت ڈائریکٹ ایکشن کی تیاریاں کر رہے تھے نیز ان کو مطلع کر دیا کہ جب تک مرکزی مجلس عمل طے نہ کرے، آپ کوئی ڈائریکٹ ایکشن کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔

۱۵۔ ۱۸/ ۱۹/ فروری کے تسنیم میں میرے ایما پر جماعت اسلامی کے سیکرٹری میاں طفیل محمد نے یہ اعلان شائع کیا کہ ڈائریکٹ ایکشن کے لیے پنجاب کونسل آف ایکشن کی طرف سے جن حلف ناموں پر لوگوں سے دستخط کرائے جا رہے ہیں، جماعت اسلامی کے ارکان ان پر دستخط نہ کریں اور یہ کہ کسی پروگرام کو اس وقت تک تسلیم نہ کیا جائے جب تک کہ وہ مرکزی مجلس عمل کی طرف سے نہ ہو۔

۱۶۔ ۲۲/ فروری کو مجھے مرکزی مجلس عمل کے اجلاس کے لیے جو ۲۶/ فروری کو کراچی میں منعقد ہو رہا تھا، دعوت نامہ وصول ہوا۔ میں نے اس اجلاس میں شرکت کے لیے سلطان احمد صاحب امیر جماعت اسلامی حلقہ سندھ و کراچی کو مقرر کیا اور تحریری شکل میں ان کو ہدایات بھیجیں کہ وہ ان تمام بے ضابطہ کارروائیوں پر اعتراض کریں جو ڈائریکٹ ایکشن کے سلسلہ میں کی گئی تھیں اور قطعی طور پر مطالبہ کریں کہ اس پورے پروگرام کو منسوخ کیا جائے جو ڈائریکٹ ایکشن کے سلسلے میں بالکل خلافِ ضابطہ بنایا گیا ہے نیز اس تحریر میں میں نے ان کو یہ ہدایات بھی کی تھیں کہ اگر مرکزی مجلس عمل کے ارکان اس بات کو نہ مانیں تو وہ اس مجلس سے جماعت اسلامی کی لاتعلقی کا اعلان کر دیں۔ میری اس ہدایت کے مطابق سلطان احمد صاحب اس اجلاس میں شریک ہوئے لیکن جو لوگ ڈائریکٹ ایکشن

پر تلے ہوئے تھے انھوں نے مرکزی مجلس عمل کو توڑ کر ایک ڈائریکٹ ایکشن کمیٹی بنالی جس کا نہ میں رکن تھا اور نہ جماعت اسلامی کا کوئی دوسرا آدمی۔ اور اس کمیٹی نے ۲۷ فروری کو ڈائریکٹ ایکشن شروع کرنے کا اعلان کیا۔

۱۷۔ اس دوران میں مَیں نے یہ دیکھ کر کہ ایک طرف کچھ لوگ قادیانی مسئلہ کو حل کرانے کے لیے حکومت پر ڈائریکٹ ایکشن کے ذریعے دباؤ ڈالنے پر تلے ہوئے ہیں اور انھوں نے عوام کو شدت کے ساتھ مشتعل کر دیا ہے اور دوسری طرف حکومت نہ پبلک کے مطالبہ کو منظور کرتی ہے اور نہ ہی اس کو رد کرنے کی وجہ بتاتی ہے اور نہ پبلک کو مطمئن کرنے کے لیے کوئی کوشش کرتی ہے۔ یہ محسوس کیا کہ اس صورت حال میں سخت ناگوار واقعات پیش آ جانے کا ہر وقت امکان ہے اور میرا یہ فرض ہے کہ ملک کے معاملات کو چلانے کی ذمہ داری جن لوگوں پر ہے ان کو خصوصیت کے ساتھ اور ملک کے تمام سوچنے سمجھنے والے لوگوں کو بالعموم قادیانی مسئلہ کی اہمیت اور نزاکت اور اس کے حل کرنے کی ضرورت سمجھانے کے لیے ایک آخری کوشش کروں۔ چنانچہ اسی غرض کے لیے میں نے ۲۰ فروری کو وہ مضمون لکھنا شروع کیا جو بعد میں ''قادیانی مسئلہ'' کے نام سے پمفلٹ کی شکل میں شائع ہوا۔ میری یہ کوشش ان کوششوں کے سلسلے کی ایک کڑی تھی جن کا میں نے اوپر نمبر ۹ میں ذکر کیا ہے۔ اس کے لکھنے سے میرا مقصد جو کچھ تھا وہ میں نے اُردو اور انگریزی ایڈیشنوں کے دیباچوں میں واضح طور پر بیان کر دیا ہے، اور معزز عدالت خود اس پمفلٹ کو پڑھ کر دیکھ سکتی ہے کہ اس کے الفاظ، مضامین، دلائل اور عام لہجے سے آیا مختلف فرقوں کے درمیان نفرت اور عداوت پھیلانے کی نیت ظاہر ہوتی ہے یا مسئلہ کو دلائل اور حقائق سے سمجھانے اور سلجھانے کی نیت۔ میں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس پمفلٹ کی تصنیف اس وقت شروع کی گئی تھی جب طوفان برپا نہیں ہوا تھا۔ بلکہ طوفان اٹھنے کے آثار نظر آ رہے تھے اور اس کو میں نے ختم کر کے اشاعت کے لیے سید نقی علی صاحب ملزم نمبر ۴ کے حوالے اس وقت کیا جب کہ ڈائریکٹ ایکشن کے سلسلے میں مظاہرے تو شروع ہو گئے تھے مگر کسی

قسم کی بدامنی رونما نہیں ہوئی تھی۔ استغاثہ کے گواہ محمد صدیق کاتب کی بھی یہ شہادت موجود ہے کہ ان کو فروری کے آخری ہفتے میں یہ پمفلٹ کتابت کے لیے ملا ہے۔ اس کے ساتھ میں یہ بات بھی معزز عدالت کے نوٹس میں لانا چاہتا ہوں کہ اس کا پہلا ایڈیشن ۵ مارچ کو پریس سے نکلا اور جلدی سے جلدی اس کی کاپیاں پنجاب کے وزرا، پنجاب کے گورنر مسٹر چندریگر، وزیراعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین صاحب کو پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ اس کے بعد اس وقت سے لے کر ۲۳ مارچ تک یہ پمفلٹ ۷۳ ہزار لاہور میں اور بیس ہزار کراچی سے شائع ہوا۔ اور ۲۶ مارچ تک لاہور کے بازاروں میں علی الاعلان فروخت ہوتا رہا، جس کا مارشل لا کے حکام کو پورا علم تھا۔ اس دوران میں مارشل لا اتھارٹی کی طرف سے اس پمفلٹ کی اشاعت پر کسی قسم کا اعتراض نہ ہونے سے میں یہ سمجھا کہ مارشل لا اتھارٹیز بھی میری اس کوشش کو جو میں نے سنجیدگی کے ساتھ اس مسئلہ کو سمجھانے کے لیے کی ہے، پسند کرتے ہیں۔ پھر جب ۲۵ مارچ کی رات کو میں نے ریڈیو پر چیف ایڈمنسٹریٹر مارشل لا کا آرڈر نمبر ۸ ۴ زیر ریگولیشن نمبر ۸ سنا، جس میں خاص طور پر اس پمفلٹ کا کوئی ذکر نہیں تھا، اس کے دوسرے ہی روز میں نے سید نقی علی صاحب ملزم نمبر ۴ کو اپنے حلقے کے سیکٹر کمانڈر کے پاس بھیجا کہ آیا اس پمفلٹ پر آرڈر نمبر ۸ ۴ مذکورہ بالا کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ وہ ان کے پاس گئے اور وہاں ایک ذمہ دار افسر سے کہا کہ اگر اس پمفلٹ پر اس آرڈر کا اطلاق ہوتا ہے تو اسی وقت ہم سارا اسٹاک لاکر آپ کے حوالے کر دیتے ہیں۔ افسر موصوف نے سیکٹر کمانڈر صاحب سے اس کے متعلق دریافت کرنے کے بعد یہ جواب دیا کہ وہ ان کو پڑھ کر کل یعنی ۲۸ مارچ کو ان کے متعلق اپنا فیصلہ دیں گے۔ لیکن قبل اس کے کہ ان کا فیصلہ ہمیں معلوم ہوتا، ۲۷ اور ۲۸ / مارچ کی درمیانی شب کو مجھے اور میرے دوسرے ساتھیوں کو مارشل لا کے احکام کے تحت گرفتار کرلیا گیا۔ تاہم جہاں تک مجھے معلوم ہے اس وقت تک بھی اس پمفلٹ کو ممنوع قرار نہیں دیا گیا جس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس چارج شیٹ کے مرتب ہونے تک یہ بات صاف نہیں ہوسکی تھی کہ یہ پمفلٹ آرڈر

نمبر ۴۸ کے تحت آتا ہے یا نہیں۔ حالانکہ اس دوران میں بعض دوسری چیزوں کو نام لے کر ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

۱۸۔ ۲۷ / فروری کو جب کراچی میں ڈائریکٹ ایکشن شروع کرنے والوں کو گرفتار کیا گیا اور اس پر گورنمنٹ کی طرف سے ایک کمیونکے شائع کیا گیا تو اس بارے میں میری پوزیشن یہ تھی کہ مرکزی وزارت نے اس مسئلہ کو تدبر کے ساتھ حل کرنے کی بجائے جو طریق کار اختیار کیا ہے وہ کئی وجوہ سے غلط ہے۔ میں اپنے نقطۂ نظر کی توضیح میں وہ وجوہ پیش کرتا ہوں جن کی بنا پر میں مرکزی وزارت کے اس فیصلے کو غلط سمجھتا ہوں، اور جن کی بنا پر میں ان کو غلط کہنے اور ان کی اصلاح کی کوشش کرنے کو اپنا حق اور فرض سمجھتا ہوں۔

الف۔ میں اس ملک میں ایک نکتہ خیال رکھنے والی جماعت کا لیڈر ہوں اور مجھے پورا حق پہنچتا ہے کہ میں برسر اقتدار پارٹی کی پالیسیوں پر تنقید کروں حتیٰ کہ میں اس کی غلطیاں واضح کر کے پبلک سے یہ اپیل کرنے کا حق بھی رکھتا ہوں کہ اس پارٹی کو اقتدار کے منصب سے ہٹا دیا جائے۔ مسلح بغاوت کے سوا، میں برسر اقتدار پارٹی کو اقتدار کی جگہ سے ہٹانے کی ہر کوشش کرنے کا مجاز ہوں۔ ایک پارٹی گورنمنٹ کو (sedition) کا وہ مفہوم لینے کا کوئی حق نہیں ہے جو ایک بادشاہی حکومت میں لیا جاتا ہے۔

ب۔ قادیانی مسئلہ ۱۹۵۳ء سے مسلسل ملک میں بے چینی پیدا کیے ہوئے تھا۔ اس وقت سے لے کر ۲۷ فروری تک، ۹ مہینوں کے دوران میں دلائل کے ساتھ بھی حکومت کو یہ بتایا جا چکا تھا کہ قادیانیوں کے بارے میں مسلمانوں کے مطالبات معقول ہیں۔ جلسوں اور رائے عام کا اظہار کرنے کے دوسرے تمام طریقوں سے بھی یہ ثابت ہو چکا تھا کہ قوم کی رائے عام ان مطالبات کی پشت پر ہے، لیکن حکومت کی طرف سے کبھی یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ ان مطالبات کو تسلیم نہ کرنے کے لیے کیا وجوہ اور دلائل رکھتی ہے۔

ج۔ ایک جمہوری نظام میں سرکاری ملازموں کی بجائے پبلک لیڈروں کو وزارت بنانے کی دعوت اس لیے دی جاتی ہے کہ پبلک لیڈر عوام سے اور عوام ان سے براہ راست

واقف ہوتے ہیں۔ ان کے لیے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ حکومت کی تجاویز اور اس کے کاموں میں پبلک کی رضا مندی کو شامل کر کے حکومت اور پبلک کے درمیان بدگمانی، مخالفت اور تصادم پیدا ہونے کے امکانات رونما نہ ہونے دیں۔ لیکن اس مسئلہ میں ان پبلک لیڈروں نے جو مرکزی وزارت کے ارکان تھے، اپنے رویہ کے متعلق پبلک کو مطمئن کرنے کی قطعاً کوئی کوشش نہیں کی جس کی وجہ سے معاملات اس حد تک بگڑ گئے کہ کچھ لوگ پبلک کو ڈائریکٹ ایکشن جیسے غیر آئینی طریقے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

د۔ میرے نزدیک مرکزی وزرا کے لیے صحیح طریقہ کار یہ تھا کہ یا تو وہ ان مطالبات کو جو دلائل اور رائے عام کی تائید کے ساتھ پیش کیے جا رہے تھے تسلیم کر لیتے یا اگر ان کے نزدیک یہ مطالبات غلط تھے تو وہ پبلک پلیٹ فارم پر آتے اور اپنی قوم کے عوام کو یہ بتاتے کہ ان کے مطالبات میں کیا غلطی ہے، ان کی قوم بہرحال اتنی سر پھری نہ تھی کہ اگر اس کو مدلل طریقے سے ان مطالبات کی غلطی سمجھائی جاتی تو وہ پھر ان مطالبات پر اڑ جاتی اور خواہ مخواہ اپنی حکومت سے لڑ جاتی ہے۔

و۔ ایک قومی حکومت میں جو جمہوری حکومت ہونے کی بھی مدعی ہو، پبلک کے پیش کیے ہوئے مطالبات کو بغیر کوئی وجہ بتائے رد کر دینا قدرتی طور پر عام ناراضی پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے اور پھر جب عوام یہ سنتے ہیں کہ ان کے مطالبات کو صرف رد کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ ان کو یہ بھی دھمکی دی جا رہی ہے کہ اگر تم اپنے مطالبات کو منوانے کے لیے کوئی ایجی ٹیشن کرو گے تو تمہارے ایجی ٹیشن کو سختی کے ساتھ دبا دیا جائے گا تو یہ چیز عوام میں قدرتی طور پر ایک غصہ پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ عوام اپنی قومی حکومت میں اپنے ہی منتخب کیے ہوئے نمائندوں سے اس قسم کے رویے کی ہرگز توقع نہیں رکھتے۔

یہ وجوہ تھے کہ جن کی بنا پر میرے نزدیک ۲۷ فروری کو مرکزی وزارت نے کراچی میں ڈائریکٹ ایکشن کمیٹی کے ارکان کو گرفتار کرتے وقت جو کمیونکے شائع کیا وہ نہایت غیر مدبرانہ تھا۔ میرے نزدیک اگر ان لوگوں کو گرفتار کرنے کے ساتھ یہ اعلان کیا جاتا کہ

حکومت جلدی سے جلدی ایک گول میز کانفرنس کرے گی جس میں اس مسئلہ سے تعلق رکھنے والے حلقوں کے ذمہ دار نمائندوں کو بلایا جائے گا اور گفت وشنید کے ذریعے اس کو حل کیا جائے گا، تو دائریکٹ ایکشن کی تحریک ملک میں ایک لمحے کے لیے بھی نہ چل سکتی اور وہ بدامنی ہرگز رونما نہ ہوتی جو بعد میں رونما ہوئی۔

۱۹۔اس کے بعد جب پنجاب کے مختلف حصوں میں ڈائریکٹ ایکشن کا طوفان برپا ہوا اور اس سلسلے میں لاہور میں سخت بدامنی رونما ہونی شروع ہوئی تو میں نے وزیراعظم پاکستان کو ۴ / مارچ کی رات کو اور ۵ / مارچ کی صبح کو، پے در پے دو تار دیے جن میں ان سے ملاقات اور گفتگو کی درخواست کی گئی تھی مگر مجھے ان کا جواب نہ دیا گیا۔ ۵ مارچ کو ۳ بجے گورنر پنجاب نے ایک کانفرنس کی جس میں مجھے بھی دعوت دی گئی۔ میں نے اس کانفرنس میں یہ بات پیش کی کہ اتنی سخت بدامنی رونما ہونے کی اصل وجہ پبلک کے مطالبات کو بلا دلیل اور بلا وجہ رد کر دینا ہے۔ اب حکومت کے سامنے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ یہ ہے کہ پبلک کو مطمئن کر کے امن قائم کیا جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آج ہی وزیراعظم پاکستان کی طرف سے اعلان کیا جائے کہ حکومت پبلک کے مطالبات پر گفت وشنید کرنے کے لیے تیار ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ اعلان اگر آج رات کو کیا جائے تو کل ہی امن قائم کیا جا سکے گا اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ پوری طاقت کے ساتھ پبلک کے ایجی ٹیشن کو کچل ڈالا جائے۔ اب اگر حکومت پہلی صورت کو پسند کرتی ہے تو اس صورت میں، میں بھی ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں اور دوسرے پبلک لیڈرز بھی اس سلسلے میں کوشش کر سکتے ہیں لیکن اگر دوسرا راستہ ہی پسند ہے تو پھر پبلک لیڈروں کو کسی کانفرنس میں بلانے کی حاجت نہیں۔ آپ کے پاس پولیس اور فوج کافی تعداد میں موجود ہے۔ بلائیے اور اپنی قوم کو دبا دیجیے۔ میری اس بات سے گورنر پنجاب نے متاثر ہو کر اس طریقے کو پسند کیا کہ پبلک کو مطمئن کر کے امن قائم کیا جائے۔ انھوں نے مجھ سے اس سلسلے میں یہ خواہش ظاہر کی کہ میں اس کے لیے ایک باقاعدہ تجویز مرتب کر کے پیش کروں۔ میں نے ایک تجویز اسی وقت لکھ

کر پیش کی جسے گورنر صاحب نے پسند فرمایا۔ پھر انھوں نے مجھ سے فرمائش کہ میں اس اعلان کا مسودہ تیار کروں جو وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے اس سلسلے میں شائع ہونا چاہیے۔ میں نے اس کا مسودہ تیار کیا۔ خلیفہ شجاع الدین صاحب سپیکر پنجاب اسمبلی، علامہ علاؤ الدین صدیقی صاحب، گورنر مسٹر چندریگر نے میرے تیار کیے ہوئے مسودے پر غور کر کے اور اس میں ترمیم و اصلاح کر کے اس کو آخری صورت دی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک طرف پبلک سے یہ اپیل کی گئی تھی کہ وہ ڈائریکٹ ایکشن بند کر دے اور بالکل پُرامن رویہ اختیار کرے اور دوسری طرف یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ جلدی سے جلدی عوام کے معتمد علیہ نمائندے بلا کر ان سے اس مسئلہ پر گفتگو کی جائے گی اور اس گفتگو کا جو کچھ بھی نتیجہ ہوگا وہ حکومت اور عوام کے نمائندوں کے نقطۂ نظر کی وضاحت کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔ میرے اور گورنر صاحب کے درمیان یہ بات طے ہوگئی تھی کہ اس رات کو (یعنی ۵ اور ۶ کی درمیانی شب کو) یہ اعلان ریڈیو پر نشر کر دیا جائے گا۔ لیکن گورنمنٹ ہاؤس سے گھر پہنچ کر جب میں نے ریڈیو کھولا تو میں نے گورنر صاحب کی طرف سے ایک دوسرے ہی مضمون کا اعلان سنا جس میں امن کی اپیل تو تھی لیکن پبلک مطالبات پر گفتگو کا دروازہ کھولنے کے متعلق کوئی وعدہ نہ تھا۔

۲۰۔ پنجاب اور خصوصاً لاہور کے حالات بگڑتے دیکھ کر میں نے جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کو بذریعہ تار لاہور طلب کیا اور ۴ / ۵ مارچ کو جماعت اسلامی کے مرکزی دفتر میں مجلس شوریٰ کے اجلاس ہوئے۔ ان اجلاسوں میں پوری صورت حال کا جائزہ لے کر جو ریزولیوشن پاس کیا گیا وہ ۶ مارچ کی صبح کو اخبار تسنیم میں شائع ہوا۔ اس ریزولیوشن کے تین اجزا تھے۔ اس کے پہلے جز میں ہم نے ان غلطیوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا جو قادیانی مسئلہ کے سلسلہ میں حکومت نے کی تھیں۔ اس کے دوسرے جز میں ہم نے ان غلطیوں کو بیان کیا جو اس سلسلے میں ڈائریکٹ ایکشن کی تحریک کے لیڈروں نے کی تھیں اور اس کے تیسرے حصے میں ہم نے یہ بتانے کے بعد کہ ڈائریکٹ ایکشن سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے،

ہم نے یہ بات واضح کی تھی کہ قادیانیوں کے متعلق پبلک کے اصل مطالبہ کو ہم صحیح سمجھتے ہیں اور اس کو منوانے کے لیے ہم اپنے اصولوں کے مطابق مؤثر تدابیر اختیار کریں گے۔ ان ریزولیوشن میں ہم نے اپنے ''اصولوں'' کی اس لیے کوئی تشریح نہیں کی کہ وہ ہمارے دستور کی ایک دفعہ میں درج ہیں جیسا کہ میں اپنے بیان کے پیرا نمبر ا میں بیان کر چکا ہوں۔

۲۱۔ میں اپنی صفائی میں چند اہم گواہوں کو طلب کرنا چاہتا تھا جس میں گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمد صاحب اور سابقہ گورنر مسٹر چندریگر بھی شامل ہیں۔ لیکن چونکہ عدالت کا منشا اس مقدمہ کو جلدی سے جلدی ختم کرنے کا ہے، اس لیے میں مجبوراً ان کو ترک کر رہا ہوں۔

ابوالاعلیٰ۔ ۷ مئی ۱۹۵۳ء

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے دو اخباری بیانات

مورخہ ۲۷ فروری اور ۵ مارچ ۱۹۵۳ء جو فرد جرم زیر مارشل لا ضابطہ نمبر ۸ بشمول دفعہ ۱۲۴/الف کا موجب بنے۔

پہلا بیان تاریخ ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء

حکومت پاکستان کراچی میں مجلس عمل کے چند رہنماؤں کو اور دوسرے بے شمار افراد کو گرفتار کر کے پھر ایک مرتبہ اس امر کا ثبوت بہم پہنچایا ہے کہ ہماری حکومت اس وقت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو عقل و تدبیر سے محروم ہیں۔ پچھلے جنوری میں طلبہ پر تشدد کیا گیا تھا، اس وقت بھی میں نے ان لوگوں کی بے تدبیری کا ماتم کیا تھا اور آج پھر اس کا ماتم کر رہا ہوں، کیا اس حکومت میں اب ایک آدمی بھی ایسا نہیں رہا جو ایک تھانے دار کی سطح سے زیادہ بلند سطح پر سوچ سکے؟ آخر ان لوگوں کو کیسے سمجھایا جائے کہ ایک جمہوری نظام میں عوام کے جائز اور مقبول اور معقول مطالبات کو ڈنڈے کے زور سے دبانے کی کوششیں حکومت کو غیر مقبول، اور عوامی تائید سے محروم تو کر سکتی ہیں مگر اس کے مطالبات کو زیادہ دیر تک روک نہیں سکتیں۔

صحیح طریقہ کار:

جو لوگ عوام کے نمائندے بن کر حکومت کر رہے ہوں ان کے لیے صحیح طریق کار یہ ہے کہ یا تو ایک قومی مطالبے کا جواب معقول دلیل سے دے کر قوم کو مطمئن کر دیں کہ اس کا مطالبہ صحیح نہیں ہے، یا اس کو سیدھی طرح تسلیم کر لیں یا میدان سے ہٹ جائیں۔ حکومت پاکستان نے ان تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار نہیں کی اور اب اس مطالبہ کو جو قوم کے سواد اعظم کی طرف سے پیش کیا گیا ہے، قوت سے دبانے پر تل گئی ہے۔ اس احمقانہ زیادتی کا انجام یہ تو نہ ہوگا کہ قومی مطالبہ پورا نہ ہو۔ البتہ اس کا انجام صرف یہی ہوگا کہ ایسی چند حرکتیں کر کے یہ لوگ اپنی پبلک لائف کو ہمیشہ کے لیے ختم کر لیں گے اور انہیں قوم میں منہ دکھانے تک کی جگہ نہ رہے گی۔

مجھے ان تازہ گرفتاریوں سے بھی بڑھ کر اس پریس نوٹ پر افسوس ہوا ہے جو اس اقدام کو جائز ثابت کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ میرے نزدیک یہ بالکل ایک شرمناک پریس نوٹ ہے، جس کی کسی معقول حکومت سے توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس میں یہ صریح غلط بیانی کی گئی ہے کہ اس مطالبہ کو محض قوم کے چند عناصر کی تائید حاصل ہے۔ اسی لاہور میں ابھی چند روز پہلے جو ہڑتال ہوئی تھی، کیا وہ چند عناصر کی تائید کا مظاہرہ تھا؟ یا پوری قوم کی تائید کا ثبوت تھا؟ لاہور کے لاکھوں آدمی جو اس مظاہرے کو دیکھ چکے ہیں، ان کی نگاہ میں اس جھوٹ سے حکومت کی آخر کیا وقعت باقی رہ جائے گی؟ پھر اس سے بھی زیادہ عجیب اخلاقی جسارت اس میں یہ دکھائی گئی ہے کہ احرار کو اس سارے ایجی ٹیشن کا ذمہ دار قرار دینے کے بعد ان کے سابق کانگریسی تعلق کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ پہلے بھی پاکستان کے مخالف تھے اور آج بھی ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کل ہی احرار جب پنجاب اور بہاول پور کے انتخابات میں مسلم لیگ کے ہمنوا تھے اور آپ لوگوں کی کامیابی کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ اس وقت ان کی پوزیشن کیا تھی؟ یہ آخر کیا اخلاق ہے اور کس قدر گھٹیا درجہ کی ذہنیت ہے کہ آج ایک شخص آپ کا

ساتھ دیتا ہے تو وہ پاکستان کا پکا خیر خواہ اور اس کا ماضی و حال سب آپ کی نگاہ میں شان دار ہے اور کل وہی شخص آپ کی پالیسی سے اختلاف کرتا ہے تو وہ پاکستان کا بدخواہ اور دشمنوں کا ایجنٹ اور اس کا ماضی و حال دونوں تاریک۔ یہ باتیں کر کے عوام کو دھوکا تو نہیں دیا جا سکتا البتہ اپنی رہی سہی وقعت ضرور کھوئی جا سکتی ہے۔ پھر میں پوچھتا ہوں کہ احرار تو پاکستان کے مخالف ٹھہرے مگر علامہ اقبال کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ جنھوں نے سب سے پہلے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا۔

میں حکومت کو آگاہ کرتا ہوں کہ قادیانیوں کو جداگانہ اقلیت بنانے کا مطالبہ تمام مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ ہے اور ایک مٹھی بھر اقلیت کے سوا اس کو سب کی تائید حاصل ہے۔ اس مطالبہ کو منوانے کے طریقوں میں ہمارے درمیان اختلاف ہو سکتا ہے۔ مگر بجائے خود اس مطالبہ میں قطعاً کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے اور اسے بہر حال حکومت کو ماننا ہی پڑے گا۔ اس کو تشدد سے دبانے کی کوشش ہرگز کامیاب نہیں ہونے دی جائے گی۔

دوسرا بیان بتاریخ ۵ مارچ ۱۹۵۳ء

جب سے پنجاب میں صورت حال بگڑنی شروع ہوئی ہے میں مسلسل اس امر کی کوشش کرتا رہا ہوں کہ کسی طرح یہ آگ بڑھتے بڑھتے خانہ سوز نہ بن جائے۔ اس سلسلے میں میری آخری کوششیں یہ تھیں کہ مولانا مفتی محمد حسن صاحب اور مولانا داؤد غزنوی صاحب کے مشورے سے میں نے وزیر اعظم پاکستان کو تار دیا کہ پنجاب کے حالات خطرناک حد تک نازک ہو چکے ہیں۔ کیا اس مسئلے پر گفت و شنید کا کوئی امکان ہے؟ فوراً تار کے ذریعے سے جواب دیجیے۔ لیکن اس کا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ مارچ کی صبح کو میں نے پھر ان کو تار دیا کہ حالات ہر ہر گھنٹے خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں، جلدی جواب دیجیے۔ لیکن اس کا بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ پھر آج ۵/ مارچ کو گورنمنٹ ہاؤس میں گورنر صاحب نے سیاسی پارٹیوں کے لیڈرز اور شہر کے عمائدین کی ایک کانفرنس کی جس میں مجھ کو مدعو کیا گیا۔ چنانچہ میں اس امید پر ہی وہاں گیا کہ اس آگ کو بجھانے کے لیے

خدمت انجام دے سکوں۔ میں نے صورت حال کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کے بعد یہ تجویز پیش کی کہ ایک طرف ان تمام اسباب کا خاتمہ کیا جائے جن سے اپنی ہی قوم کی پولیس اور فوج، اپنی ہی قوم کے خلاف استعمال ہو رہی ہے۔ اور دوسری طرف عوام کے مطالبات پر گفتگو کی جائے اور دلیل کی طاقت سے عوام کی بات مانی جائے یا پھر دلیل ہی کی طاقت سے عوام کو قائل کیا جائے۔ میری اس بات کو وہاں بالکل صحیح اور معقول تسلیم کیا گیا۔ لیکن ابھی ابھی گورنمنٹ کی طرف سے جو اپیل میں نے ریڈیو پر سنی ہے اس پر میں حیران رہ گیا کہ عوام کے مطالبات پر غور کرنے کا ذکر اس میں نہیں ہے اور محض امن کے وعظ پر بات ختم کر دی گئی ہے۔ اور وہ بھی اس انداز سے کہ اس سارے معاملے میں قصور سارا کا سارا عوام ہی کا ہے اور گورنمنٹ کا دامن ہر غلطی سے پاک ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس حالت میں جب کہ پنجاب کا بہت بڑا حصہ ایک آتش فشاں کی شکل اختیار کر چکا ہے، ان باتوں سے کیا فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

فرم جرم نمبر ۲

بنام ملزمان:۔نمبرا۔مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ولد احمد حسن

ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

نمبر ۲۔نصر اللہ خان عزیز ولد ملک محمد شریف

مین بازار گوالمنڈی لاہور

جرم: مارشل لا ریگولیشن نمبر ۸ مع دفعہ ۱۲۴/الف تعزیرات پاکستان ان پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے مشترکہ طور پر پاکستان کی حکومت مجاز کے خلاف بغاوت پھیلائی اس صورت سے کہ لاہور میں ماہ فروری کے آخری ہفتہ اور ۷ مارچ ۱۹۵۳ء کے درمیانی وقفے میں ملزم نمبر ا نے اخباری بیان دیئے۔جنہیں ملزم نمبر ۲ نے روزنامہ تسنیم لاہور ۷/ مارچ ۱۹۵۳ء میں شائع کیا اور اس طرح ارتکاب جرم کیا جو کہ مارشل لا ریگولیشن نمبر ۸ مع دفعہ ۱۲۴/الف تعزیرات پاکستان کی رو سے مستوجب سزا ہے۔

۳ مئی ۱۹۵۳ء　　　　　　　　دستخط

اسٹیشن: لاہور　　　　　　　　پراسیکیوٹر

(شوکت سلطان) میجر

☆......☆......☆......☆......☆

بیان نمبر ۲ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

(جوانھوں نے فردجرم ضابطہ نمبر ۸ مارشل لا بشمول دفعہ نمبر ۱۲۴ / الف کے جواب میں فوجی عدالت میں دیا۔)

اس مقدمے میں میرا بیان وہی ہے جو میں نے ''قادیانی مسئلہ'' کے مقدمے میں پیش کیا ہے۔اس لیے اس کی نقل داخل کررہا ہوں۔البتہ اس پر میں چند نکات کا اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔میرے جن بیانات کو قابل اعتراض ٹھہرایا جارہا ہے، ان کے بارے میں ایک منصفانہ رائے قائم کرنے کے لیے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ محض ان بیانات کی عبارتوں یا چند فقروں اور الفاظ ہی کو دیکھا جائے۔ بلکہ میرے اس پورے طرزعمل کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے جو میں نے قادیانی مسئلہ کے متعلق ایجی ٹیشن کے آغاز سے اب تک اختیار کیا ہے۔بحیثیت مجموعی اس پورے منظر میں رکھ کر میرے بیانات کو دیکھنے سے ہی میری پوزیشن عدالت کے سامنے صحیح طور پر واضح ہوسکتی ہے۔جو واقعات میں نے اپنے بیان میں پیش کیے ہیں اور جو باتیں دستاویزی اور شخصی شہادتوں سے عدالت کے سامنے آئی ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ:

ا۔میں نے اپنی حد تک ڈائریکٹ ایکشن کو روکنے کی پوری کوشش کی ہے اور خود اس نظام میں جو اس مسئلہ پر جدوجہد کرنے کے لیے بتایا گیا ہے اس غلط طریق کار کی آخر وقت تک مزاحمت کرتا رہا ہوں، یہاں تک کہ میری مزاحمت سے ہی آخر ڈائریکٹ ایکشن کے حامیوں نے ۲۶ فروری کو مرکزی مجلس عمل توڑ کر اس کی جگہ ایک نئی ڈائریکٹ ایکشن کمیٹی بنائی اور ڈائریکٹ ایکشن شروع کیا۔

۲۔میں نے ڈائریکٹ ایکشن میں نہ خود حصہ لیا، نہ اپنی جماعت کے کسی رکن کو اس میں حصہ لینے کی اجازت دی، نہ عام لوگوں کو اس میں شریک ہونے کا مشورہ دیا بلکہ میں نے اور میری جماعت نے علی الاعلان اس طریق کار کو غلط ٹھہرایا اور جماعت کے جن لوگوں نے جماعتی ڈسپلن کی خلاف ورزی کر کے اس تحریک میں حصہ لیا انہیں میں نے فوراً جماعت سے

خارج کر دیا۔

۳۔میں نے جولائی ۱۹۵۲ء سے اس تحریک کا رخ پر امن آئینی جدوجہد کی طرف موڑنے کی مسلسل کوشش کی اور کم از کم دسمبر ۱۹۵۲ء تک میری ہی کوششوں سے یہ تحریک غیر آئینی طریقوں کی طرف جانے سے رکی رہی۔ پھر میں نے جنوری ۱۹۵۳ء میں بھی اسے ڈائریکٹ ایکشن کے راستے پر جانے سے روکا' مگر بی۔ پی۔ سی رپورٹ میں قادیانی مسئلہ کو قطعی نظر انداز کرنے کی جو غلطی کی گئی تھی اس نے میرے ہاتھ کمزور کر دیئے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے مسلمان اس خاص معاملے میں آئینی طریق کار سے مایوس ہو گئے تھے اور ان لوگوں پر اعتماد کرنے لگے تھے جو اس کو حل کرانے کے لیے غیر آئینی طریقوں کا مشورہ دے رہے تھے۔ میرے نزدیک جو بدامنی آخر کار مارچ ۱۹۵۳ء میں رونما ہوئی اس کی ذمہ داری تنہا ڈائریکٹ ایکشن کی تحریک کے رہنماؤں ہی پر نہیں ہے' بلکہ اس میں مرکزی وزارت کی بے تدبیری اور غلط پالیسی بھی برابر کی شریک ہے۔ اس پالیسی کی غلطیوں کو میں اس وقت سے محسوس کر رہا ہوں جب سے یہ مسئلہ ملک میں چھڑا تھا اور مجھے یقین تھا کہ یہ پالیسی اگر قائم رہی تو بدترین نتائج پیدا کر کے رہے گی۔ اس لیے میرا فرض تھا کہ حکومت کو بھی اس کی غلط روش سے مطلع کر دوں اور اسے تدبیر کے ساتھ معاملے کو سمجھنے اور حل کرنے پر آمادہ کروں۔ اس فرض کے لیے میں جولائی ۱۹۵۲ء سے مسلسل اور پے در پے مضامین لکھ لکھ کر حکومت کو مسئلہ کی صحیح نوعیت سمجھانے کی کوشش کی اور اسے حل کرنے کے لیے تعمیری تجاویز پیش کیں۔ پھر ڈائریکٹ ایکشن کی تحریک کو طاقت سے کچل دینے کا فیصلہ کیا گیا تو میں نے یکم مارچ ۱۹۵۳ء کے بیان میں حکومت کو آگاہ کیا کہ عوام کے مطالبات کو بلاوجہ رد کر دینے اور دلیل کے بجائے طاقت سے ان کا مقابلہ کرنے کی پالیسی تباہ کن ہے۔ اس کے بعد ۵ / مارچ کو گورنر پنجاب کی کانفرنس میں آخری مرتبہ یہ کوشش کی کہ حکومت طاقت کے بجائے عوام کو راضی اور مطمئن کر کے امن قائم کرے۔ یہ تمام باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ میری نیت اس آگ کو بھڑکانے اور اس پر تیل چھڑکنے کی نہ تھی۔ بلکہ

میں اسے بجھانے کے درپے تھا اور اس غرض کے لیے ایک طرف حکومت کو سمجھانے اور دوسری طرف ڈائریکٹ ایکشن کے حامیوں کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس مجموعی پس منظر میں رکھ کر اگر میرے بیانات کو دیکھا جائے تو وہ اصلاح حال کی کوشش کے طویل سلسلہ کی ایک کڑی نظر آئیں گے۔ حکومت نے ان کو اگر بغاوت سمجھا ہے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ میری بدقسمتی ہے یا اس ملک کی۔

(ابوالاعلیٰ مودودی)

☆......☆......☆......☆......☆

خفیہ

نمبر ایم ایل/۱/الف

ہیڈکواٹر بی، سیکٹر

۱۱/مئی ۱۹۵۳ء

بنام: مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ولد احمد حسن

مضمون: سزائے موت کے خلاف رحم کی اپیل کی گنجائش

مارشل لا کے تحت جو سزا دی جاتی ہے اس کی کوئی اپیل نہیں ہوتی۔ البتہ آپ اپنی سزائے موت کے خلاف جو آپ کو مارشل لا نمبر ۸ مع دفعہ ۱۵۳/الف تعزیرات پاکستان دی گئی ہے، اس ہیڈکوارٹر کی معرفت سات روز کے اندر اندر کمانڈر انچیف سے رحم کی اپیل کر سکتے ہیں۔

دستخط

اے جیلانی

میجر

☆......☆......☆......☆......☆

چند اہم نکات

(۱) سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ مولانا مودودی کو فوج میں مضرت رساں پروپیگنڈا کرنے یا خفیہ بیرونی امداد حاصل کرنے کے الزام میں کبھی بھی ماخوذ نہیں کیا گیا۔ نیز باوجود کوشش جماعت اسلامی کے خلاف آج تک ایک واقعہ بھی ایسا ثابت نہیں کیا جا سکتا جس کو خلاف قانون یا منافی جمہوریت قرار دیا جا سکے۔

(۲) تحریک راست اقدام یعنی ڈائریکٹ ایکشن کے سلسلہ میں جماعت اسلامی کا دامن ہر قسم کی غیر قانونی سرگرمیوں سے پاک رہا۔ اس پروگرام سے جماعت کے اختلاف اور علیحدگی سے لوگ بخوبی واقف تھے۔ حتیٰ کہ وزیر اعظم پاکستان پارلیمنٹ میں برسر اجلاس اس کا اعتراف کیا تھا۔

(۳) جماعت اسلامی کے رہنماؤں نے ملک کے دیگر زعما کے ساتھ حکومت سے تعاون کرتے ہوئے لاقانونیت اور بدامنی کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

(۴) حکومت کی غلط پالیسی اور ارباب اختیار و ممبران اسمبلی کی مسئلہ قادیانیت سے ناواقفیت کو دیکھتے ہوئے مولانا مودودی نے جولائی ۱۹۵۲ء سے مسلسل مضامین لکھ کر اس مسئلہ کی مذہبی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی نوعیت سے آگاہ کرنے اور اس پیچیدہ مسئلہ کا معقول عملی حل سمجھانے کی کوششیں کیں۔

(۵) ''قادیانی مسئلہ'' نامی پمفلٹ فروری ۱۹۵۳ء کے تیسرے ہفتہ میں لکھا گیا اور اس ماہ میں اس کی کتابت بھی مکمل ہو گئی تھی۔

(۶) لاہور میں مارشل لا کا نفاذ ۶/ مارچ ۱۹۵۳ء سے ہوا۔ مذکورہ پمفلٹ اس سے قبل ہی شائع ہو چکا تھا۔ اخباری بیانات بھی ۲۸/ فروری ۱۹۵۳ء اور ۵/ مارچ ۱۹۵۳ء کو پریس کو دے دیے گئے تھے۔ اس لیے اگر کوئی مقدمہ قائم ہی کیا جانا تھا تو اس کی سماعت سول کورٹ میں ہونی چاہیے تھی۔ کیونکہ یہ دونوں کام مارشل لا کے نفاذ سے قبل انجام دیئے جا چکے تھے۔

(۷) مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے دیگر ۱۲ سرکردہ ارکان کی لاہور میں گرفتاری ۲۸ / مارچ ۱۹۵۳ء کو عمل آئی۔ لیکن ۳ / مئی ۱۹۵۳ء تک ان میں سے کسی کو یہ پتہ نہیں چلا کہ آخر اس کا جرم کیا ہے؟

(۸) اگر مولانا مودودی کا جرم صرف ایک پمفلٹ ''قادیانی مسئلہ'' لکھنا اور اخبارات کو دو بیانات دینا ہی تھا تو گرفتاریوں کے وقت بیت المال کا روپیہ، حسابات کے رجسٹر اور دفتر جماعت کا ریکارڈ پولیس نے اپنے قبضہ میں کیوں لیا؟ اور اب تک کیوں واپس نہیں کیا ہے؟

(۹) پھر قلعہ لاہور میں بجائے پمفلٹ یا بیانات سے متعلق سوالات کرنے کے ایک مہینہ ۶ دن تک مولانا مودودی اور ان کے رفقا سے جماعت اسلامی کے مالی وسائل، ذرائع آمدنی اور کسی بیرونی طاقت سے تعلق کے بارے میں تفتیش و جرح کس مقصد کے تحت ہوتی رہی؟

(۱۰) مولانا مودودی اور ملک نصر اللہ خان عزیز و سید نقی علی پر بہرحال کسی نہ کسی قسم کا مقدمہ چلایا گیا۔ لیکن جماعت اسلامی کے دیگر اکابر مثلاً مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا عبدالغفار حسن، حکیم عبدالرحیم اشرف، غازی محمد عبدالجبار، نعیم صدیقی اور طفیل محمد صاحب کا جرم کیا ہے۔ پھر مولانا امین احسن اصلاحی، نعیم صدیقی، چودھری محمد اکبر، فقیر حسین اور ملک غلام علی وغیرہ کو اڑتالیس گھنٹہ کی عارضی رہائی کے بعد دوبارہ کیوں گرفتار کیا گیا؟ آج تک ان پر کسی نہ کسی نوع کے الزام میں کوئی مقدمہ کیوں نہیں چلایا گیا؟ اور اب مارشل لا ختم ہو جانے کے بعد بھی ان بے گناہوں کو رہا کیوں نہیں کیا جاتا؟

(۱۱) یہ واقعہ ہے کہ ''قادیانی مسئلہ'' پمفلٹ کے اردو، انگریزی، سندھی اور گجراتی زبانوں میں کئی کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ عربی اور بنگلہ تراجم کو ملا کر اس کی اشاعت ایک لاکھ کے لگ بھگ پہنچ چکی ہے۔ لیکن آج تک نہ تو سنٹرل گورنمنٹ نے پاکستان میں کسی جگہ اس کتاب کو قابل اعتراض ٹھہرایا، نہ کسی صوبائی حکومت نے اپنے علاقہ میں اس کو ممنوع ٹھہرایا نہ خود فوجی حکام نے مارشل لا کے زمانہ میں اس پمفلٹ پر کوئی پابندی لگائی، یہی

نہیں بلکہ مارشل لا حکام نے باوجود استفسار کے اس کتابچہ کو نہ صرف یہ کہ ضبط نہیں کیا بلکہ بازار سے اپنی تحویل میں لیا ہوا سٹاک واپس کر دیا۔ جو اسی زمانہ میں کھلے عام فروخت ہوتا رہا۔ یہ تمام شہادتیں فوجی عدالت کے ریکارڈ میں آ چکی ہیں۔

(۱۲) یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مولانا مودودی پر ''قادیانی مسئلہ'' پمفلٹ لکھنے کی وجہ سے ضابطہ مارشل لا نمبر ۸ بشمول تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۱۵۳ / الف یعنی رعایا کے درمیان دشمنی ومنافرت پھیلانے اور دو اخباری بیانات جاری کرنے کے سبب سے ضابطہ مارشل لا نمبر ۸ بشمول دفعہ ۱۲۴ / الف یعنی حکومت کے خلاف بغاوت پھیلانے کے جرم میں مقدمہ چلا ہے۔ یہ وہی دفعات ہیں جن کے تحت یکم جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں شام کے انگریزی روزنامے ''ایوننگ ٹائمز'' کے ایڈیٹر مسٹر زیڈ اے سلہری پر مقدمہ چلا تھا۔ جس میں آخر کار مسٹر جسٹس لاری نے ان کو دونوں الزامات سے بری قرار دیا اور اپنے تاریخی فیصلہ میں نہ صرف حکومت پر تنقید کرنے کے مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی بلکہ پاکستان کی آزاد مملکت میں بدلے ہوئے حالات کے تحت بغاوت کے مفہوم اور قانونی تعریف پر نظر ثانی کیے جانے کی ضرورت کا بھی اظہار فرمایا۔ زیر بحث پمفلٹ اور بیانات کی اشاعت خود استغاثہ کے اعتراف واقرار کے بموجب مارشل لا کے نفاد سے قبل واقع ہو جانے کی وجہ سے فی الواقع مارشل لا کی زد میں نہیں آتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ مذکورہ بالا دو دفعات کے ماتحت اور وہ بھی سول عدالت میں مقدمہ چلایا جاسکتا تھا، لیکن مارشل لا ریگولیشن نمبر ۲۴ نافذ شدہ ۱۱ / مارچ ۱۹۵۳ء کی رو سے فوجی حکام نے مارشل لا کے نفاذ سے قبل سرزد ہونے والے جرائم کی سماعت کا اختیار بھی حاصل کر لیا اور مارشل لا آرڈر نمبر ۸ ؁ زیر ریگولیشن نمبر ۸' نافذ شدہ ۲۶ / مارچ ۱۹۵۳ء کی رو سے قابل اعتراض مطبوعات وغیرہ کی سزا موت یا ۱۴ سال قید بامشقت مقرر کر دی۔ بعد میں گورنر جنرل پاکستان کے ۹ مئی ۱۹۵۳ء کے خاص آرڈیننس نے فوجی عدالتوں کو قانونی لحاظ سے اس کا مجاز قرار دیا نیز ان فیصلوں کے خلاف کسی عدالت میں اپیل دائر کرنے کا حق بھی سلب کر لیا۔

(۱۳) مولانا مودودی کا بیان روزنامہ ''تسنیم'' لاہور میں ہی نہیں بلکہ لاہور و کراچی وغیرہ کے دیگر اخبارات میں بھی شائع ہوا لیکن مقدمہ صرف ایڈیٹر ''تسنیم'' پر ہی چلا۔ نیز مارشل لا کے دوران لاہور میں کئی اخبارات بند کیے گئے لیکن ''تسنیم'' پر یہ خاص عنایت کی گئی کہ اس کو مارشل لا کے بعد سیفٹی ایکٹ کا شکار بھی بنا لیا گیا ہے۔

(۱۴) ماہ نامہ ''ترجمان القرآن'' (مرتبہ: سید ابوالاعلیٰ مودودی) کے لیے پریس کی تبدیلی کی درخواست جو عام طور پر چند گھنٹوں میں منظور ہو جاتی ہے آج تین ماہ گزر جانے کے بعد بھی اس کی اجازت نہیں ملی ہے۔

آخر میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ:

(۵) پاکستان ایک جمہوری مملکت ہونے کا دعوی دار ہے۔ ہر جمہوری ملک میں چونکہ پارٹی گورنمنٹ کا طریقہ ہوتا ہے' اس لیے دوسری جماعتوں کو برسر اقتدار پارٹی کی غلطیوں کو عوام کے سامنے پیش کرنے کا پورا حق حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ رائے عام کو ہموار و منظم کر کے آئینی طریقہ پر حکمراں پارٹی کو اقتدار سے ہٹانے کا بھی تمام پارٹیوں کو حق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک جمہوریت میں حزب اختلاف کو اتنی ہی اہمیت حاصل ہوتی ہے جتنی کہ برسر اقتدار پارٹی کو۔

پس مولانا مودودی کو بھی ایک منظم پارٹی کے رہنما اور حزب اختلاف کے لیڈر کی حیثیت سے اس بات کو پورا پورا حق حاصل ہے بلکہ ان کا فرض ہے کہ جس مسئلہ میں بھی وہ حکومت کے کسی اقدام یا پالیسی کو غلط سمجھتے ہوں اس پر کھلم کھلا دلائل کے ساتھ تنقید کر کے برسر اقتدار پارٹی کے خلاف آئینی طریقہ پر رائے عامہ کو تیار کریں۔

ان تمام واقعات کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو یہ چیز کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ لوگ جو فسادات کے اصل ذمہ دار قرار دیے جاتے ہیں یا جن پر لوگوں کے مشتعل جذبات کو ہوا دینے کا الزام ہے' ان کے خلاف تو سرے سے کوئی کارروائی ہی نہیں کی گئی' اس کے برعکس مولانا مودودی جنھوں نے نہایت جرأت سے کام لے کر ''راست اقدام'' کو علی الاعلان

غلط قرار دیا اور اس طرح اپنے اوپر اعتراضات کی بوچھاڑ کی دعوت عام دی اور جن کے اس طرزِ عمل کی خود وزیر اعظم پاکستان نے برسرعام تعریف کی، انہیں سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔

اسے ستم ظریفی نہیں تو اور کیا کہیے کہ وہ شخص جو معاملہ کو ٹھنڈا کرتا ہے، دستوری حدود کی سختی سے پابندی کرتا ہے اور جو پیچیدہ قادیانی مسئلہ کا معقول عملی حل پیش کرتا ہے اور اپنے رفقاو متبعین کو احکام جاری کرتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی حدود قانون کو نہ توڑے، تو اسے وہ سزا ملتی ہے جو مولانا کو دی گئی اور وہ لوگ جو سازش کرنے، اشتعال پھیلانے اور فسادات برپا کرنے کے الزامات میں بدنام ہوئے، ان کو صرف اپنے منصب سے مستعفی ہو کر ولایت کی سیر کے لیے نکل جانے کی زحمت دی جاتی ہے۔

جب صورت حال یہ ہے تو مولانا مودودی جیسی شخصیت کا جو امن و قانون کی بحالی اور حمایت کا ایک طاقتور ذریعہ ہے، محض سیاسی اختلافات کی بنا پر میدان سے ہٹنا، ان لوگوں کے حوصلوں اور امیدوں پر ایک ضرب کاری ہے جو پاکستان میں امن و قانون کی حکومت اور اسلام کا راج دیکھنا چاہتے ہیں۔ مقام افسوس ہے کہ مولانا مودودی کی خدا داد صلاحیتیں اور مقناطیسی شخصی اثرات بجائے استحکام پاکستان کی خدمت بجالانے کے جیل کی کوٹھڑیوں میں محبوس ہوں۔

☆......☆......☆......☆......☆

باب سوم

فسادات کی تحقیقاتی عدالت

کے سامنے

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

کے بیانات

پہلا بیان

(یہ بیان آنریبل کورٹ کی اجازت سے اخبارات میں شائع ہوا)

مجھے اپنے بیان میں جو باتیں پیش کرنی ہیں ان کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ مجھے کو عدالت کے (terms of reference) کی ترتیب بدل کر......سب سے پہلے ان حالات پر گفتگو کرنی ہوگی جو لاہور میں مارشل لاء جاری کیے جانے کے موجب ہوئے۔

......اس کے بعد میں اس سوال سے بحث کروں گا کہ ان ہنگاموں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے صوبہ کے حکام نے جو تدابیر اختیار کیں وہ کیسی تھیں۔

......پھر یہ بتاؤں گا کہ میرے نزدیک ان ہنگاموں کی ذمہ داری کس پر ہے؟

......اورآخر میں یہ عرض کروں گا کہ اس جھگڑے میں میرا اور میری رہنمائی میں جماعت اسلامی کا رویہ کیا رہا ہے۔

وہ حالات جو لاہور میں مارشل لاء جاری کرنے کے موجب ہوئے

اس سوال کو اگر صرف ان حالات تک محدود رکھا جائے جو مارشل لا سے پہلے قریبی زمانہ میں رونما ہوئے تھے تو میرے نزدیک یہ اس تحقیقات کا بہت ہی تنگ نقطہ نظر ہوگا جسے اختیار کر کے کوئی صحیح نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ جس نزاع نے پنجاب میں بالآخر ہنگامہ کی شکل اختیار کی، جسے فرو کرنے کے لیے مارشل لاء نافذ کیا گیا، سب سے پہلے اس کی اصل اور اس کے تاریخی ارتقا پر نظر ڈال لی جائے اور پھر ان قریبی حالات کو دیکھا جائے جو اس قدیم نزاع کی بدولت حال ہی میں رونما ہوئے۔

اصل مسئلہ اور اس کا پس منظر:

(۱) قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا آغاز بیسویں صدی کی ابتدا سے ہوا۔ انیسویں صدی کے خاتمہ تک اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب مختلف قسم کے دعوے کرتے رہے تھے جن کی بنا پر مسلمانوں میں ان کے خلاف عام بے چینی پیدا ہو چکی تھی مگر اس وقت تک انھوں نے کوئی ایک قطعی دعویٰ نہیں کیا تھا۔ ۱۹۰۲ء میں انھوں نے نبوت کا صریح اور قطعی دعویٰ کیا جس سے ان کے ماننے والوں اور عام مسلمانوں کے درمیان ایک مستقل نزاع شروع ہوگئی۔

اس نزاع کی وجہ یہ تھی کہ نبوت اسلام کے بنیادی مسائل میں سے ایک ہے۔ ایک شخص کے دعوائے نبوت کے بعد ہر مسلمان کے لیے لازم ہو جاتا ہے کہ اس پر ایمان لانے یا نہ لانے میں سے کسی ایک رویہ کا فیصلہ کرے۔ جو لوگ اس پر ایمان لائیں وہ آپ سے آپ ایک الگ اُمت بن جاتے ہیں اور ان کے نزدیک ایسے سب لوگ کافر ہو جاتے ہیں۔ جنھوں نے اس کو نہ مانا ہو اور اس کے برعکس جو لوگ اس پر ایمان نہ لائیں وہ خود بخود

مقدم الذکر گردہ سے الگ ایک اُمت قرار پاتے ہیں۔وہ ایسے سب لوگوں کو کافر سمجھتے ہیں جوان کے نزدیک جھوٹے نبی پر ایمان لائے ہوں۔یہی وجہ کہ ہے کہ دعوائے نبوت کے بعد سے مرزا صاحب کے ماننے والے اور نہ ماننے والے ایک دوسرے سے جدا ہوتے چلے گئے۔مرزا صاحب اوران کے بعد ان کے خلفا نے اعلانیہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں ان تمام لوگوں کو قطعی کافر ٹھہرایا جوان پر ایمان نہیں لائے اور مسلمانوں کے تمام فرقوں نے (جن میں سنی' شیعہ' اہل حدیث' حنفی دیوبندی' بریلوی سب شامل ہیں۔) بالاتفاق مرزا صاحب اوران سب لوگوں کو کافر قرار دیا جوان پر ایمان لے آئے۔

(۲) اس نزاع کو تین چیزیں روز بروز تیز کرتی چلی گئیں۔

ایک: اس نئے مذہب کے پیروؤں کی تبلیغی سرگرمی اور بحث ومناظرہ کی دائمی عادت جس کی بنا پر ان میں کا ہر شخص اپنے ماحول میں ہمیشہ ایک کشمکش پیدا کرتا رہا ہے۔

دوسرے: ان تبلیغی سرگرمیوں اور بحثوں اور مناظروں کا زیادہ تر مسلمانوں کے خلاف ہونا جس کی وجہ سے بالعموم مسلمان ہی ان کے خلاف مشتعل ہوئے ہیں۔

تیسرے: ان کا مسلمانوں کے اندر شامل رہ کر اسلام کے نام سے تبلیغ کرنا جس کی وجہ سے ناواقف مسلمان یہ سمجھتے ہوئے بآسانی ان کے مذہب میں داخل ہوجاتے ہیں کہ وہ ملت اسلامیہ سے نکل کر کسی اور ملت میں نہیں جارہے ہیں۔یہ چیز قدرتی طور پر مسلمانوں میں اس سے زیادہ غصہ پیدا کرتی ہے جو عیسائیوں یا کسی دوسرے مذہب والے کی تبلیغ سے کسی مسلمان کے مرتد ہوجانے پر پیدا ہوتا ہے۔کیونکہ ان کی تبلیغ کسی مسلمان کو اس دھوکے میں مبتلا نہیں کرتی کہ وہ مسلمانوں میں رہ کر بھی مسلمانوں ہی میں شامل ہے۔

معاشرتی پہلو:

(۳) آغاز میں یہ نزاع صرف ایک مذہبی نزاع تھی مگر بہت جلدی اس نے مسلمانوں کے اندر ایک پیچیدہ اور نہایت تلخ معاشرتی مسئلے کی شکل اختیار کرلی۔اس کی وجہ مرزا صاحب اوران کے خلفا کا یہ فتویٰ تھا کہ احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان بس وہی

تعلقات رہ سکتے ہیں جو مسلمانوں اور عیسائیوں یا یہودیوں کے درمیان ہوتے ہیں۔یعنی ایک احمدی کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا۔اس کی یا اس کے بچے کی نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتا۔اس کی بیٹی لے سکتا ہے مگر اس کو بیٹی دے نہیں سکتا۔اس فتوے کا ردعمل مسلمانوں کی طرف سے بھی ایسے ہی طرز عمل کی صورت میں رونما ہوا اور اس طرح دونوں گروہوں کے درمیان معاشرتی مقاطعہ کی حالت پیدا ہوگئی۔اس مقاطعہ سے مسلم معاشرہ میں جو تفرقہ رونما ہوا وہ بس ایک وقتی تفرقہ ہی نہ تھا جو ایک دفعہ رونما ہو کر رہ گیا ہو بلکہ وہ ایک روز افزوں تفرقہ تھا، کیونکہ قادیانیت ایک تبلیغی تحریک تھی اور وہ آئے دن کسی نہ کسی مسلمان کو قادیانی بنا کر ایک نئے خاندان میں تفرقہ برپا کر رہی تھی۔اپنے اس معاشرتی مقاطعہ کے رویہ کو لے کر وہ جس گھر جس خاندان ،جس گاؤں ،جس برداری اور جس بستی میں بھی پہنچی وہاں اس نے پھوٹ ڈال دی۔اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جہاں شوہر اور بیوی ایک دوسرے کو اپنے لیے حرام سمجھنے لگیں یا کم از کم اپنے تعلقات کے جائز ہونے میں شک کرنے لگیں اور جہاں ایک بھائی کے بچے کی نماز جنازہ دوسرا بھائی نہ پڑھے۔جہاں بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے کافروں سا معاملہ کرنے لگے اور جہاں ایک ہی خاندان یا برادری میں رشتے ناطے کے تعلقات ختم ہوجائیں، وہاں معاشرہ میں کیسی کچھ تلخیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔

یہ تلخیاں قادیانیت کی رفتار اشاعت کے ساتھ پچھلے پچاس سال کے دوران میں برابر بڑھتی چلی گئی ہیں اور سب سے زیادہ پنجاب کو ان سے سابقہ پیش آیا ہے، کیونکہ یہاں ہزارہا خاندانوں میں اس کا زہر پھیل چکا ہے۔

معاشی پہلو:

(۴) کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ مسلمانوں اور قادیانیوں کی یہ نزاع معاش کے میدان میں بھی پہنچ گئی۔مسلمانوں کے ساتھ مذہبی اور معاشرتی کشمکش کی وجہ سے اور بڑی حد تک نئے نئے مذہبی جوش کی وجہ سے بھی قادیانیوں کے اندر ابتدا ہی سے جتھہ بندی کا ایک زبردست میلان پایا جاتا تھا۔انھوں نے منظم ہوکر معیشت کے ہر شعبہ میں قادیانیوں کو

غیرقادیانیوں پر ترجیح دینے اور ایک دوسرے کی مدد کر کے آگے بڑھانے کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس سے ان کے اور مسلمانوں کے تعلقات کی تلخی روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ خصوصیت کے ساتھ سرکاری ملازمتوں کے معاملہ میں دونوں گروہوں کی کشمکش زیادہ نمایاں رہی ہے۔ اور قادیانی عہدہ داروں کی خویش پروری نے اس کو مزید ہوا دی ہے۔ اس نزاع سے بھی پنجاب ہی کو سب سے زیادہ سابقہ پیش آیا ہے کیونکہ قادیانیوں کی بڑی تعداد اسی صوبہ میں آباد ہے اور بیشتر یہیں کی زراعت، تجارت، صنعت، حرفت اور ملازمتوں میں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کشمکش برپا رہی ہے۔ اس موقع پر یہ بات نہ بھولنی چاہیے کہ یہ اس نوعیت کی نزاع ہے جو اس سے پہلے مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک دوسرے سے پھاڑ کر باہمی عداوت کی آخری حدود تک پہنچا چکی ہے۔

سیاسی پہلو:

(۵) جہاں دو گروہوں کے درمیان مذہب، معاشرت اور معیشت میں کشمکش ہو وہاں سیاسی کشمکش کا رونما ہونا ایک بالکل قدرتی بات ہے۔ مگر قادیانیوں اور مسلمانوں کے معاملہ میں سیاسی کشمکش کے اسباب اس سے کچھ زیادہ گہرے ہیں۔ مرزا صاحب اور ان کے پیروؤں کو ابتدا سے یہ احساس تھا کہ جس نبوت کا دعویٰ وہ لے کر اٹھے ہیں وہ مسلم معاشرہ کے اندر کفر اور ایمان کی ایک نئی تفریق پیدا کرتی ہے اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ اپنی ملت میں اس طرح کی ایک تفرقہ انگیز قوت (disintegrating force) کو مسلمانوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے لے کر قاچاری اور عثمانی فرماں رواؤں کے دور تک 'پچھلی بارہ صدیوں' میں کبھی اُبھرنے نہیں دیا ہے۔ اس لیے اُنہوں نے اپنی تحریک کے آغاز ہی سے انگریزی حکومت کی وفاداری کو اپنا جزوِ ایمان بنایا نہ صرف زبان سے بلکہ پورے خلوص کے ساتھ دل سے بھی یہی سمجھا کہ ان کے بقا اور نشوونما اور فلاح و کامیابی کا انحصار سراسر ایک غیرمسلم حکومت کے سایۂ عاطفت پر ہے۔ مسلمان غلام ہوں اور غیر مسلم ان پر حکمران ہوں۔ قادیانی ان غیر مسلم حکمرانوں کے پکے وفادار بن کر ان کی حمایت حاصل کریں اور پھر

آزادی کے ساتھ بے بس مسلمانوں کو اپنی تفرقہ انگیز تحریک کا شکار بنائیں۔ یہ تھا قادیانیت کی ترقی کا وہ مختصر فارمولا جو مرزا غلام احمد صاحب نے بنایا اور ان کے بعد ان کے خلفا اور ان کی جماعت کے تقریباً تمام بڑے بڑے مصنفین اور مقررین نے اپنی بے شمار تحریروں اور تقریروں میں بار بار دہرایا۔

قادیانیت کے اس سیاسی رجحان کو ابتدا تو انگریز خود اچھی طرح نہیں سمجھتے تھے۔ قادیانیوں نے بڑی کوششوں سے انہیں اپنے ''امکانات'' سمجھائے اور پھر انگریزوں نے ان کو اپنی مسلم رعایا کا سب سے زیادہ قابل اعتماد عنصر سمجھ کر ہندوستان میں بھی استعمال کیا اور باہر دوسرے مسلمان ممالک میں بھی۔

اس کے بعد جب ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی قومی کشمکش بڑھی تو کانگریس کے نیشنلسٹ لیڈروں کی نگاہ بھی قادیانیت کے ''امکانات'' پر پڑنی شروع ہوگئی۔ یہ ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ زمانہ کی بات ہے جب کہ ایک بہت بڑے ہندو لیڈر نے قادیانیت کی حمایت میں ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم سے مباحثہ فرمایا تھا اور ایک دوسرے نامور لیڈر نے اعلانیہ کہا تھا کہ مسلمانوں میں ہمارے نقطہ نظر سے سب سے زیادہ پسندیدہ عنصر قادیانی ہیں۔ کیونکہ ان کا نبی بھی دیسی (Indigenous) ہے اور ان کے مقدس مقامات بھی اسی دیس میں واقع ہیں۔ غرض اپنے مسلک خاص کی وجہ سے قادیانیوں کا سیاسی موقف ہے ہی کچھ اسی قسم کا کہ غیر مسلم کو ان کو فطرتاً پُراُمید نگاہوں سے اور مسلمان اندیش ناک نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ مسلمانوں میں ہمیشہ یہ عام خیال موجود رہا ہے کہ ملت اسلامیہ کی تخریب کے لیے خود اس ملت کے اندر سے جو عنصر سب سے بڑھ کر دشمنانِ اسلام کا آلہ کار بن سکتا ہے، وہ قادیانی عنصر ہے اور اس خیال کو جن باتوں نے تقویت پہنچائی ہے، وہ یہ ہیں کہ پہلی جنگ عظیم میں جب بغداد بیت المقدس اور قسطنطنیہ پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تو پوری مسلم قوم کے اندر وہ صرف قادیانی تھے جنھوں نے اس پر خوشیاں منائیں اور چراغاں کیے۔ یہی نہیں بلکہ قادیانیوں کے خلیفہ صاحب نے علی الاعلان یہ فرمایا کہ

انگریزی حکومت کی ترقی سے ہماری ترقی وابستہ ہے۔ جہاں جہاں یہ پھیلے گی ہمارے لیے تبلیغ کا میدان نکلتا آئے گا۔ ان باتوں کے بعد یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قادیانیوں کے متعلق مسلمانوں کی عام بدگمانی بے وجہ ہے۔

تلخی پیدا ہونے کے مزید وجوہ:

(۶) تمام مسلمانوں کی تکفیر اور ان سے معاشرتی مقاطعہ اور ان کے ساتھ معاشی کشمکش کی بنا پر قادیانیوں اور مسلمانوں کے تعلقات میں جو تلخی پیدا ہو چکی تھی، اس کو مرزا غلام احمد صاحب اور ان کے پیروؤں کی بہت سی تحریروں نے تلخ تر بنا دیا تھا جو مسلمانوں کے لیے سخت دل آزار اور اشتعال انگیز تھیں۔ مثال کے طور پر ان کی چند عبارتیں حسب ذیل ہیں جن کو دیکھ کر عدالت خود اندازہ کرسکتی ہے کہ ایک مسلمان کے لیے ان باتوں کو برداشت کرنا کس قدر مشکل ہے۔

ایک غلطی کا ازالہ (اشتہار) میں حضرت مسیح موعود نے فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ

کے الہام میں ''محمد رسول اللہ'' سے مراد میں ہوں اور محمد رسول اللہ خدا نے مجھے کہا ہے۔ (''اخبار الفضل'' قادیان، جلد ۲، ص ۱۰، ۱۵ جولائی ۱۹۱۵ء)

''پس ظلی نبوت نے مسیح موعود کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پہلو میں لا کھڑا کیا۔''

(کلمۃ الفصل، مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی، مندرجہ رسالہ ریویو آف ریلیجنس نمبر ۳، جلد ۱۴، ص ۱۱۳)

''اس کے (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے) لیے چاند گرہن کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لیے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا۔''

(اعجاز احمدی، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی، ص ۷۱)

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں

محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیان میں

(از قاضی محمد ظہور الدین اکمل صاحب قادیانی)

(منقول از اخبار پیغام صلح لاہور، مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۱۶ء)

''مجھ میں اور تمہارے حسین میں بڑا فرق ہے کیونکہ مجھے تو ہر ایک وقت خدائی تائید اور مدد مل رہی ہے۔'' (نزول المسیح مرزا غلام احمد صاحب، ص ۹۶)

''اور میں خدا کا کشتہ ہوں اور تمہارا حسین دشمنوں کا کشتہ ہے۔ پس فرق کھلا کھلا اور ظاہر ہے۔'' (نزول المسیح مرزا غلام احمد، ص ۸۱)

کربلا لیست سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

(مرزا غلام احمد صاحب، منقول از خطبہ جمعہ میاں محمود احمد)

(مندرجہ ''الفضل'' قادیانی جلد ۱۲، نمبر ۸۰، ۲۶ جنوری ۱۹۲۶ء)

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

(دافع البلاء، ص ۲۰)

''یسوع کے ہاتھ میں سوائے مکر وفریب کے اور کچھ نہیں تھا۔ پھر افسوس یہ کہ نالائق عیسائی ایسے شخص کو خدا بنا رہے ہیں، آپ کا خاندان بھی نہایت پاک ومطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔'' (ضمیمہ انجام آتھم، ص ۷، نور القرآن ۲، ص ۱۲)

''جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی مخالفت کرنے والا جہنمی ہے۔''

(الہام مرزا غلام احمد صاحب تبلیغ رسالت، جلد نہم، ص ۲۷)

''کُل مسلمانوں نے مجھے قبول کرلیا ہے اور میری دعوت کی تصدیق کرلی ہے مگر کنجریوں اور بدکاروں کی اولاد نے مجھے نہیں مانا۔'' (آئینہ کمالات، ص ۵۴۷)

''جو شخص میرا مخالف ہے وہ عیسائی، یہودی، مشرک اور جہنمی ہے۔''

(نزول المسیح، ص ۴، تذکرہ، ص ۲۲۷)

(تحفہ گولڑویہ ص ۱۳۱، تبلیغ رسالت، جلد نہم، ص ۲۷)

''بلاشبہ ہمارے دشمن بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بھی بڑھ گئیں۔'' (نجم الہدیٰ، ص ۱۰، درثمین ص ۲۹۴)

''جو شخص ہماری فتح کا قائل نہ ہوگا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے۔'' (انوار اسلام، ص ۳۰)

لازمی نتیجہ:

(۷) یہ اسباب نصف صدی سے اپنا کام کر رہے تھے اور انھوں نے خاص طور پر پنجاب میں قادیانیت کو مسلمانوں کے لیے ایک ایسا مسئلہ بنا دیا تھا جو چاہے کوئی بڑا مسئلہ نہ ہو مگر احساس کے لحاظ سے ایک تلخ مسئلہ ضرور تھا جس کی تلخی کو شہروں اور دیہات کے لاکھوں آدمی یکساں محسوس کر رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تلخی اس سے پہلے کسی بڑے ہنگامہ کی محرک نہ بنی تھی مگر پچھلے تیس چالیس سال کے دوران میں وہ برابر چھوٹے چھوٹے گھریلو خاندانی اور مقامی جھگڑے برپا کرتی رہی تھی جو بارہا عدالتوں تک بھی فوج داری اور دیوانی مقدمات کی صورت میں پہنچے ہیں۔ مسلمانوں کے اونچے طبقے چاہے اس میں شریک نہ رہے ہوں مگر عوام اور نچلے متوسط طبقہ میں ایک مدت سے یہ عام خواہش موجود رہی ہے کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ ایک اقلیت قرار دے دیا جائے تاکہ انہیں مسلمانوں کے معاشرہ میں شامل رہ کر اپنی تبلیغ سے اسی معاشرہ کے اجزا کو آئے دن پارہ پارہ کرتے رہنے کا موقع نہ ملے۔ مسلمانوں کی اسی خواہش کی ترجمانی اب سے تقریباً بیس برس پہلے علامہ اقبال مرحوم نے اپنے رسالہ (islam and Ahmadism) میں فرمائی

تھی اوراس کے حق میں بڑے مضبوط دلائل دیے تھے۔

(۸)انگریزی دور میں مسلمان اس کی بہت کم امید رکھتے تھے کہ وہ قادیانیوں کو اپنے آپ سے الگ کرنے کی کوشش میں کامیاب ہوسکیں گے۔کیونکہ ایک بیرونی قوم سے قدرتی طور پر یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ مسلمانوں کے ایک معاشرتی مسئلہ کو ہمدردی کے ساتھ سمجھنے اورحل کرنے کی زحمت اٹھائے گی اور مسلمانوں کو یہ بھی احساس تھا کہ انگریز قادیانیوں کو قصداً مسلمانوں کے اندرشامل رکھنا چاہتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت مسلم مفاد کے خلاف ان کو آسانی کے ساتھ استعمال کیا جائے۔مگر جب پاکستان ایک خودمختار ریاست کی حیثیت سے وجود میں آ گیاتو مسلمانوں نے بجاطور پر اپنی قومی حکومت سے یہ توقع وابستہ کی کہ وہ دوسرے مسائل کی طرح قادیانیت کے مسئلہ کی طرف بھی توجہ کرے گی جو پچاس برس سے ان کی ملت میں مسلسل تفرقہ برپا کررہی تھی اورجس کی بدولت ایک ہی قوم کے اندر دوایسے عنصر پیدا ہورہے ہیں جو مذہبی' معاشرتی' معاشی اورسیاسی حیثیت سے باہم متصادم اورنبرد آزما ہیں۔پاکستان کی عمر کے ساتھ یہ توقع بڑھتی اورپھر بتدریج مایوسی اور بے چینی اورشکایت کی حد تک پہنچتی چلی گئی۔میں نے ۱۹۵۰ءاور۱۹۵۱ء میں تقریباً پورے پنجاب کا دورہ کیاہے اورشہروں کے علاوہ دیہاتی علاقوں تک بھی گیاہوں۔اس پورے دورے میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں مجھ سے قادیانیت کے بارے میں سوال نہ کیا گیاہو۔میں نے اسی وقت یہ محسوس کرلیا تھا کہ جس مسئلہ کے متعلق عام لوگوں کے دلوں میں یہ احساسات موجود ہوں اس کواگرحل نہ کیا گیاتو وہ کبھی نہ کبھی ملک میں ایک فتنہ اٹھا کررہے گا۔

قادیانیوں کی اشتعال انگیزی:

(۹) قیام پاکستان کے بعدخود قادیانیوں کی طرف سے پے درپے ایسی باتیں ہوتی رہی ہیں جنھوں نے مسلمانوں کی تشویش میں مزید اضافہ کردیااورمسلمان یہ محسوس کرنے لگے کہ قادیانی مسئلہ انگریزی دور سے بھی بڑھ کران کے لیے اب ایک خطرناک مسئلہ

بنتا جارہا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر کے میں صرف پانچ اہم باتوں کی طرف عدالت کو توجہ لاؤں گا۔

اول یہ کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ۲۲ / جولائی ۱۹۴۸ء کو کوئٹہ میں تقریر کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار فرمایا کہ وہ بلوچستان کو ایک قادیانی صوبہ میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں تاکہ پورے پاکستان پر قبضہ کرنے کے لیے وہ ایک (base) کے طور پر کام آئے۔ یہ خطبہ ۱۳ / اگست ۱۹۴۸ء کے الفضل میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ مرزا صاحب نے اس خیال کو صرف ایک وقتی خواہش کے طور پر ہی ظاہر نہیں کیا ہے بلکہ وہ اس کا بار بار اعادہ کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ۵ / جولائی ۱۹۵۰ء کے الفضل میں بھی ان کا ایک خطبہ اسی خیال کا حامل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مستقل منصوبہ ہے جو ان کے ذہن میں پکتا ہے۔

دوم یہ کہ انھوں نے اپنے اس منصوبہ کا بھی بار بار علی الاعلان اظہار کیا ہے کہ باقاعدہ ایک منظم کوشش کے ساتھ مختلف سرکاری محکموں میں قادیانیوں کو داخل کیا جائے اور پھر سرکاری عہدوں پر قبضہ کر کے حکومت کی مشینری کو قادیانی جماعت کے مفاد میں استعمال کیا جائے۔ اس کی مثال میں خلیفہ صاحب کے صرف ایک خطبہ کی حسب ذیل عبارت نقل کر دینا کافی ہے:

''اگر وہ (قادیانی جماعت کی صوبائی شاخیں) اپنے نوجوانوں کو دنیا کمانے پر لگائیں تو اس طرح لگائیں کہ جماعت اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ بھیڑ چال کے طور پر نوجوان ایک ہی محکمہ میں چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ متعدد محکمے ہیں جن کے ذریعے سے جماعت اپنے حقوق حاصل کر سکتی ہے اور اپنے آپ کو شر سے بچا سکتی ہے۔ جب تک ان سارے محکموں میں ہمارے اپنے آدمی موجود نہ ہوں اس سے جماعت پوری طرح کام نہیں لے سکتی۔ مثلاً موٹے موٹے محکموں میں سے فوج ہے، پولیس ہے، ایڈمنسٹریشن ہے، ریلوے ہے، فنانس ہے، اکاؤنٹس ہے، کسٹم ہے، انجینئرنگ ہے۔ یہ آٹھ دس موٹے موٹے شعبے ہیں جن کے

ذریعہ سے ہماری جماعت اپنے حقوق محفوظ کر سکتی ہے۔ ہماری جماعت کے نوجوان فوج میں بے تحاشا جاتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ہماری نسبت فوج میں دوسرے محکموں کی نسبت سے بہت زیادہ ہے اور اس سے ہم اپنے حقوق کی حفاظت کا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ باقی محکمے خالی پڑے ہیں۔ بے شک آپ اپنے لڑکوں کو نوکری کرائیں لیکن وہ نوکری اس طرح کیوں نہ کرائی جائے جس سے جماعت فائدہ اٹھا سکے۔ ہمیں اس بارے میں خاص پلان بنانا چاہیے اور پھر اس کے مطابق کام کرنا چاہیے۔ (الفضل، ۱۱ جنوری ۱۹۵۲ء)

سوم یہ کہ خلیفہ صاحب قیام پاکستان کے بعد سے اپنے پیروؤں کو مسلسل ''دشمن'' کے مقابلہ پر اکساتے اور بھڑکاتے رہے ہیں اور ان کے اندر ایک جنگ جویانہ ذہنیت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کے ایک خطبہ کی ایک یہ عبارت ملاحظہ ہو:

''لوگ گھبراتے ہیں کہ ان کی مخالفت کیوں کی جاتی ہے۔ لوگ جھنجھلا اٹھتے ہیں کہ ان کی عداوت کیوں کی جاتی ہے۔ لوگ چڑتے ہیں کہ انہیں دکھ کیوں دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر گالیاں دینے اور دکھ دینے کی یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارا شکار ہیں، تو پھر ہمیں گھبرانا نہیں چاہیے اور نہ کسی قسم کی فکر کرنا چاہیے بلکہ ہمیں خوش ہونا چاہیے کہ دشمن یہ محسوس کرتا ہے کہ اگر ہم میں کوئی نئی حرکت پیدا ہوئی تو ہم اس کے مذہب کو کھا جائیں گے۔'' (الفضل، ۱۶ جولائی ۱۹۴۹ء)

صریح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ اس عبارت میں ''لوگ'' سے مراد قادیانی ہیں۔ ''دشمن'' سے مراد مسلمان ہیں۔ مرزا صاحب مسلمانوں کو اپنا ''شکار'' قرار دے رہے ہیں اور اس بات پر مسرت کا اظہار فرما رہے ہیں کہ مسلمان ان کی تحریک کو اپنے مذہب کے لیے تباہ کن خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ ایسے ہی جنگ جویانہ خطبے ۵ / جولائی ۱۹۵۰ء اور ۷ / مئی ۱۹۵۱ء کے الفضل میں بھی موجود ہیں۔

چہارم یہ کہ قادیانی جماعت کی طرف سے جارحانہ ارادوں کا اظہار صرف جنگ جویانہ باتوں ہی کی شکل میں نہیں بلکہ عملی تدابیر کی شکل میں بھی ہوتا رہا ہے جن کی خبریں عام طور پر

مسلمانوں میں پھیل کر اضطراب پیدا کرتی ہیں۔ مثلاً فوج میں فرقان بٹیلین کے نام سے خالص قادیانیوں پر مشتمل ایک بٹالین کا قیام۔ قادیانیوں کے پاس اسلحہ سازی کے متعدد کارخانے ہونا اور قادیانیوں کو اسلحہ کے بکثرت لائسنس حاصل ہونا۔ ان چیزوں کو قادیانیوں نے خود ہی عوام کے سامنے بیان کرکر کے اپنا رعب بٹھانے کی کوشش کی ہے۔

پنجم یہ کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور ان کی جماعت کے دوسرے لوگوں نے ۱۹۵۲ء کے آغاز سے مسلمانوں کو کھلم کھلا دھمکیاں دینا شروع کر دیں جن کا لہجہ روز بروز اشتعال انگیز ہوتا چلا گیا۔ مثال کے طور پر ان کی حسب ذیل عبارتیں ملاحظہ ہوں:

''ہم فتح یاب ہوں گے۔ ضرور تم مجرموں کی طرح ہمارے سامنے پیش ہو گے اس وقت تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو فتح مکہ کے دن ابوجہل اور اس کی پارٹی کا ہوا۔''

(الفضل، ۳ جنوری ۱۹۵۲ء)

''۱۹۵۲ء کو گزرنے نہ دیجیے جب تک کہ احمدیت کا رعب دشمن اس رنگ میں محسوس نہ کرے کہ اب احمدیت مٹائی نہیں جاسکتی اور وہ مجبور ہو کر احمدیت کی آغوش میں آ گرے۔'' (الفضل، ۱۶ جنوری ۱۹۵۲ء)

''ہاں اب آخری وقت آن پہنچا ہے ان تمام علمائے حق کے خون کا بدلہ لینے کا جن کو شروع سے لے کر آج تک یہ خونی ملا قتل کراتے آئے ہیں۔ ان سب کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔

۱۔ عطاء اللہ شاہ بخاری سے

۲۔ ملا بدایوانی سے۔

۳۔ ملا احتشام الحق سے۔

۴۔ ملا محمد شفیع سے۔

۵۔ ملا مودودی (پانچویں سوار) سے۔

(الفضل، ۱۵ جولائی ۱۹۵۲ء)

مکروہ تقلید:

(۱۰) یہ ہے حالات کا وہ تاریخی پس منظر، جس میں احرار نے قادیانی مسئلہ پر ایجی ٹیشن کا آغاز کیا۔ میری سابق تصریحات سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ مسئلہ فی الواقع پنجاب میں موجود تھا اور عوام کے اندر اس کے بارے میں اتنی بے چینی بھی موجود تھی کہ اسے ایک فتنہ بننے کے لیے بس کسی نہ کسی کے چھیڑ دینے کی ضرورت تھی ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ احراری ہی کیوں تھے جنھوں نے اسے چھیڑا؟ اس کے بارے میں آج حکومت کی طرف سے جو نظریات پیش کیے جا رہے ہیں ان کو سراسر افترا اور اخلاقی پستی کی انتہا سمجھتا ہوں۔ درحقیقت جو لوگ بھی اس ملک کی تحریکات سے براہ راست واقفیت رکھتے ہیں، وہ اس امر واقعی سے آگاہ ہیں کہ احرار کے لیے اس مسئلہ سے تعرض کرنے کا یہ کوئی پہلا موقع نہیں تھا۔ پچھلے پچیس سال سے وہ قادیانیوں کے خلاف تقریریں کرتے رہے ہیں اور یہ بحث ان کی دلچسپیوں کا خاص موضوع رہی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد جب ۱۹۴۹ء میں احرار نے اپنے پچھلے سیاسی مسلک سے توبہ کی اور اپنی سیاست کو مسلم لیگ کی سیاست میں مدغم کرنے کا اعلان کیا تو اس وقت انھوں نے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ آئندہ وہ جماعتی حیثیت سے اپنی جدوجہد کو صرف ''تحفظ ختم نبوت'' پر مرکوز رکھیں گے۔ اس کے بعد سے ۱۹۵۲ء تک وہ مسلم لیگ کے سیاسی حلیف رہے۔ پنجاب اور بہاول پور کے انتخابات میں انھوں نے مسلم لیگ کا پورا پورا ساتھ دیا۔ پاکستان کے دونوں سابق وزیر اعظم (مسٹر لیاقت علی خان مرحوم اور خواجہ ناظم الدین) مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے ان کی خدمات سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ انتخابی جلسوں میں بارہا احراری لیڈروں نے مرکزی وزرا اور پنجاب و بہاول پور کے وزرا کے ساتھ ایک پلیٹ فارم پر تقریریں کی ہیں اور خود ان تقریروں میں بھی انھوں نے قادیانی مسئلہ پر اظہار خیال کیا ہے۔ اس پوری مدت میں ہم نے کبھی نہیں سنا کہ احراری اپنی سابق کانگریسیت کی وجہ سے پاکستان کی تخریب کے درپے ہیں یا باہر کی طاقتوں سے ان کا کوئی ساز باز ہے۔ مگر جب انھوں نے حکمران پارٹی کی مرضی کے خلاف

یہ تازہ ایجی ٹیشن شروع کیا تو یکا یک وہی پارٹی جس کے یہ احرار کل تک سیاسی حلیف تھے اپنے سرکاری بیانات میں ہمیں یہ خبر دینے لگے کہ یہ لوگ تو کبھی پاکستان کے قیام سے راضی ہی نہیں ہوئے اور انھوں نے محض دشمنوں کے اشارے پر پاکستان کی تخریب کے لیے یہ قادیانی مسئلہ چھیڑا ہے۔ میں اپنی پبلک لائف کے آغاز سے احرار کا سیاسی مخالف رہا ہوں اور میرا ان کے ساتھ کبھی کوئی حلیفانہ تعلق نہیں رہا ہے۔ مگر انصاف اور دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ میں غداری اور بیرونی طاقتوں کے ساتھ ساز باز کے ہر اس الزام کو جو میرے ملک کے کسی شہری پر لگایا جائے اس وقت تک جھوٹا سمجھوں گا جب تک کہ اس کا ثبوت کسی کھلی عدالت میں دے کر مجرم کو اس کے جرم کی سزا نہ دلوادی جائے۔ ثبوت اور شہادت کے بغیر کسی شخص یا جماعت کے خلاف اس طرح کے گھناؤنے الزامات لگانا میرے نزدیک سخت ناجائز ہے اور میں اس کو روسیوں کی بہت ہی مکروہ تقلید سمجھتا ہوں۔ اس لیے جب تک کوئی دوسری بات ثابت نہ ہو میری ایمان دارانہ رائے یہ ہے کہ احرار نے قادیانیوں کے خلاف جو ایجی ٹیشن شروع کیا وہ ان کے پچھلے پچیس سالہ جماعتی مسلک کا ایک قدرتی تقاضا تھا۔ مسلم پبلک میں قادیانیوں کے متعلق جو جذبات اور مطالبات موجود تھے، ان کو ایک تحریک کے راستہ پر ڈالنے کے لیے اس ملک میں اگر کوئی جماعت تھی تو وہ احراری جماعت ہی ہو سکتی تھی۔

جماعتیں مسئلے پیدا نہیں کر سکتیں:

(۱۱) میری اوپر کی تصریحات سے حکومت اور اس کے حامیوں کے اس قیاس کی غلطی بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ مسئلہ مصنوعی طور پر احرار کے اکسانے سے اچانک اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ یہ قیاس نہ صرف واقعہ کے خلاف ہے بلکہ عقل کے بھی خلاف ہے۔ واقعات سے قطع نظر محض عقلی حیثیت سے بھی اگر دیکھا جائے تو یہ بالکل ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جماعت خواہ وہ کیسی ہی مقبول اور طاقتور کیوں نہ ہو کسی ملک کی عام آبادی کو کسی ایسے مسئلے پر بھڑکا سکے جس کے لیے خود اس آبادی میں حقیقی احساسات موجود نہ ہوں۔ جماعتیں مسئلے پیدا نہیں

کر سکتیں، وہ صرف موجود مسائل میں سے کسی مسئلہ کو لے کر اس کے متعلق عوام کے دبے ہوئے احساسات کو عمل کا راستہ بتا سکتی ہیں۔ رہا اس معاملہ کا واقعاتی پہلو تو درحقیقت وہ سرکاری نظریہ کے بالکل برعکس صورت واقعہ پیش کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ احرار اپنی سابق کانگریسیت کی وجہ سے مسلمانوں میں سخت غیر مقبول ہو چکے تھے اور ان کی یہ حیثیت ہرگز نہیں رہی تھی کہ اپنے بل بوتے پر اس ملک میں کوئی عام تحریک برپا کر سکتے......مگر قادیانیوں کے مسئلہ میں مسلمانوں کے عام احساسات اتنے تلخ تھے کہ احرار جیسی غیر مقبول جماعت بھی جب ان کی مانگ پوری کرنے کے لیے آگے بڑھی تو شہروں اور دیہاتوں کے لاکھوں عوام ان کے پیچھے لگ گئے۔

شاخسانہ:

(۱۲) حالات یہاں تک پہنچ چکے تھے کہ ۱۸/مئی ۱۹۵۲ء کو قادیانی جماعت نے جہانگیر پارک کراچی میں ایک جلسہ عام منعقد کیا اور اس میں سر محمد ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان نے اعلانیہ شریک ہو کر تقریر کی۔ قیام پاکستان سے پہلے اور بعد یہ پہلا موقع تھا جب قادیانیوں نے علی الاعلان پبلک جلسہ کر کے اور عام لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت دے کر ان کے سامنے اپنے مسلک کو پیش کرنے کی جرأت کی تھی ورنہ اس سے پہلے وہ یا تو اپنی جماعت ہی کے جلسے کیا کرتے تھے یا پھر مناظرے کی مجلسوں میں ان کو عوام کے سامنے اپنی بات کہنے کا موقع ملتا تھا۔ اس جرأت کے اظہار سے مسلمانوں نے یہ محسوس کیا کہ اب سر ظفر اللہ خان اپنی وزارت کا رعب ڈال کر ہم کو قادیانیت کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔ اس پر کراچی میں ایک بڑا ہنگامہ برپا ہو گیا جسے رفع کرنے کے لیے پولیس نے لاٹھی چارج کیا اور شہر میں دفعہ ۱۴۴ لگا دی گئی۔

یہ تھا وہ شاخسانہ جس نے تمام ملک میں اور خصوصاً پنجاب میں آگ لگا دی اور اسی سے قادیانی مسئلہ کے متعلق پبلک ایجی ٹیشن کا آغاز ہوا۔ اس ایجی ٹیشن کی ابتدا کرنے والے بلاشبہ احرار تھے مگر بہت جلد ہی یہ احرار کا نہیں بلکہ عام مسلمانوں کا ایجی ٹیشن بن گیا۔ اس

موقع پر احرار نے جو مطالبات پیش کیے اور جن کی تائید میں ملک کے گوشے گوشے سے خصوصاً پنجاب کے قریہ قریہ سے آواز اٹھنی شروع ہوگئی وہ یہ تھے:

ا۔قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے ہٹایا جائے۔

۳۔ربوہ (چناب نگر) میں جو سرکاری زمین قادیانیوں کو کوڑیوں کے مول دی گئی ہے وہ واپس لی جائے اور اسے ایک خالص قادیانی بستی بننے سے روکا جائے۔

۴۔قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔

جماعت اسلامی کی مساعی:

(۱۳) مئی ۱۹۵۲ء میں احرار نے پہلی مرتبہ قادیانیوں کے خلاف عام ایجی ٹیشن شروع کیا۔حکومت نے اس وقت جگہ جگہ دفعہ ۱۴۴ لگا کر لاٹھی چارج کر کے ائمہ مساجد پر دباؤ ڈال کر اسے دبانے کی کوشش کی۔حتیٰ کہ ملتان میں فائرنگ کی نوبت بھی آئی۔اس وقت سے لے کر مارچ ۱۹۵۳ء تک کے آغاز تک میں نے اور جماعت اسلامی نے حکومت کو بار بار یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ قادیانی مصنوعی مسئلہ نہیں ہے بلکہ حقیقی مسئلہ ہے جس کے نہایت گہرے مذہبی' معاشی' سیاسی اور معاشرتی اسباب ہیں اور یہ اسباب پچاس سال سے کام کر رہے ہیں۔پنجاب کے لاکھوں مسلمانوں کی زندگی ان سے متاثر ہے لہٰذا اس کو اوپر سے دبانے کے بجائے اسے سمجھیے اور ٹھنڈے دل و دماغ سے حل کرنے کی کوشش کیجیے۔اس کے ثبوت میں میرے وہ مضامین' بیانات، پمفلٹ اور جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے ریزولیوشنز موجود ہیں جو ماہ جون سے مارچ تک پے درپے شائع ہوتے رہے۔ میں نے پاکستان کی مجلس دستور ساز کو اگست ۱۹۵۲ء میں یہ مشورہ بھی دیا کہ جو دستور اس وقت زیر ترتیب ہے اس میں جس طرح دوسری اقلیتوں کے لیے جداگانہ انتخابات اور نشستوں کا تعین تجویز کیا جا رہا ہے اسی طرح قادیانیوں کے لیے بھی کر دیا جائے تا کہ مسلمانوں کی بے چینی رفع ہو جائے اور یہ مسئلہ خواہ مخواہ کسی ہنگامے کا موجب نہ بن

سکے۔یہی رائے جنوری ۱۹۵۳ء میں پاکستان کے ۳۳ سر برآوردہ علما کی اس مجلس نے بھی دی جو کراچی میں منعقد ہوئی تھی۔لیکن حکومت نے نہ صرف یہ کہ ان مشوروں کی طرف کوئی توجہ نہ کی...... بلکہ اس نے خود اپنی طرف سے بھی اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے کچھ نہ کیا۔اس کا رویہ اول روز سے یہی رہا کہ یہ مسئلہ صرف حقارت کے ساتھ رد کر دینے ہی کے قابل ہے' اس قابل نہیں ہے کہ اسے سمجھا اور حل کیا جائے۔

بے تدبیری کا قدرتی ردعمل:

(۱۴) مئی ۱۹۵۲ء کے بعد سے مسلسل کئی مہینے تک پنجاب اور بہاول پور کے (جہاں کا درحقیقت یہ معاشرتی اور معاشی مسئلہ تھا) ہر حصے میں اس مسئلے کے متعلق بلا مبالغہ ہزاروں جلسے ہوئے۔مسلم پبلک کے مطالبات قراردادوں کی شکل میں پاس ہوئے۔حکومت کے پاس وفود بھی گئے جنھوں نے براہ راست یہ مطالبات وزیراعظم کے سامنے پیش کیے۔مگر ان ساری کوششوں کا جو نتیجہ نکلا وہ یہ تھا کہ ۲۲/دسمبر ۱۹۵۲ء کو جو (basic principles committees repot) شائع ہوئی اس میں سرے سے قادیانی مسئلہ کا کوئی حل پیش نہیں کیا گیا تھا۔اس چیز نے مسلم عوام کے اندر آئینی طریق کار سے عام مایوسی پیدا کر دی اور درحقیقت اسی چیز نے اس غیر آئینی طریق کار کے لیے زمین ہموار کی جو بعد میں احرار نے ڈائریکٹ ایکشن کی شکل میں تجویز کیا۔میں اپنے ذاتی مشاہدے اور تجربے کی بنا پر یہ جانتا ہوں کہ مسلمان فطرتاً شورش پسند نہیں ہیں اور پاکستان کے مسلم عوام تو خصوصیت کے ساتھ یہ احساس رکھتے ہیں کہ خطرات کے درمیان گھرے ہوئے اس ملک میں امن و انتظام کو درہم برہم کرنے والی کوئی تحریک مناسب نہیں ہے۔اس لیے میں یہ پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر ایک پبلک مطالبہ کو جس کے بارے میں لوگوں کے اندر تلخ احساسات موجود تھے یوں حقارت کے ساتھ مسلسل نہ ٹھکرایا جاتا اور لوگوں کو آئینی طریقہ کار سے مایوس نہ کر دیا جاتا تو کوئی جماعت بھی یہاں کے عوام کو ڈائریکٹ ایکشن اور قانون شکنی پر آمادہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔

عام ناراضگی کے اسباب:

(۱۵)اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ جن باتوں نے لوگوں کے درمیان عام ناراضگی پیدا کی وہ یہ تھیں:

اول یہ کہ حکومت نے اس پوری مدت میں کبھی زبان کھول کرلوگوں کو یہ نہیں بتایا کہ اگروہ ان مطالبات کوقبول نہیں کرتی ہےتو آخراس کے وجوہ کیا ہیں؟ایک طرف سے مسلسل ایک مطالبہ ہواورعوام جذباتی حیثیت سے اس پر مشتعل ہی نہ ہوں بلکہ دلائل کی بنا پر مطمئن بھی ہوں کہ ان کا مطالبہ معقول ہے۔دوسری طرف حکومت کوئی وجہ بتائے بغیراس کوبس یوں ہی ٹھکرادے اورعوام کودلائل سے یہ سمجھانے کی کوشش نہ کرے کہ ان کے مطالبات کیوں قابل قبول نہیں ہیں۔اس کالازمی نتیجہ یہی ہوسکتا ہے کہ عوام اس روش کوحکومت کی ہٹ دھرمی اورہیکڑی سمجھیں اوران کے اندراس کے خلاف غصہ پیدا ہوجائے۔یہ ڈھنگ ڈکٹیٹرشپ میں توچل سکتے ہیں مگرایک جمہوری نظام میں خوداپنے بنائے ہوئے حکمرانوں کی طرف سے یہ سلوک برداشت کرناعوام کے لیے ممکن نہیں۔

دوم یہ کہ حکومت نے ڈائریکٹ ایکشن کاعلان ہوجانے کے بعدجب زبان کھولی تو ایسے غلط طریقے سے کھولی جولوگوں کومطمئن کرنے کے بجائے الٹااوراشتعال دلانے والا تھا۔ڈائریکٹ ایکشن کی تحریک کےلیڈروں کوگرفتارکرتے ہوئے جوسرکاری کمیونکے شائع کیا گیااوراس کے بعد مارشل لاء کے اجراء کے وقت جودوسرا کمیونکے کراچی سے شائع ہوا، ان دونوں میں مخالف احمدیت تحریک کومسلمانوں کی وحدت ملّی میں تفرقہ ڈالنے والی تحریک قرار دیا گیا تھا۔ یہ بات مسلمانوں کے لیے اشتعال انگیزبھی تھی اور بجائے خودنامعقول بھی۔اشتعال انگیزاس لیے کہ اس میں گویاسرکاری طور پر احمدیوں کے ملت اسلامیہ میں شامل ہونے کااعلان کردیا گیا تھاحالانکہ مسلمانوں نے کبھی ان کواپنی ملت کاجزونہیں مانتاہے اورتمام اسلامی فرقوں کے علماء بالاتفاق ان کوخارج از ملت قرار دے چکے ہیں۔ نامعقول اس لیے کہ حکومت جس چیز کا الزام مخالف احمدیت تحریک کو دے رہی تھی

درحقیقت وہ حکومت پر عائد ہوتا تھا اور اس کو یہ احساس تک نہ تھا کہ اس معاملہ میں وہ فی الواقع کیا پوزیشن لے رہی ہے۔ مخالف احمدیت تحریک تو اٹھی ہی اس بنیاد پر تھی کہ ملت اسلامیہ کی وحدت کو ان لوگوں کے ہاتھوں پارہ پارہ ہونے سے بچایا جائے، جو مرزا غلام احمد صاحب کی نبوت کو نہ ماننے پر تمام کلمہ گو مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور ان کی نماز جنازہ پڑھنے تک کو ناجائز کہتے ہیں اور انہیں بیٹی دینا ویسا ہی حرام سمجھتے ہیں جیسا یہودی یا عیسائی کو بیٹی دینا حرام ہے۔ اس کے برعکس حکومت کی اپنی پوزیشن یہ تھی کہ وہ ملت اسلامیہ کے اندر ایسے تفرقہ انگیز گروہ کو زبردستی شامل رکھنے پر مصر تھی تاکہ وہ مسلم معاشرہ میں مسلسل داخلی انتشار برپا کرتا رہے اور ہر روز ایک نئے خاندان اور ایک نئے گھر میں عقائد اور معاشرت کی پھوٹ ڈال دے مگر جس گناہ کی مجرم حکومت خود تھی اس کا الزام اس نے الٹا ان لوگوں پر ڈالا جو دراصل اس گناہ سے باز آ جانے کا اس سے مطالبہ کر رہے تھے۔ اس صریح غیر معمولی بات کو شائع کرتے وقت حکومت نے ذرا نہ سوچا کہ آخر سارا ملک بیوقوفوں سے تو آباد نہیں ہے۔ عام لوگ اس طرح کی باتیں سرکاری اعلانات میں پڑھ کر اپنے حکمرانوں کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔

سوم یہ کہ حکومت نے اپنے مذکورہ بالا اعلانات میں اس تحریک کو بالکل احراریوں کی ایک تحریک قرار دیا اور اس کا ذکر اس انداز سے کیا گویا کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ کرنے کا مطالبہ مسلمانوں کا کوئی عام قومی مطالبہ نہیں ہے بلکہ محض چند مٹھی بھر احراریوں کا مطالبہ ہے۔ یہ بات بھی ایسی تھی جس نے عوام میں سخت ناراضی پیدا کی۔ اس میں شک نہیں کہ اس تحریک کا آغاز کرنے والے احراری تھے مگر واقعہ یہ ہے کہ درحقیقت یہ مسلمانوں کی عام قومی تحریک بن گئی تھی اور وہ لاکھوں آدمی اس کے ہمدرد اور حامی تھے جو اس سے پہلے احرار کے مخالف اور تحریک پاکستان کے ہمدرد و حامی رہ چکے تھے۔ پبلک نے حکومت کی اس غلط بیانی کو اس رنگ میں لیا کہ جس طرح کبھی انگریزی حکومت ہندوستانیوں کے مطالبہ آزادی کو محض چند کانگریسیوں کا مطالبہ قرار دے کر عوام کو کچلنے کی کوشش کرتی تھی

اور جس طرح کبھی ہندولیڈر مطالبہ پاکستان کو چند لیگیوں کا مطالبہ قرار دے کر مسلمانوں کے ایک قومی مطالبہ کو نظرانداز کیا کرتے تھے۔ وہی چال بازی اب ان کی اپنی قومی حکومت ان کے ساتھ رہی ہے اور اس طریقے سے ان کے ایک قومی مطالبہ کو محض چند احراریوں کا مطالبہ کہہ کر دبا دینا چاہتی ہے۔

چہارم یہ کہ حکومت نے اپنے اعلانات میں اس تحریک کو کچل دینے کا ارادہ جس لہجے اور جن الفاظ میں بیان کیا اس سے صرف یہی ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ ڈائریکٹ ایکشن کو طاقت سے کچلنے کا ارادہ رکھتی ہے بلکہ یہ بھی مترشح ہوتا تھا کہ اس کو سرے سے قادیانیوں کی مسلمانوں سے علیحدگی کا مطالبہ ہی گوارا نہیں ہے اور یہ کہ ڈائریکٹ ایکشن کے ساتھ اس مطالبہ کو بھی کچل دینا چاہتی ہے۔ عوام نے اس کا مطلب یہ لیا کہ حکومت اب سرے سے مطالبہ کرنے کا حق ہی عوام سے چھین لینا چاہتی ہے نیز اس سے مسلمانوں میں یہ بھی عام خیال پیدا ہو گیا کہ حکومت ان کے مقابلے میں قادیانیوں کی حمایت پر اُتر آئی ہے۔

یہ اسباب تھے جنھوں نے فوری طور پر ڈائریکٹ ایکشن کی آگ پر تیل چھڑکنے کی خدمت انجام دی۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر حکومت نے عوام کو اپنا نقطۂ نظر سمجھانے کی کچھ بھی کوشش کی ہوتی اور سرکاری اعلانات کسی دوسرے معقول اور ٹھنڈے انداز میں مرتب کیے گئے ہوتے تو عوام کے اندر اتنا اشتعال ہرگز پیدا نہ ہوتا۔ یہی نہیں بلکہ میری تو یہ رائے ہے کہ اگر حکومت نے ڈائریکٹ ایکشن شروع کرنے والے لیڈروں کو گرفتار کرنے کے بجائے یا ان کے ساتھ قادیانی مسئلہ کا فیصلہ کرنے کے لیے تمام گروہوں کی ایک راؤنڈ ٹیبل کانفرنس بلانے کا اعلان کر دیا ہوتا تو سرے سے یہ ہنگامہ برپا ہی نہ ہوتا۔

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند:

(۱۶) ۲۷ فروری سے جب کہ ڈائریکٹ ایکشن کا آغاز ہوا۔ ۴ مارچ تک کے عوام کے مظاہروں نے اشتعال کے باوجود کہیں بھی بدامنی، لوٹ مار، قتل، آتش زنی یا تخریب کا رنگ اختیار نہیں کیا تھا۔ میں اس زمانے میں نہ صرف لاہور کے حالات سے باخبر رہا ہوں

بلکہ پنجاب کے ہر حصے سے میری جماعت کے کارکن مجھے ٹیلی فون کے ذریعے سے حالات بتاتے رہے ہیں۔ میں وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس مدت میں عوام نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو وہ اس سے پہلے آج کے حکمرانوں کی قیادت میں سرخضر حیات خاں کی وزارت توڑنے کے لیے کر چکے تھے۔ ان کے نعروں کی زبان، ان کے جلوسوں کا انداز، ان کے سوانگ، بعض شخصیتوں پر ان کے حملے حتیٰ کہ ان کا ڈائریکٹ ایکشن اور ان کا دفعہ ۱۴۴ توڑنا بجائے خود کتنا ہی قابل اعتراض سہی لیکن آخر ان میں سے وہ کون سی چیز تھی جو پہلی مرتبہ ہی ان سے ظہور میں آئی ہو؟ یہ سب کچھ وہ اس سے پہلے خود ان لوگوں کی رہنمائی میں کر چکے تھے جو اس تازہ ڈائریکٹ ایکشن کے موقعہ پر صوبہ اور مرکز کی وزارتی کرسیوں پر تشریف فرما تھے کوئی وجہ نہ تھی کہ اب یہ حضرات اپنے ہی کیے اور سکھائے ہوئے کاموں کو ایسا سخت گناہ سمجھ لیتے کہ ان کے خلاف وہ کچھ کرنے پر اُتر آتے جو سرخضر حیات خاں نے نہ کیا تھا۔

ذمہ داری تمام تر بارڈر پولیس کے ظلم وستم پر ہے:

(۱۷) ۲ مارچ تک لاہور میں پولیس کا رویہ بہت نرم تھا مگر اس کے بعد یکایک نہایت بے دردی سے پرامن جتھوں پر لاٹھی چارج شروع کر دیے گئے۔ ان لاٹھی چارجوں میں جگہ جگہ نہایت دردناک مناظر دیکھے گئے جن کی وجہ سے شہر کی عام آبادی بھڑک اٹھی اور لاٹھی کا جواب پتھر سے دینے پر اتر آئی۔ اس پر پولیس نے اور خصوصاً بارڈر پولیس نے فائرنگ شروع کیا۔ یہ فائرنگ بالکل اندھا دھند تھا۔ راہ چلتے آدمیوں کو بے قصور مارا گیا۔ دفتروں سے چھٹی پا کر نکلنے والے سرکاری ملازموں اور تعلیم گاہوں سے نکلتے ہوئے طلبہ تک پر باڑھیں ماری گئیں۔ انسانوں کو اس طرح شکار کیا گیا جیسے کہ جانور یا پرندے ہیں۔ اس پر سارے شہر میں کہرام مچ گیا۔ بڑے بڑے سرکاری دفتروں کے ملازمین حتیٰ کہ پنجاب سول سیکرٹریٹ تک کے ملازمین نے احتجاج کے طور پر ہڑتال کر دی حالانکہ سرکاری ملازمین کا ان سے زیادہ ذمہ دار کوئی طبقہ نہ ہوسکتا تھا۔ ڈاک، تار، ٹیلیفون، ریلوے غرض

اکثر و بیشتر محکموں کے آدمیوں نے اس وقت تک کام کرنے سے انکار کر دیا، جب تک فائرنگ کا سلسلہ بند نہ کیا جائے۔ شہر کے باشندوں میں ایک تھوڑے سے اونچے طبقے کو چھوڑ کر کوئی عنصر ایسا باقی نہ رہا جو اس ظلم کے خلاف غصہ اور نفرت سے نہ بھر گیا ہو۔ یہ حالات تھے جب میرے علم کی حد تک ۴ مارچ کی شام سے بعض لوگوں نے قتل، لوٹ مار، آتش زنی اور تخریب کا ارتکاب شروع کیا۔ واقعات کی اس ترتیب کو دیکھتے ہوئے میں پورے انصاف کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ عوام کی طرف بدامنی کے یہ جس قدر بھی افعال ہوئے ان کی کوئی ذمہ داری ڈائریکٹ ایکشن کی تحریک کے کارکنوں اور رہنماؤں پر نہیں ہے اس کی ذمہ داری تمام تر بارڈر پولیس کے ظلم وستم پر ہے۔ ڈائریکٹ ایکشن کے لیڈروں نے ان حرکات پر لوگوں کو ہرگز نہیں اکسایا۔ بارڈر پولیس کے ظلم نے لوگوں کو دیوانہ کر کے ان سے یہ حرکات کرائیں۔

اصلاح حال کی کوشش:

(۱۸) ۴ اور ۵ مارچ کی درمیانی شب کو میں نے مولانا مفتی محمد حسن اور مولانا داؤد غزنوی کی موافقت سے خواجہ ناظم الدین کو تار دیا کہ پنجاب کے حالات تیزی سے بگڑتے جا رہے ہیں اگر اب بھی کسی گفت وشنید کی گنجائش ہو تو ہمیں گفتگو کا موقع دیجیے۔ خواجہ صاحب کو معلوم تھا کہ مجھے وزرائے کرام کی کوٹھیوں پر حاضری دینے کا کبھی شوق نہیں رہا ہے اور میں آخری شخص ہو سکتا ہوں جو کسی وزیر سے خود ملنے کی درخواست کرے۔ انہیں سمجھنا چاہیے تھا کہ حالات کیسے خراب ہوں گے جب کہ میں نے ان سے یہ درخواست کی ہے۔ مگر انھوں نے میرے تار کا جواب تک دینے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ۵ مارچ کی صبح کو میں نے پھر ان کو تار دیا کہ حالات ساعت بساعت بگڑ رہے ہیں۔ میرے تار کا فوراً جواب دیجیے۔ لیکن اس پر بھی کوئی توجہ نہ کی گئی۔ اس سے اس سنگ دلی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جس کے ساتھ پنجاب کے حالات سے عہدہ برآ ہوا جا رہا تھا۔

مسلم عوام سر پھرے نہیں ہیں:

(۱۹) ۵ مارچ کی سہ پہر گورنر پنجاب مسٹر چندریگر نے گورنمنٹ ہاؤس میں ایک

کانفرنس بلائی جس میں مجھے بھی مدعو کیا گیا تھا۔ اس کانفرنس میں تقریباً پچاس اصحاب و خواتین کا اجتماع تھا۔ گورنر صاحب نے اپنی تقریر میں حاضرین سے اپیل کی کہ وہ امن قائم کرنے میں حکومت کی مدد کریں۔ میں نے اس کے جواب میں جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ ہے:

''بدامنی کی یہ حالت حکومت کی اس غلطی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ اس نے عوام کے مطالبات کو بغیر کوئی وجہ بتائے ٹھکرا دیا ہے۔ ایک جمہوری نظام میں عوام اس طریقے کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر حکومت ان مطالبات کو نہ ماننے کے کچھ معقول وجوہ پیش کرتی تو اس ملک کے عوام کچھ ایسے سر پھرے نہ تھے کہ وہ خواہ مخواہ دنگے فساد پر اُتر آتے۔ لیکن اس نے سمجھنے اور سمجھانے کی کوئی کوشش نہ کی اور بس یونہی عوام کے منہ پر ان کے مطالبات مار دیئے۔ اس کے بعد لوگوں میں غصہ پیدا ہونا ایک قدرتی بات ہے اور اب اس غصے کو فرو کرنے کے لیے آپ کی بارڈر پولیس لوگوں پر اندھا دھند گولیاں برسا رہی ہے۔ ان حالات میں آخر امن کی اپیل کیسے کارگر ہو سکتی ہے؟ امن تو اب دو ہی طریقوں سے قائم ہو سکتا ہے۔ یا تو طاقت سے اپنی قوم کو زبردستی دبا دیجیے جس کے لیے آپ کو ہماری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے پاس کافی فوج اور پولیس موجود ہے یا اپنی قوم کو راضی کر کے امن قائم کیجیے۔ جس کی واحد صورت یہ ہے کہ آپ آج رات کو ریڈیو پر اعلان کیجیے کہ وزیر اعظم صاحب عوام کے مطالبات پر گفتگو کرنے کے لیے تیار ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ۲۴ گھنٹے کے اندر امن قائم ہو جائے گا۔''

میری اس تجویز کو گورنر صاحب نے پسند فرمایا۔ اسی وقت ایک اعلان کا مسودہ تیار کیا گیا اور یہ طے ہوا کہ رات کو وہ ریڈیو پر نشر کیا جائے گا۔ اب یہ مسٹر چندریگر ہی بتا سکتے ہیں کہ یہ تجویز کس بنا پر رہ گئی اور آخر کیوں عوام کو راضی کرنے کی بجائے طاقت ہی سے دبا کر امن قائم کرنے کو ترجیح دی گئی۔

مارشل لاء:

(۲۰) یہ تھے وہ حالات جن میں ۶ مارچ کی دوپہر کو عین نماز جمعہ کے وقت مارشل لاء

کا اعلان کیا گیا۔ میرے نزدیک یہ اعلان قطعاً غیر ضروری اور بالکل بے جا تھا۔ اول تو جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں حالات کو خود حکومت کی ہٹ دھرمی، ضد اور سخت غیر دانش مندانہ پالیسی نے اس درجہ بگاڑا تھا۔ پھر اگر حالات بگڑے بھی تھے تو ان کو بغیر کسی کشت وخون کے روبراہ لایا جاسکتا تھا بشرطیکہ حکومت آخر وقت پر ہی مسلمانوں کے ایک تلخ معاشرتی مسئلہ کو ہمدردی کے ساتھ سمجھنے اور حل کرنے پر آمادہ ہو جاتی۔ تاہم اگر طاقت کا استعمال کرنا ضروری سمجھا گیا تھا تو مارشل لا جاری کرنے کی بجائے صرف ۱۲۹ / الف ضابطہ فوج داری کے تحت فوجی امداد لے کر امن قائم کیا جاسکتا تھا۔ ہندوستان میں ۱۹۱۷ء سے لے کر ۱۹۴۶ء تک بے شمار ہندو مسلم فسادات ہوئے جن میں سے بعض لاہور کے ہنگاموں سے بہت زیادہ قتل وغارت، آتش زنی اور لوٹ مار کے واقعات پیش آئے مگر کبھی ان فسادات کو روکنے کے لیے مارشل لا جاری نہیں کیا گیا۔ ۱۹۲۱ء سے لے کر گاندھی جی کی آخری ایجی ٹیشن تک (quit india) اس برعظیم میں کئی مرتبہ سول نافرمانی اور ستیہ گرہ کی تحریکیں اٹھیں جو کئی بار تشدد تک بھی پہنچ گئیں اور آخرالذکر تحریک میں تو بہت بڑے پیمانے پر تخریبی کارروائیاں کی گئیں، مگر اس پوری مدت میں کبھی انگریزی حکومت نے مارشل لاء جاری نہیں کیا۔ لاہور کا ہنگامہ ان تحریکوں کے مقابلے میں بہت کم درجہ کا تھا۔ اس ذرا سے ہنگامے کو فرو کرنے کے لیے مارشل لا جاری کر کے اور پھر اس کو سوا دو مہینے سے زیادہ مدت تک طول دے کر حکومت نے بڑی کم حوصلگی کا اور پست ہمتی کا ثبوت دیا ہے۔ کوئی ایسی حکومت جس کو اپنی طاقت پر اعتماد ہو، ایسے چھوٹے چھوٹے غیر معمولی حالات میں اتنی مضطرب نہیں ہوسکتی کہ اتنا بڑا اقدم اٹھانے پر اُتر آئے۔ میں اس فعل کو حکومت پاکستان کی محض پست ہمتی اور کم حوصلگی ہی نہیں سمجھتا بلکہ انتہائی سنگدلی بھی سمجھتا ہوں۔ ابھی حال میں محض ٹراموے کے کرائے بڑھانے پر کلکتہ میں جو ہنگامے ہوئے، وہ لاہور کے ہنگاموں سے بدرجہا زیادہ سخت تھے۔ ان میں اسلحہ اور بم تک پولیس کے مقابلہ میں استعمال کیے گئے اور بڑے پیمانے پر تخریبی کارروائیاں کی گئیں مگر اس ہنگامے کو دبانے کے لیے ہندوستان کی حکومت

نے مارشل لا نہیں لگایا۔ اس سے تھوڑی مدت پہلے پرجا پریشد اور جن سنگھ کی تحریکوں نے بھی وسیع پیمانے پر بدامنی کی حالت پیدا کر رکھی تھی مگر وہاں بھی اس کا مقابلہ مارشل لا کے ذریعہ سے نہیں کیا گیا۔ حکومت پاکستان نے جس بے دردی کا سلوک اپنی قوم کے ساتھ کیا ہے وہ فی الواقع اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

(۲)

اضطراب کو روکنے اور بعد میں ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے سول حکام کی تدابیر کا کافی یا ناکافی ہونا:

دوسرے امر تحقیق طلب کے بارے میں مجھے صرف دو باتیں یہاں بیان کرنی ہیں:

اول یہ کہ فروری کے اختتام تک پنجاب گورنمنٹ کی پالیسی ان اضطرابات کو روکنے کی طرف نہیں بلکہ ان کی سرپرستی اور ہمت افزائی کرنے کی طرف مائل تھی۔ اس پالیسی کے محرکات کیا تھے اور عملاً اندر کیا کچھ ہوتا رہا، اس کے متعلق تو میں کوئی بات بھی وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس کا میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ بعض خاص خاص محکموں کے سرکاری کاغذات کی جانچ سے عدالت کو اصل حقائق معلوم ہو جائیں مگر بظاہر جو کچھ دیکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان اضطرابات کا پورا مواد اعلانیہ حکومت پنجاب کی ناک کے نیچے پکتا رہا اور اس حکومت نے جس کی عمل داری میں ذرا ذرا سی باتوں پر چوالیس ایکٹ، سیفٹی ایکٹ اور دفعہ ۱۴۴ حرکت میں آجایا کرتے ہیں، اس کام میں ذرا مداخلت نہ کی۔ پھر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس کام کو فروغ دینے میں زیادہ تر وہی لوگ پیش پیش تھے جن کے حکومت پنجاب سے مخصوص تعلقات عوام کو معلوم ہیں اور جو پنجاب کے پچھلے انتخابات میں مسلم لیگ پارٹی کے سرگرم حامی رہ چکے ہیں۔ مجھے پنجاب کے بعض علاقوں سے یہاں تک بھی اطلاعات ملی ہیں کہ فروری کے آخر تک اضلاع کے حکام خود اس تحریک میں حصہ لینے کے لیے لوگوں کو ابھارتے رہے ہیں۔

دوم یہ کہ جب ڈائریکٹ ایکشن عملاً شروع ہوگیا تو دو تین دن کے اندر ہی یکا یک حکومت پنجاب کی پالیسی بدل گئی اور اس نے یک لخت ایسی سختی شروع کر دی جو کافی سے بہت زیادہ تھی۔ اس نے صرف قانون شکنی کرنے والوں ہی پر نہیں بلکہ بالکل بے تعلق عوام پر بھی وحشیانہ ظلم ڈھائے، جن کی وجہ سے مختلف مقامات پر عام آدمی سخت مشتعل ہو گئے۔ پھر اپنی بھڑکائی ہوئی اس آگ کو دیکھ کر بہت جلد سول حکام کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور انھوں نے معاملات فوج کے حوالے کرنے میں بڑی بے صبری سے کام لیا۔

(۳)

اضطرابات کی ذمہ داری:

جو حالات میں نے اوپر بیان کیے ہیں ان کی بنا پر میرے نزدیک ان اضطرابات اور ہنگاموں کی ذمہ داری چار فریقوں پر بالکل برابر تقسیم ہوتی ہے۔

(۱) قادیانی جماعت: جس نے مسلمانوں میں شامل رہ کر اپنی تکفیر، تبلیغ، جداگانہ تنظیم، معاشرتی مقاطعہ اور معاشی کشمکش سے مسلمانوں کے اندر پچاس برس سے مسلسل ایک تفرقہ برپا کر رکھا تھا اور جس نے قیام پاکستان کے بعد اپنے خطرناک منصوبوں کے اظہار اور اپنی جنگ جویانہ باتوں سے عوام کو اپنے خلاف پہلے سے زیادہ مشتعل کرلیا حالانکہ اگر وہ ''بہائیوں'' کی پالیسی اختیار کر کے اپنا مذہب الگ بنا لیتے اور مسلمانوں کے معاشرے میں شامل ہو کر تفرقہ انگیزیاں نہ کرتے تو مسلمان اسی طرح ان کے ساتھ رواداری برتتے جس طرح وہ ہندوؤں، عیسائیوں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں سے برتتے ہیں۔

(۲) وہ جماعتیں جنھوں نے لوگوں کو ڈائریکٹ ایکشن کا راستہ دکھایا حالانکہ یہ بالکل بے موقع اور غیر ضروری تھا اور مسلم پبلک کے مطالبہ کو منوانے کے لیے آئینی ذرائع کے امکانات ابھی ختم نہیں ہوئے تھے۔

(۳) مرکزی حکومت (جس سے میری مراد مرکزی وزارت ہے) جس نے مئی ۱۹۵۲ء سے مارشل لا کے اعلان تک مسلسل اپنی غیر دانشمندانہ پالیسی سے معاملات کو بگاڑا اور آخر کار ہزارہا بندگان خدا کی تباہی کا سامان کیا۔

(۴) صوبائی حکومت (اس سے میری مراد صوبائی وزارت ہے) جس کی دورُخی پالیسی نے حالات کو خراب کرنے میں خاص حصہ لیا ہے۔

ان چاروں فریقوں میں سے کسی کا گناہ بھی دوسرے سے کم نہیں ہے اور یہ سب اس کے مستحق ہیں کہ ان پر مقدمہ چلایا جائے۔ اگر یہاں نہ چلے گا تو ان شاء اللہ خداوند عالم کی آخری عدالت میں چل کر رہے گا۔

قادیانی مسئلہ کے متعلق میرا اور جماعت اسلامی کا طرز عمل

اس مسئلہ میں میری پالیسی اور میری رہنمائی میں جماعت اسلامی کی پالیسی تین اجزاء پر مشتمل رہی ہے۔

اول یہ کہ میں قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ کرنے کا مطالبہ بالکل برحق سمجھتا ہوں اور تمام جائز ذرائع سے اس کو منوانے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔

دوم یہ کہ میں نے کبھی ڈائریکٹ ایکشن کی تائید نہیں کی ہے۔ اپنی امکانی حد تک اس کو روکنے کی پوری کوشش کی ہے۔ میری جماعت نے خود اس میں کوئی حصہ نہیں لیا ہے اور جماعت کے جن افراد نے جماعتی ضبط کو توڑ کر اس میں حصہ لیا، ان کو جماعت سے الگ کر دیا گیا۔

سوم یہ کہ میں نے اس قضیہ کے آغاز سے لے کر مارشل لا کے نفاذ تک حکومت کو اس غیر دانش مندانہ پالیسی سے باز رکھنے کی مسلسل کوشش کی ہے جو آخر کار تباہ کن ثابت ہو کر رہی۔

میں ان تینوں اجزاء کی تشریح کر کے اپنی پوزیشن کی وضاحت کروں گا:

(۱) امر اوّل کے متعلق گزارش یہ ہے کہ میں نے جس چیز کو حق سمجھا ہے، دلائل کی بنا پر حق سمجھا ہے اور اپنے دلائل پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیے ہیں بالفرض اگر کسی کے نزدیک وہ چیز حق نہیں ہے جسے میں حق سمجھتا ہوں تو وہ اپنے دلائل دے سکتا ہے مگر ایک جمہوری نظام میں کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا‘ خواہ وہ حکومت ہی کیوں نہ ہو کہ وہ کسی معاملہ میں مجھ کو ایک رائے رکھنے سے اپنی رائے کو معقولیت کے ساتھ بیان کرنے سے یا اس کی تائید میں رائے عام کو ہموار کرنے کی جائز کوشش سے یا اپنی رائے منوانے کی آئینی تدابیر استعمال کرنے سے باز رکھے۔ محض یہ بات کہ جو رائے میں رکھتا ہوں وہی رائے کچھ دوسرے لوگ بھی رکھتے تھے اور انھوں نے اس رائے کو منوانے کے لیے غیر آئینی تدابیر اختیار کیں‘ مجھے قابل الزام بنا دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔ جب میں خود اپنے خیالات کی ترویج کے لیے یا اپنے کسی مطالبہ کو منوانے کے لیے تشدد یا قانون شکنی کا طریقہ اختیار نہیں کرتا میں یقیناً اپنے جائز حدود کے اندر ہوں۔ اس صورت میں نہ تو میرے دوسرے ہم خیالوں کے غلط فعل کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے اور نہ اپنے خیالات کی ترویج کے لیے جائز ذرائع استعمال کرنے کا حق مجھ سے سلب کیا جا سکتا ہے۔ میں اس وقت تک بھی یہ نہیں سمجھ سکا ہوں کہ اگر کوئی شخص معقول وجوہ اور دلائل کی بنا پر یہ رائے رکھتا ہے کہ قادیانی گروہ مسلم ملت کا ایک جزو نہیں ہے اور اس کی تائید میں وہ خالص علمی استدلال کے ساتھ سنجیدہ اور مہذب زبان میں بحث کرتا ہے یا اگر کوئی شخص مسلمانوں کے اندر قادیانی گروہ کے شمول کو مسلم ملت کی وحدت اور سالمیت کے لیے نقصان دہ سمجھتا ہے اور اپنے ملک کی دستور ساز مجلس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ دستور مملکت میں اس گروہ کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دے دے تو آخر وہ جرم کیا ہے جس کا وہ مرتکب ہے؟ اور پھر کیوں آج ہر اس شخص کی ٹانگ گھسیٹی جا رہی ہے جس نے کبھی قادیانی مسئلہ پر گفتگو کی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ عملاً اس کا پچھلے اضطرابات سے کوئی تعلق رہا ہو یا نہ رہا ہو؟

''رواداری'' کا نرالا تصور:

حال ہی میں بعض ذمہ داران حکومت کی طرف سے یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ ملک کی فلاح اور بہبود کے لیے ''رواداری'' کی سخت ضرورت ہے اور قادیانی مسئلہ پر گفتگو یا قادیانیوں کی علیحدگی کا مطالبہ ''نارواداری'' ہے، اس لیے حکومت اس کو بجائے خود قابل اعتراض سمجھتی ہے اور اس کا استیصال کرنا چاہتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ''رواداری'' اور ''نارواداری'' کے الفاظ کا ایک عجیب استعمال اور ان کے مفہوم کا بالکل ہی ایک نرالا تصور ہے جسے حاکمانہ طاقت سے ہم پر ٹھونسنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اگر کسی نے یہ کہا ہوتا کہ فلاں گروہ کو ملک میں جینے نہ دو یا اس کے شہری حقوق سلب کرلو یا اس کو اپنے مذہب پر عقیدہ اور عمل رکھنے سے زبردستی روک دو تو بلاشبہ یہ نارواداری ہوتی اور اس طرح کے کسی خیال کی ترویج بجائے خود ایک برائی ہوتی جس کے استیصال کو اپنی پالیسی قرار دینے میں حکومت بالکل حق بجانب تھی۔ لیکن یہاں جس معاملہ پر لفظ ''نارواداری'' کو چسپاں کیا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک ایسے گروہ کو اپنے معاشرہ کا جزو بنا کر نہیں رکھنا چاہتے جو ایک طرف ان کے معاشرہ میں شامل بھی ہے اور دوسری طرف تمام مسلمانوں کو کافر کہہ کر اور ان سے معاشرتی مقاطعہ کر کے اور ان کے مقابلہ میں اپنی جماعتی تنظیم اور معاشی جتھہ بندی الگ کر کے اپنی تبلیغ سے پیہم اس معاشرہ میں اندرونی اختلال برپا کرتا جارہا ہے۔ ایسے گروہ کی علیحدگی کے مطالبہ کو ''نارواداری'' قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے ارباب حکومت کے شاداب ذہن میں ''رواداری'' کا مطلب اپنی تخریب اور اپنے شیرازے کی پراگندگی کے اسباب کو خود اپنے اندر پرورش کرنا قرار پایا ہے۔ تصورات کی عجائب آفرینی کا یہی حال رہا تو بعید نہیں کہ کل اسی ''نارواداری'' کے الزام میں ہر وہ شخص ہسپتال سے جیل بھیج دیا جائے جو اپنڈی سائٹس کا آپریشن کرانا چاہتا ہو۔

غلطی کو غلطی نہ کہو:

پچھلے دنوں حکومت کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس وقت ملک میں قادیانی مسئلہ

پر ہنگامہ برپا تھا، اس وقت اس مسئلے میں مسلمانوں کے مطالبے کی صحت کو دلائل سے ثابت کرنا بجائے خود قابل اعتراض تھا کیونکہ اس ہنگامہ کو تقویت پہنچتی تھی۔ میری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ملک کا ایک مطالبہ اپنی جگہ بالکل معقول بنیادوں پر مبنی ہو اور حکومت سراسر ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر بغیر کوئی معقول وجہ بتائے اس مطالبہ کو رد کر دے اور میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ حکومت کی اس غلط پالیسی کی وجہ سے ملک کی تباہی آ رہی ہے کہ وہ بالکل بے جا اور ناروا طریقے سے لوگوں کے سر توڑتی رہے اور ملک میں کوئی اللہ کا بندہ ایسا موجود نہ ہو جو اسے انصاف اور معقولیت کی بات بتانے والا ہو؟ میرے علم اور میری قوت بحث واستدلال کا آخر فائدہ ہی کیا تھا اگر میں ٹھیک اس وقت استعمال نہ کرتا جب کہ تباہی کو روکنے کے لیے اس کے استعمال کی ضرورت تھی؟ جس مسئلہ کو حکومت نے صحیح طریقہ سے نہ سمجھ کر اور حل نہ کر کے ملک میں ایک فتنہ برپا کرا دیا تھا اس کی حقیقت اگر میں اسی وقت نہ سمجھاتا جب کہ فتنہ اٹھتا نظر آ رہا تھا تو آخر اس کے سمجھانے کا وقت اور کون سا ہو سکتا تھا؟ میری اس کوشش کو اگر حکومت فتنہ میں امداد کرنے سے بجا طور پر تعبیر کر سکتی تھی تو صرف اس صورت میں جب کہ میں نے اپنی کسی تحریر میں علمی استدلال اور سنجیدہ بحث کے الفاظ سے ہٹ کر کوئی ایک فقرہ یا لفظ ہی ایسا استعمال کر لیا ہوتا جسے اشتعال انگیز یا منافرت انگیز کہا جا سکتا ہو۔ لیکن میں چیلنج کے ساتھ کہتا ہوں کہ میری کسی تحریر میں جو میں نے قادیانی مسئلہ کے متعلق لکھی ہے۔ ایسا کوئی فقرہ یا لفظ نکال کر نہیں دکھایا جا سکتا۔

عدالت سے درخواست:

اس سلسلہ میں عدالت سے میری درخواست یہ ہے کہ وہ اصولی طور پر دو چیزوں کا فرق واضح کر دے۔

(ا) ایک چیز ہے قادیانیوں کی علیحدگی کا آئینی مطالبہ۔ دوسری چیز ہے اس مطالبہ کو منوانے کے لیے کوئی غیر آئینی طریقہ اختیار کرنا۔ کیا ان دونوں کو ایک ہی حیثیت میں رکھا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں رکھا جا سکتا تو اس حقیقت کو پوری طرح واضح ہو جانا چاہیے کیونکہ ان

دونوں کو خلط ملط کر کے بہت سے ان لوگوں کو مبتلائے مصیبت کیا گیا ہے اور کیا جا رہا ہے جنھوں نے اس مطالبے کو منوانے کے لیے کبھی کوئی غیر آئینی طریقہ اختیار نہیں کیا مگر آئینی اور جمہوری طریقوں سے وہ اس کو منوانے کی ضرور کوشش کرتے رہتے ہیں۔

اہم حقائق وواقعات

(۲) امرِ دوم کے متعلق میں واقعات کو ان کی صحیح صورت میں تاریخی ترتیب کے ساتھ عدالت کے سامنے رکھ دیتا ہوں پھر یہ رائے قائم کرنا عدالت کا کام ہے کہ ڈائریکٹ ایکشن کے ساتھ میرا اور جماعت اسلامی کا تعلق کیا تھا اور کیا نہ تھا۔ مئی ۱۹۵۲ء میں جب احرار نے قادیانی مسئلہ پر ایجی ٹیشن کا آغاز کیا تو اس وقت جماعت اسلامی کی رائے یہ تھی کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ کر کے ایک مستقل اقلیت قرار دینے کا مطالبہ بجائے خود صحیح ہے مگر اس وقت جب کہ ملک کا دستور بن رہا ہے مسلمانوں کی توجہ کسی ضمنی مسئلہ کی طرف پھیر دینا درست نہیں ہے۔ اس وقت تمام کوششوں کو ایک صحیح اسلامی دستور بنوانے پر مرکوز کیے رکھنا چاہیے اور دستور ہی میں قادیانی مسئلہ کو بھی حل کرانا چاہیے۔ یہی رائے جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے اپنے جون ۱۹۵۲ء کے ایک ریزولیوشن میں ظاہر کی تھی۔ جولائی ۱۹۵۲ء میں احرار نے لاہور میں تمام مذہبی جماعتوں کی ایک کنونشن منعقد کی اور اس میں جماعت اسلامی کو بھی دعوت دی۔ جماعت کی طرف سے مولانا امین احسن صاحب اور ملک نصر اللہ خان صاحب عزیز اس میں شرکت کے لیے بھیجے گئے اور انھوں نے وہاں جماعت کے نقطہ نظر کی ترجمانی کر دی۔ اس کنونشن میں پنجاب کے لیے ایک مجلس عمل بنائی گئی اور اس میں جماعت اسلامی کو بھی دو نشستیں پیش کی گئیں مگر جماعت نے اس مجلس میں شرکت قبول نہیں کی۔

مئی سے جولائی تک پنجاب میں جو اضطرابات رونما ہوئے ان کو اور خصوصاً ملتان کے ہنگامے کو جماعت اسلامی نے سخت تشویش کی نگاہ سے دیکھا اور اس کے دو وجوہ تھے۔ ایک یہ کہ اس ہنگامہ خیزی سے عوام کی ذہنیت بگڑ رہی ہے اور عوامی تحریکات کا رخ شورش کی طرف

مائل ہوتا جا رہا ہے جس کی وجہ سے ملک میں کسی سنجیدہ اور معقول تحریک کے لیے کام کرنا مشکل ہو جائے گا۔ دوسرے یہ کہ ایک ضمنی مسئلہ نے عوام کی توجہ کو دستور کے بنیادی مسئلہ سے ہٹا دیا ہے اور اس حالت میں اگر کوئی غلط دستور بن جائے تو اس کا خمیازہ ملک کو ایک مدت دراز تک بھگتنا پڑے گا۔ ان دونوں پہلوؤں پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد ہم نے اگست ۱۹۵۲ء کے آغاز میں یہ طے کیا کہ ہم اسلامی دستور کے لیے جدو جہد کر رہے ہیں۔ اس کے مطالبات میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ بھی شامل کرلیا جائے۔ اس تدبیر سے ہمارے پیش نظر دو مقصد تھے، ایک یہ کہ عوام کے لیے قادیانی مسئلہ پر الگ جدو جہد کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے اور ان کی توجہ دستور کے مسئلہ پر مرکوز کی جاسکے۔ دوسرے یہ کہ عوام کی ذہنیت کو شورش اور ہنگامے سے ہٹا کر آئینی جدو جہد کی طرف موڑ دیا جائے۔

ان دونوں مقاصد کو میں نے اپنے ایک بیان میں واضح کر دیا تھا جو روزنامہ ''تسنیم'' ۴ / اگست کی اشاعت میں شائع ہوا۔

اگست کے اواخر یا ستمبر کے اوائل میں مولانا عبدالحلیم صاحب قاسمی ناظم جمعیت علما اسلام پنجاب مجھ سے ملے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ آل مسلم پارٹیز کنونشن پنجاب نے جو مجلس عمل بنائی ہے اس میں ایسے عناصر کا غلبہ ہے جن کا رجحان قادیانی مسئلہ کو شورش اور ہنگامے کے ذریعے سے حل کرنے کی طرف ہے اور ہم لوگ جو اس تحریک کو غلط رخ پر جانے سے روکنا چاہتے ہیں، قلیل تعداد میں ہیں۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ جماعت اسلامی مجلس عمل میں اپنے نمائندے بھیجنا قبول کرلے تا کہ ہمارے ہاتھ مضبوط ہوں اور ہم اس خطرے کی روک تھام کرسکیں۔ میں نے محسوس کیا کہ ان کی اس بات میں وزن ہے اور اسی بنیاد پر میں نے جماعت اسلامی کے دو نمائندے مجلس عمل کے لیے نامزد کیے جنھوں نے مجلس کے دوسرے سنجیدہ عناصر کے ساتھ تعاون کرکے متعدد مواقع پر غلط رجحانات کا سد باب کیا۔ واقعات سے ثابت ہے کہ اگست سے لے کر جنوری تک پھر کوئی

شورش تحریک قادیانی مسئلہ کے متعلق نہ اٹھ سکی۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ اس اصلاح حال میں جماعت کی مذکورہ بالا دو تدبیروں کا بھی بہت بڑا حصہ تھا۔

دسمبر ۱۹۵۲ء میں مجلس دستور ساز کی بیسک پرنسپل کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی اور اس میں قادیانی مسئلہ کا کوئی حل تجویز نہیں کیا گیا۔ اس فروگذاشت نے ان کوششوں کو سخت نقصان پہنچایا جو ہماری طرف سے اس تحریک کو آئینی طریقہ کار کا پابند رکھنے کے لیے کی جا رہی تھیں۔

جنوری ۱۹۵۳ء کے دوسرے ہفتہ میں پاکستان کے ۳۳ سر برآوردہ علما کا ایک اجتماع بی۔ پی۔ سی رپورٹ پر غور کرنے کے لیے کراچی میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع کا ایک رکن میں بھی تھا۔ علما نے اس اجتماع میں رپورٹ کا تفصیلی جائزہ لیا اور اس کے دستوری خاکے میں بہت سی ترمیمات اور اصلاحات تجویز کیں جن میں سے ایک اصلاح یہ بھی تھی کہ رپورٹ میں جن اقلیتوں کے لیے جداگانہ انتخاب اور نشستوں کا تعین تجویز کیا گیا ہے ان میں قادیانیوں کو بھی شامل کر دیا جائے۔

اسی ماہ جنوری کے وسط میں کراچی ہی میں پورے پاکستان کی ایک آل مسلم پارٹیز کنونشن منعقد ہوئی جس کا مقصد ''تحفظ ختم نبوت'' کے مسئلہ پر غور کرنا تھا۔ مجھے بھی اس میں دعوت دی گئی تھی۔ میں نے کنونشن کی سب جیکٹس کمیٹی (subjects committee) میں یہ تجویز پیش کی کہ جب علما نے بی۔ پی سی رپورٹ پر اپنی ترمیمات میں قادیانی مسئلہ کے آئینی حل کو شامل کر لیا ہے تو اس مسئلہ کے متعلق کوئی علیحدہ جدوجہد کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف وہی ایک جدوجہد تمام مقاصد کے لیے کافی ہے جو علما کی تجویز کردہ ترمیمات کو منظور کرانے کے لیے کی جائے گی۔ طویل مباحثہ کے بعد سب جیکٹس کمیٹی (subjects committee) نے میری اس رائے کو مان لیا مگر کھلے اجلاس میں کنونشن نے اسے رد کر دیا۔

اس کے بعد میں نے کنونشن میں دوسری تجویز یہ پیش کی کہ پورے پاکستان کی ایک

مرکزی مجلس عمل بنائی جائے اور صرف وہی ''تحفظ ختم نبوت'' کے لیے پروگرام بنانے اور دوسرے اقدامات تجویز کرنے کی مجاز ہو۔اس مجلس کے سوا کسی اور کو بطور خود کوئی قدم اٹھانے کا اختیار نہ ہونا چاہیے۔میری یہ تجویز مان لی گئی اور پندرہ ارکان کی ایک مرکزی مجلس عمل بنادی گئی جن آٹھ ارکان اسی وقت منتخب کرلیے گئے اور طے ہوا کہ سات ارکان بعد میں اس کے اندر شامل کیے جائیں جو ارکان وہاں منتخب کئے گئے تھے ان میں سے ایک مَیں بھی تھا۔

اس مرکزی مجلس عمل کا کوئی اجلاس ۲۶ /فروری تک نہیں ہوا۔اس میں جو سات مزید ارکان شامل کیے جانے تھے وہ بھی شامل نہیں کیے گئے۔جس کے معنی یہ ہیں کہ مجلس کی ترکیب ہی مکمل نہیں ہوئی اور جیسا کہ میں اوپر بتا چکا ہوں کنونشن کے مقصد پر عمل کرنے کے لیے پروگرام بنانے کی مجاز صرف یہی مجلس تھی۔اس لیے ۱۷ جنوری سے ۲۶ /فروری تک کنونشن کی ممبر جماعتوں میں سے بعض نے جتنی بھی کارروائیاں کیں وہ سب خلاف ضابطہ تھیں۔ ۲۳ /جنوری کو جو وفد وزیر اعظم سے ملا وہ ان چند جماعتوں کا خود ساختہ تھا۔کنونشن نے یا مرکزی مجلس عمل نے اس وفد کو ترتیب نہیں دیا تھا۔اس وفد نے وزیر اعظم کو ایک مہینہ کا جو نوٹس دیا اور مہینہ گزرنے کے بعد ڈائریکٹ ایکشن شروع کرنے کا جو اعلان کیا اس کے لیے کسی نے اس کو مجاز نہیں کیا تھا۔اس کے بعد پنجاب آکران جماعتوں نے ڈائریکٹ ایکشن کی جو تیاریاں شروع کیں وہ سب کنونشن کے فیصلوں کے بالکل خلاف تھیں۔

میں نے ان بے ضابطگیوں کے خلاف سخت اعتراض کیا۔ ۲۳ /فروری کو مجلس عمل پنجاب کا جو اجلاس ہوا،اس میں میں نے اپنے اعتراضات تحریری صورت میں ملک نصر اللہ خان صاحب عزیز کے ذریعے سے بھیجے اور یہ مطالبہ کیا کہ مرکزی مجلس عمل کا اجلاس منعقد کیا جائے اور تمام کارروائیوں کو اس وقت تک روک دیا جائے جب تک مجلس کا یہ اجلاس منعقد نہ ہو۔اس پر طے ہوا کہ ۱۷ /فروری کو مرکزی مجلس عمل کا اجلاس منعقد کیا جائے مگر ۱۷/ کو کوئی اجلاس نہ ہوا اور میں نے دوبارہ اپنے اعتراضات تحریری صورت

میں میاں طفیل محمد صاحب، جنرل سیکرٹری جماعت اسلامی اور ملک نصر اللہ خان عزیز کے ذریعے سے مجلس عمل پنجاب کو بھیجے۔ آخر کار ۲۶/فروری کی تاریخ مرکزی مجلس عمل کے اجلاس کے لیے مقرر ہوئی۔

۱۹/فروری کو میری ہدایات کے مطابق جماعت اسلامی کے سیکرٹری نے اعلان کیا کہ مجلس عمل پنجاب کی طرف سے ڈائریکٹ ایکشن کے لیے حلف ناموں پر جماعت اسلامی کا کوئی رکن دستخط نہ کرے اور یہ کہ کسی پروگرام کو اس وقت تک قبول نہ کیا جائے جب تک کہ وہ مرکزی مجلس عمل کا پہلا اجلاس منعقد ہوا اور میری طرف سے اس میں سلطان احمد صاحب امیر جماعت اسلامی کراچی و سندھ شریک ہوئے۔ میں نے پھر وہ اعتراضات جو ان بے قاعدگیوں پر مجھے تھے، تحریری صورت میں سلطان احمد صاحب کے ذریعے سے بھیجے اور مطالبہ کیا کہ ڈائریکٹ ایکشن کا جو پروگرام بالکل خلاف ضابطہ بنایا گیا ہے اس کو منسوخ کر دیا جائے اور سلطان احمد صاحب کو یہ ہدایت کی کہ اگر یہ بات نہ مانی جائے تو وہ مرکزی مجلس عمل سے جماعت اسلامی کی علیحدگی کا اعلان کر دیں۔ اس نئی مجلس میں نہ میں شامل تھا اور نہ جماعت اسلامی کا کوئی اور شخص۔

چار اور پانچ مارچ کو جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کا اجلاس لاہور منعقد ہوا اور اس نے ڈائریکٹ ایکشن سے جماعت اسلامی کی قطعی بے تعلقی کا فیصلہ کیا۔ اسی موقع پر میں نے پنجاب کے تمام اضلاع سے جماعت کے ذمہ دار کارکنوں کو لاہور بلا کر ہدایات دیں کہ وہ جماعت کے کارکنوں کو اس تحریک سے بالکل علیحدہ رکھیں۔ اس کے بعد صرف دو مقامات سے مجھے اطلاع ملی کہ جماعت کے دو ارکان نے ڈائریکٹ ایکشن میں حصہ لیا ہے اور میں نے فوراً ان دونوں کو جماعت اسلامی سے خارج کر دیا۔

اس پوری مدت میں میرے یا جماعت اسلامی کے کسی فعل سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ان اضطرابات کی ذمہ داری میں ہمارا کوئی ادنیٰ سا حصہ بھی ہے۔ اس کے باوجود جس طرح مجھے اور جماعت کے بہت سے ارکان کو خواہ مخواہ اس کی ذمہ داری میں گھسیٹا گیا

ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص سڑک سے ہٹ کر کھیتوں میں جا کھڑا ہو اور دوسرا شخص وہاں موٹر لے جا کر اس سے ٹکرا دے۔

جماعت اسلامی کی دستاویزی شہادت:

(۳) امر سوم کے متعلق میں اپنے وہ تمام بیانات اور مضامین اور جماعت اسلامی کے وہ سب ریزولیوشن جو قادیانی مسئلہ سے متعلق جون ۱۹۵۲ء سے ۶ مارچ ۱۹۵۳ء تک شائع ہوئے ہیں۔ اس بیان کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں۔ ان کو دیکھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ میں نے اور میری جماعت نے کامل دس مہینہ تک کس کس طرح حکومت کو اس مسئلہ کی حقیقت سمجھانے کی کوشش کی ہے اور اسے تدبر اور معاملہ فہمی کے ساتھ حل کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ میں ان تحریروں کے متعلق خود کچھ کہنے کی بجائے اس امر کا فیصلہ عدالت پر چھوڑتا ہوں کہ جس شخص اور جماعت کی یہ تحریریں ہیں، اس کی نیت آیا اس ملک کے ایک اجتماعی مسئلہ کو معقولیت کے ساتھ حل کروانے کی تھی یا کسی قسم کا فتنہ برپا کرنے کی۔ اور یہ کہ وہ لوگ کس ذہنیت کے مالک تھے جنھوں نے آخر وقت تک اس مسئلہ کو ناخن تدبیر سے حل کرنے کی بجائے طاقت ہی سے دبانے پر اصرار کیا اور آخر کار کشت وخون برپا کر کے ہی چھوڑا۔

قادیانیوں کو مشورہ:

اس بیان کو ختم کرنے سے پہلے میں یہ بات بھی عدالت کے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ میں نے جس طرح حکومت کو اس غلط پالیسی سے اور ڈائریکٹ ایکشن کے لیڈروں کو ان کے غلط فیصلہ سے روکنے کی آخر وقت تک کوشش کی ہے اسی طرح میں قادیانیوں کو بھی ان کی غلطی سمجھانے اور صحیح مشورہ دینے کی پوری کوشش کرتا رہا ہوں۔

گزشتہ ماہ جولائی میں شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور، مولوی ابوالعطا جالندھری اور جناب شمس صاحب کو میں نے سمجھایا تھا کہ جو باتیں انگریزی دور میں نبھ گئیں، وہ اب اس آزادی کے دور میں جب کہ جمہوری حکومت کے اختیارات مسلم اکثریت کے ہاتھ میں ہیں، زیادہ دیر تک نہ نبھ سکیں گی۔ لہٰذا قبل اس کے کہ آپ کی جماعت اور مسلمانوں کے

تعلقات کی تلخی میں مزید اضافہ ہو، آپ لوگ معاملہ فہمی اور تدبر سے کام لیتے ہوئے دوصورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کرلیں۔ یا تو اپنے عقائد اور طرزِ عمل میں ایسی ترمیم کیجئے کہ جس سے مسلمان آپ کو اپنے اندر شامل رکھنے پر راضی ہوسکیں یا پھر خود ہی مسلمانوں سے الگ ہو کر ایک مستقل اقلیت کی حیثیت سے اپنے لیے وہی حقوق حاصل کر لیجیے جو پاکستان میں دوسری اقلیتوں کو حاصل ہیں۔ مگر افسوس کہ انھوں نے میرے اس دوستانہ مشورہ کو قبول نہ کیا۔ پھر مارشل لا کے زمانہ میں ۲۰/ مارچ کے قریب خواجہ نذیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور سے میری ملاقات ہوئی اور ان سے میں نے کہا کہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب سے خود جا کر ملیں اور ان کو مشورہ دیں کہ اگر وہ واقعی مسلمانوں سے الگ ہونا پسند نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ ان کی جماعت اسی ملت کا ایک جزو بن کر رہے تو وہ صاف الفاظ میں حسب ذیل تین باتوں کا اعلان کردیں:

۱۔ یہ کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس معنی میں خاتم النبیین مانتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی مبعوث ہونے والا نہیں ہے۔

۲۔ یہ کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کے لیے نبوت یا کسی ایسے منصب کے قائل نہیں ہیں جسے نہ ماننے کی وجہ سے کوئی شخص کافر ہو۔

۳۔ یہ کہ وہ تمام غیر احمدی مسلمانوں کو مسلمان مانتے ہیں اور احمدیوں کے لیے ان کی نماز جنازہ پڑھنا، ان کے امام کی اقتدا میں نمازیں ادا کرنا، ان کو بیٹیاں دینا جائز سمجھتے ہیں۔

میں نے خواجہ صاحب سے کہا کہ اگر آج مرزا صاحب ان باتوں کا واضح طور پر اعلان کردیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ سارا جھگڑا فوراً ختم ہوجائے گا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب میری اس تجویز کو لے کر مسٹر چندریگر سے ملے اور انھوں نے نہ صرف اس سے اتفاق کیا بلکہ اس تجویز میں خود بھی بعض الفاظ کا اضافہ کیا۔ پھر مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ خواجہ صاحب نے ربوہ میں جا کر اس پر مرزا صاحب سے گفتگو کی۔ اور مرزا صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ اپنی جماعت کی مجلس شوریٰ بلا کر اس پر غور کریں گے مگر اسی

دوران میں میری گرفتاری عمل میں آ گئی اور بعد کی کوئی اطلاع مجھے نہ مل سکی۔ غالباً مرزا صاحب نے یہ دیکھ کر کہ حکومت پوری طاقت سے ان کی حمایت اور مسلمانوں کی سرکوبی کر رہی ہے میری اس تجویز کو درخوراعتنا نہ سمجھا ہوگا۔ کیونکہ اس وقت تک ان کی طرف سے ایسا کوئی اعلان شائع نہیں ہوا جس میں ان تین باتوں کی تصریح ہو۔

احسان شناسی:

بہرحال میری ان کوششوں سے یہ بات عیاں ہے کہ میں نے اپنی حد تک اس نزاع کے تینوں فریقوں کو مصالحت پر آمادہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔ مگر ہر فریق نے مجھے ان کوششوں کی وہ بڑی سے بڑی سزا دی، جو وہ دے سکتا تھا۔ ایک فریق نے بھرے جلسوں میں متعدد بار عوام کو میرے خلاف بھڑکایا۔ یہاں تک کہ ٦ / مارچ کی صبح کو ایک مشتعل مجمع میرے مکان پر چڑھ آیا۔ دوسرے فریق نے پانچ واجب القتل ''خونی ملاؤں'' میں مجھے بھی شمولیت کا شرف عطا کیا۔ تیسرے فریق نے مجھے گرفتار کر کے میرا کورٹ مارشل کرایا اور مجھے پہلے سزائے موت اور پھر چودہ سال قید بامشقت کی سزا دلوائی۔

دوسرا بیان

(جو مورخہ ۸ نومبر ۱۹۵۳ءکو تحریری شکل میں عدالت مذکور میں پیش کیا گیا۔)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب والا!

گذشتہ ماہ ستمبر کے آغاز سے آپ کی تحقیقاتی عدالت میں جو شہادتیں پیش ہوئی ہیں ان کی روداد یں اخبارات میں پڑھ کر میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ بہت سے مسائل اور معاملات کے متعلق عدالت کے سامنے غلط یا ناکافی معلومات پیش کی گئی ہیں۔ میں اپنا یہ فرض سمجھتا ہوں کہ اپنے علم کی حد تک عدالت کو صحیح معلومات بہم پہنچاؤں اور صحیح نتائج تک پہنچنے میں آپ کی مدد کروں۔ اسی فرض کا احساس کرتے ہوئے میں نے ایک بیان گذشتہ ماہ جولائی کے آخر میں ارسال کیا تھا اور اسی بنیاد پر دوسرا بیان پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

(ا) قادیانیوں کے متعلق مسلمانوں کی طرف سے جو مطالبات پیش کیے گئے ہیں (یعنی یہ کہ آئندہ دستور میں انہیں مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دیا جائے' سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے الگ کیا جائے اور قادیانیوں کو سرکاری محکموں میں کلیدی مناسب سے ہٹا دیا جائے) ان کے بارے میں متعدد سوالات عدالت میں اٹھائے گئے ہیں مگر ان کے صحیح اور مکمل جوابات نہیں دیئے گئے۔

قادیانیوں سے متعلق مطالبات بیک وقت سیاسی بھی ہیں اور مذہبی بھی:

(الف) یہ سوال بار بار کیا گیا ہے کہ یہ مطالبات مذہبی ہیں یا سیاسی؟ اور اکثر اس کا جواب صرف یہ دے دیا گیا ہے کہ یہ مذہبی مطالبات ہیں۔ حالانکہ درحقیقت نہ یہ سوال صحیح ہے اور نہ اس کا یہ جواب۔ اس میں شک نہیں کہ جس نزاع کو حل کرنے کے لیے یہ مطالبات پیش کیے گئے ہیں، اس کی ابتدا ایک مذہبی اختلاف سے ہوئی ہے لیکن پچھلے پچاس سال کے تدریجی ارتقا سے اب وہ محض ایک مذہبی نزاع نہیں رہی ہے بلکہ ایک معاشرتی، معاشی

اور سیاسی نزاع بھی بن گئی ہے کوئی مسئلہ اپنی اصل کے اعتبار سے خواہ مذہبی ہو یا اخلاقی، جب وہ عملاً معاشرے میں پیچیدگیاں اور خرابیاں پیدا کرنے لگتا ہے تو اس کو لامحالہ دستور یا قانون یا انتظامی تدابیر کے ذریعے سے حل کرنا پڑتا ہے۔ایسے مواقع پر یہ بحث پیدا نہیں کی جاتی کہ مسئلہ تو مذہبی یا اخلاقی ہے' اس کو سیاسی وسائل سے کیوں حل کیا جارہا ہے۔ یہاں مسلمانوں اور قادیانیوں کی مذہبی نزاع نے جو صورت اختیار کرلی ہے وہ یہ ہے کہ مسلم معاشرے کے اندر ایک جداگانہ مستقل اور منظم جتھا بن گیا ہے جو عقیدے میں مسلمانوں سے بنیادی اختلاف رکھتا ہے، معاشرت میں ان سے مقاطعہ کرتا ہے، معاشی میدان میں ان کے خلاف منظم طور پر برسر پیکار رہے، ہمیشہ ان کے ان مفادات کے خلاف کام کرتا رہا ہے۔ان سب باتوں کے باوجود وہ مسلمانوں میں شامل ہو کر اپنی تبلیغ کے ذریعہ سے اپنی تعداد بڑھا رہا ہے اور مسلم معاشرے کے داخلی انتشار میں روز بروز اضافہ کیے چلا جاتا ہے۔ اس پر مزید وہ خطرات ہیں جو سرکاری ملازمتوں میں اس گروہ کی انتہائی غیر متناسب کثرت سے اور اس کے ان سیاسی منصوبوں سے جو بلوچستان کو بنیاد (base) بنا کر سارے پاکستان پر قبضہ کرنے کے لیے اس کی جانب سے، بارہا ظاہر کیے گئے ہیں' مسلمانوں میں شدت کے ساتھ اضطراب پیدا کر رہے ہیں۔اس طرح کے ایک مسئلے کو آخر محض ایک مذہبی مسئلہ کیسے کہا جا سکتا ہے اور اسے حل کرنے کے لیے دستوری' قانونی اور سیاسی تدابیر استعمال کرنے کے سوا آخر اور کیا چارہ کار ہے؟ متحدہ ہندوستان میں ہندو مسلم نزاع بھی اصلاً ایک مذہبی نزاع ہی تھی' مگر جداگانہ انتخاب سے لے کر تقسیم ملک تک اس کو حل کرنے کے لیے جتنے مطالبے بھی کیے گئے وہ سب سیاسی نوعیت کے مطالبے تھے۔

مسلمانوں اور قادیانیوں کے اختلافات بنیادی ہیں:

(ب) مسلمانوں اور قادیانیوں کے اختلاف کو مختلف فرقوں کے اختلافات کی نظیر فرض کر کے عدالت میں بار بار علماء اور فرقوں کی باہمی کشمکش کے متعلق سوالات کیے گئے ہیں مگر یہ محض ایک خلط مبحث ہے۔ان دونوں قسم کے اختلافات میں درحقیقت کوئی مماثلت

ہی نہیں ہے کہ ایک کو دوسرے کی نظیر قرار دیا جا سکے۔ بلاشبہ یہ ایک افسوس ناک واقعہ ہے کہ بعض فرقوں کے علماء نے بعض دوسرے فرقوں اوران کے علماء کی تکفیر کی ہے۔ اوراپنے فتووؤں میں حد سے زیادہ تجاوز بھی کیا ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جن مسائل پر یہ تکفیر بازی کی گئی وہ محض چند دینیانی مسائل کی تعبیرات کے اختلافات تھے۔ اسی بنا پر مسلم ملت نے بحیثیت مجموعی تکفیر کے ان فتووؤں کو کبھی اہمیت نہ دی۔ محتاط علماء نے ان کو ہمیشہ ناپسند کیا۔ کسی شخص یا گروہ کو خارج از ملت قرار دینے پر مسلمانوں کے درمیان کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ مختلف فرقوں کے مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ نمازیں پڑھتے رہے، ایک دوسرے کی نماز جنازہ میں شریک ہوتے رہے، آپس میں شادی بیاہ کرتے رہے حتیٰ کہ سنیوں اور شیعوں کی باہمی مناکحت کی بھی ہزاروں مثالیں موجود ہیں اور مجھے خود بارہا شیعوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ جب کبھی کوئی اہم قومی مسئلہ پیدا ہوا، تمام مسلمانوں نے مل کر اس کے لیے جدوجہد کی۔ ان کا قومی مفاد ایک رہا اوران کے قومی جذبات اور سیاسی مقاصد مشترک رہے۔ اس کے برعکس قادیانیوں اور مسلمانوں کا اختلاف ایک بنیادی اختلاف ہے۔ کوئی شخص جو اسلام کے متعلق سرسری سی واقفیت بھی رکھتا ہو اس امر سے بے خبر نہیں ہو سکتا کہ نبوت کا عقیدہ اسلام کے اساسی عقائد میں سے ہے اور ایک شخص کے دعوائے نبوت پر ایمان لانے یا نہ لانے سے لازماً کفر و ایمان کی تفریق واقع ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب کے دعوائے نبوت پر ان کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے درمیان اختلاف کی ایک ایسی دیوار حائل ہو گئی جو اس سے پہلے کبھی مسلم فرقوں کے درمیان حائل نہ ہوئی تھی۔ تمام فرقوں کے مسلمانوں نے بالاتفاق قادیانیوں کو کافر قرار دیا اور قادیانیوں نے اس کے برعکس ان سب لوگوں کو کافر ٹھہرایا جو مرزا صاحب کو نبی نہ مانیں۔ دوسری تکفیروں کے برعکس اس تکفیر نے عملاً دونوں گروہوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ عبادت سے لے کر معاشرت تک ان کے درمیان ہر چیز میں جدائی پڑ گئی۔ ان کے

قومی مفاد اور سیاسی حوصلے (political ambitions) تک ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے اور علیحدگی سے گزر کر نوبت کشمکش اور مخاصمت تک پہنچ گئی۔ اس صریح فرق کو آخر کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے اور قادیانی مسلم اختلافات کو فرقوں کے باہمی اختلافات سے خلط ملط کر دینا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟ تاہم اگر ایسا کوئی فیصلہ کر بھی دیا جائے تو کیا یہ ممکن ہے کہ عملاً وہ کشمکش ختم ہو جائے جو شہروں سے لے کر دیہات تک ہزاروں خاندانوں میں اور دفتروں سے لے کر منڈیوں تک ہزاروں افراد میں برپا ہے؟

تمام منحرفین کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ ضروری نہیں:

(ج) عدالت میں یہ سوال بھی بار بار اٹھایا گیا ہے کہ آیا ان سب لوگوں کو اسی طرح غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا جائے گا جو اسلام کے بنیادی مسائل میں عام مسلمانوں سے مختلف نظریہ اختیار کریں۔ مثلاً اہل قرآن اور ایسے ہی دوسرے لوگ۔ اس کا ایک جواب اصولی پہلو سے ہے اور دوسرا عملی پہلو سے۔ اصولی پہلو سے اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک تعبیر، اجتہاد اور استنباط کا تعلق ہے، اس میں مختلف نقطۂ نظر رکھنے والوں کے لیے اسلام میں زیادہ سے زیادہ ڈھیل کی گنجائش ہے۔ ایسے امور میں بڑی سے بڑی غلطی بھی گمراہی ہوسکتی ہے مگر اس پر خروج از اسلام کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ بخلاف اس کے، اسلام کے اساسی امور میں جب کبھی کوئی ایسا ردوبدل کیا جائے کہ جس کے لیے دائرہ دین میں کوئی گنجائش نہ ہو تو ایسی صورت میں یقیناً خروج از اسلام کا حکم لگایا جائے گا بلالحاظ اس کے کہ اس کی زد کس پر پڑتی ہے۔ عملی پہلو سے اس کا جواب یہ ہے کہ ایک فرد یا چند منتشر افراد کا اسلام سے انحراف اور چیز ہے، اور مسلم معاشرے کے اندر ایک منحرف گروہ کی باقاعدہ جتھہ بندی، جو مسلسل تبلیغ سے اپنی تعداد بھی بڑھا رہی ہو اور معاشی وسیاسی حیثیت سے مسلمانوں کے مقابلے میں کشمکش بھی کر رہی ہو، ایک بالکل ہی دوسری چیز۔ اس دوسری قسم کے انحراف سے مسلسل نصف صدی تک زخم کھاتے رہنے کے بعد اگر مسلمان تنگ آ کر کچھ مطالبات پیش کرتے ہیں تو اس موقع پر آخر پہلی قسم کے انحراف کی مثالیں کیوں یاد دی جاتی

ہیں؟ کیا عملاً یہ بات دنیا بھر کے سامنے نمایاں نہیں ہے کہ پہلی قسم کے منحرفین کے ساتھ مسلمانوں کا اجتماعی طرزِ عمل دوسری قسم کے منحرفین کی بہ نسبت صریح طور پر مختلف ہے؟ مسلمان آخر کب یہ مطالبہ لے کر اٹھے تھے کہ تمام منحرفین کو غیر مسلم اقلیتوں میں شامل کیا جائے؟

ظفر اللہ خان کی علیحدگی کے مطالبے کے وجوہ:

(د) سر ظفر اللہ خان کے متعلق مسلمانوں کی طرف سے جو مطالبہ کیا گیا ہے وہ محض اس نظریے پر مبنی نہیں ہے کہ کسی غیر مسلم کو اسلامی ریاست کا وزیر نہ ہونا چاہیے، بلکہ اس کی بنیاد یہ بھی ہے کہ صاحب موصوف نے اپنی سرکاری پوزیشن سے سراسر ناجائز فائدہ اٹھا کر تقسیم ہند سے پہلے بھی قادیانی تحریک کو تقویت پہنچائی ہے اور قیام پاکستان کے بعد پہلے سے بھی بڑھ کر وہ ایسا کرتے رہے ہیں۔ اس لیے ان کا اقتدار کی کرسی پر بیٹھنا مسلمانوں کے لیے ایک مستقل وجہ شکایت بن گیا ہے۔ اب ہم سے کہا جاتا ہے کہ ان کو وزارت سے ہٹا دیا جاتا تو پاکستان کو امریکہ سے ایک دانہ گندم بھی نہ ملتا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بات اگر واقعی صحیح ہے تو اس معاملہ کی نوعیت اور بھی زیادہ شدید ہو جاتی ہے۔ اس کے تو صاف معنی یہ ہیں کہ امریکہ نے اپنا خاص ایجنٹ ہمارے محکمہ خارجیہ پر مسلط کر دیا ہے اور ۱۰ لاکھ ٹن گیہوں کے عوض ہماری خارجہ پالیسی رہن رکھی گئی ہے۔ اس میں تو ہمیں قادیانی تحریک کے بجائے امریکہ کی سیاسی غلامی سے نجات پانے کے لیے صاحب موصوف کی علیحدگی کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ یہ بات میں صرف اس مفروضے پر کہہ رہا ہوں کہ حکومت امریکہ نے ایسی کوئی بات حکومت پاکستان سے صراحتہً یا کنایتہً کہی ہو۔ مگر مجھے یہ یقین نہیں آتا کہ امریکی حکومت کا کوئی مدبر ایسا بے وقوف ہو سکتا ہے کہ وہ پاکستان کے ساڑھے سات کروڑ باشندوں کی دوستی پر ایک شخص کی دوستی کو ترجیح دے۔ اور ۴۸ کروڑ روپے کے ایک دوستانہ تحفے سے باشندگان پاکستان کو احسان مند بنانے کے بجائے ان کے دلوں میں اپنی قوم اور حکومت کے خلاف الٹے سیاسی شکوک پیدا کرے۔

کلیدی مناصب کا مفہوم اور مطالبہ علیحدگی کے لیے دلائل:

(ہ) قادیانیوں کو کلیدی مناصب سے ہٹانے کا جو مطالبہ کیا گیا ہے اس کی بنیاد بھی صرف یہ نظریہ نہیں ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو کلیدی مناصب پر مامور نہیں کیا جاسکتا، بلکہ یہ مطالبہ اس بنا پر کیا گیا ہے کہ (۱) پچھلے دور میں انگریزوں کی غیر معمولی عنایات سے اور موجودہ دور میں پاکستان کے حکمرانوں کی غفلت اور بے حسی سے فائدہ اٹھا کر اس چھوٹے سے گروہ نے اپنی آبادی کے تناسب سے بدرجہا زیادہ ملازمتوں پر قبضہ کرلیا ہے۔ (۲) اس گروہ کا جو شخص بھی کسی اہم عہدے پر پہنچ گیا ہے اس نے اپنے ہم مذہبوں کو بھرتی کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔ (۳) اس گروہ کے پیشوا مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اعلانیہ اپنے پیروؤں کو ہدایت کی ہے کہ ایک منصوبہ بنا کر تمام سرکاری محکموں میں گھسنے کی کوشش کریں۔ (۴) اس گروہ کے بااثر عہدہ داروں نے اکثر اپنے مذہب کی تبلیغ اس طرح کی ہے کہ جو ان کے دائرہ اثر میں ملازمت حاصل کرنا چاہے وہ قادیانیت قبول کرلے اور (۵) اب ان کے حوصلے یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ اس راستے سے وہ پاکستان کی حکومت پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھنے لگے ہیں۔ اس صورت حال کو دیکھ کر مجبوراً یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو کلیدی مناصب سے ہٹایا جائے۔ اس مطالبے کے سیاق وسباق میں کلیدی مناصب کا مفہوم وہ نہیں ہے جو غیر مسلموں کو کلیدی مناصب نہ دینے کے اسلامی نظریے میں ہے۔ بلکہ یہاں کلیدی منصب سے ہر وہ اہم عہدہ مراد ہے جس پر فائز ہو کر قادیانی گروہ کا کوئی شخص اپنے گروہ کو اس طرح کے ناجائز فائدے پہنچا سکتا ہو جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ درحقیقت جیسی کچھ صورت حال اس گروہ نے اپنی روش سے پیدا کردی ہے، اس کو اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو محسوس ہوگا کہ یہ مطالبہ اصلی ضرورت سے بہت کم ہے۔ مطالبہ تو اس کے ساتھ یہ بھی ہونا چاہیے تھا کہ آئندہ دس سال کے لیے تمام محکموں میں قادیانیوں کی بھرتی بالکل بند کردی جائے تاکہ موجودہ عدم توازن کی کیفیت دور ہوسکے۔

عدالت کے سامنے پیش کردہ قادیانیوں کی بناوٹی پوزیشن:

۲۔عدالت میں یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ کی طرف سے اس کے وکیل نے عدالت کے دیئے ہوئے سات سوالوں کے جواب میں جو بیان دیا ہے اس سے مسلمانوں اور قادیانیوں کا اختلاف رفع ہو جاتا ہے۔میں نے اس بیان کو پورے غور کے ساتھ پڑھا ہے، میری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ اس بیان سے پوزیشن میں ذرہ برابر بھی تغیر واقع نہیں ہوتا اور اس کے باوجود نزاع واختلاف کے وہ تمام اسباب جوں کے توں باقی رہتے ہیں جو اب تک خرابی کے موجب رہے ہیں۔اس بیان میں قادیانیوں نے پوری ہوشیاری کے ساتھ یہ کوشش کی ہے کہ اپنی اصلی پوزیشن کو تاویلوں کے پردے میں چھپا کر ایک بناوٹی پوزیشن عدالت کے سامنے پیش کریں تا کہ عدالت اس سے دھوکہ کھا کر ان کے حق میں مفید مطلب رپورٹ بھی دے دے اور وہ اپنی سابق روش پر علی حالہٖ قائم بھی رہ سکیں۔ان کی سابقہ تحریروں اور ان کے اب تک کے طرز عمل سے جو شخص کچھ بھی واقفیت رکھتا ہو وہ یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انھوں نے اس بیان میں اپنی پوزیشن بدل کر قریب قریب وہ پوزیشن اختیار کر لی ہے جو لاہوری احمدیوں کی پوزیشن تھی۔لیکن یہ تبدیلی وہ صاف صاف یہ کہہ کر اختیار نہیں کرتے کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ نزاع ختم کرنے کے لیے اپنے عقیدے اور مسلک میں یہ تغیر کر رہے ہیں بلکہ وہ اسے اس رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ ہماری پوزیشن ابتدا سے یہی رہی ہے۔حالانکہ یہ صریح غلط بیانی ہے۔اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ عملاً اپنی سابق پوزیشن کی توثیق کر رہے ہیں اور آئندہ بھی اسی پر قائم رہنا چاہتے ہیں، البتہ عارضی طور پر اس تحقیقات کے دوران میں انھوں نے ایک مناسب وقت پوزیشن اختیار کر لی ہے جو تحقیقات کا دور گزرنے کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی۔اس فریب کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی اگر ان کے بیان کا ذرا تفصیلی جائزہ لے کر دیکھ لیا جائے:

(الف)عدالت نے سوال کیا تھا کہ جو مسلمان مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتے کیا وہ

مومن اور مسلم ہیں؟ جواب میں وہ کہتے ہیں:

''کسی شخص کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو نہ ماننے کی وجہ سے غیر مسلم نہیں کہا جا سکتا۔''

مگر یہ جواب دینے کے ساتھ ہی انہیں یاد آ جاتا ہے کہ ان کی پچھلی تحریرات اس کے بالکل خلاف ہیں۔ اس لیے وہ ان کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ:

''ممکن ہے ہماری بعض سابقہ تحریرات سے غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کے متعلق ہم کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ہماری ان سابقہ تحریرات میں جو اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں وہ ہماری مخصوص ہیں۔ عام محاورے کو جو مسلمانوں میں رائج ہے استعمال نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ ہم نے اس مسئلے پر یہ کتابیں غیر احمدیوں کو مخاطب کر کے شائع نہیں کیں بلکہ ہماری یہ تحریرات جماعت کے ایک حصے کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہیں۔ اس لیے ان تحریرات میں ان اصطلاحات کو مدنظر رکھنا ضروری نہیں تھا جو دوسرے مسلمانوں میں رائج ہیں۔''

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنی سابق تحریرات کی تردید نہیں بلکہ توثیق کر رہے ہیں اور عدالت کو یقین دلانا چاہتے کہ ان تحریرات کا مفہوم ان کے موجودہ جواب کے خلاف نہیں ہے۔ اب ذرا ان کی سابق تحریروں میں سے صرف دو عبارتیں ملاحظہ ہوں:

''کُل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے' خواہ انھوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا' وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔''

(آئینہ صداقت' مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، ص ۳۵)

''ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کا مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا' یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا' یا محمد کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا' وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔'' (کلمۃ الفضل' مصنفہ صاحب زادہ بشیر احمد صاحب، ص ۱۱۰)

صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ ان دونوں عبارتوں میں محض مرزا صاحب کے نہ ماننے کی وجہ سے مسلمانوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے

فہرست پر جائیے

کہ یہ تینوں الفاظ قادیانیوں کی مخصوص اصطلاحات ہیں اور ان کا مفہوم وہ نہیں ہے جو مسلمانوں میں عام طور پر رائج ہے؟ اس طرح کی تحریروں کی یہ تاویل کس قدر بھونڈی تاویل ہے کہ ہم نے یہ تحریرات جماعت کے ایک حصے (یعنی لاہوری احمدیوں) کو مخاطب کر کے لکھی تھیں۔ آخر کون نہیں جانتا کہ لاہوری احمدیوں سے قادیانیوں کا جس بات پر پچھلے ۳۵ سال جھگڑا رہا ہے وہ اسی نکتے پر تھا کہ قادیانی مرزا صاحب کی نبوت تسلیم نہ کرنے والے سب مسلمانوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے تھے اور لاہوری ان کے اس عقیدے کو غلط ٹھہراتے تھے۔ اس مباحثے میں اگر فریقین کے نزدیک ''کافر'' اور دائرہ اسلام سے خارج کا مفہوم وہ نہ تھا جو مسلمانوں میں عام طور پر رائج ہے تو پھر جھگڑا کس بات پر تھا۔

(ب) عدالت کا دوسرا سوال یہ تھا کہ جو شخص مرزا کی نبوت تسلیم نہ کرے کیا وہ کافر ہے؟ صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے وکیل صاحب اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ:

''کافر کے معنی عربی زبان میں نہ ماننے والے کے ہیں۔ پس جو شخص کسی چیز کو نہیں مانتا اس کے لیے عربی زبان میں کافر کا لفظ ہی استعمال ہوگا۔ بس ایسے شخص کو جب تک وہ یہ کہتا ہے کہ میں فلاں چیز کو نہیں مانتا اس کو اس چیز کا کافر سمجھا جائے گا''

اس عبارت سے عدالت کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ مرزا صاحب کے نہ ماننے والوں کو لغوی معنی میں کافر کہتے ہیں نہ کہ اسلام کے اصطلاحی معنی میں۔ لیکن یہ صریح دھوکا ہے۔ اوپر مرزا بشیر الدین محمود صاحب اور صاحب زادہ بشیر احمد کی جو دو عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان دونوں میں ''کافر'' کی تشریح ''دائرہ اسلام سے خارج'' کے الفاظ میں کی گئی ہے اور اس کی مزید تشریح مرزا بشیر الدین محمود صاحب اور صاحب زادہ بشیر احمد صاحب کی یہ عبارات کرتی ہیں:

''ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔'' (انوار خلافت، ص ۹۰)

’’اب جب کہ یہ مسئلہ بالکل صاف ہے کہ مسیح موعود کے ماننے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی تو کیوں خواہ مخواہ غیر احمدیوں کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔‘‘

(کلمۃ الفضل، ص ۱۴۸)

ان عبارتوں کی موجودگی میں یہ کیسے مانا جاسکتا ہے کہ قادیانی حضرات مرزا صاحب کے منکر مسلمانوں کو محض ’’نہ ماننے والے‘‘ کے معنی میں کافر کہتے ہیں؟ پھر اس سے بھی زیادہ بڑا دھوکہ اس بیان میں دیا گیا ہے کہ:

’’ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی مامور من اللہ کے انکار کے ہرگز یہ معنی نہ ہوں گے کہ ایسے لوگ اللہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکر ہو کر اُمت محمدیہ سے خارج ہیں یا یہ کہ مسلمانوں کے معاشرے سے خارج کر دیئے گئے ہیں۔‘‘

اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ نہایت ہوشیاری کے ساتھ استعمال کیے گئے ہیں۔ ان میں مسلمانوں کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کی نفی نہیں کی گئی ہے بلکہ صرف امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شامل ہونے کا اثبات کیا گیا ہے۔ظاہر بات ہے کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتا ہوا اور مرزا صاحب کو نہ مانتا ہو وہ ’’امت محمدیہ‘‘ سے خارج نہیں ہوسکتا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے حضرت عیسیٰ کو ماننے والا آدمی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کرنے کے باوجود اُمت حضرت عیسویہ میں اور حضرت موسیٰ کو ماننے والا شخص حضرت عیسیٰ کے انکار کے باوجود امت موسویہ میں شمار ہوگا۔ البتہ ایسے کسی شخص کو ’’دائرہ اسلام‘‘ میں داخل نہیں سمجھا جائے گا۔ اسی طرح قادیانی حضرات مرزا صاحب کے منکر مسلمانوں کو امت محمدیہ میں تو ضرور شامل سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکر نہیں ہیں، مگر دائرہ اسلام سے بہرحال خارج سمجھتے ہیں کیونکہ خدا کے ایک نبی کا انکار بھی آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور ان کے نزدیک مرزا صاحب خدا کے نبی ہیں۔ پھر دوسرے فقرے میں وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ یہ نہیں ہے کہ غیر احمدی مسلمان دائرہ اسلام سے خارج نہیں، بلکہ از راہ لطف و کرم صرف یہ کہتے ہیں کہ وہ ’’مسلمانوں کے معاشرے‘‘ سے خارج نہیں کر دیئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ

مسلمانوں کا معاشرہ ان کے قبضے میں نہیں ہے جس سے وہ کسی کو خارج کر سکیں۔

(ج) عدالت کا تیسرا سوال یہ تھا کہ ایسے کافر ہونے کے دنیا اور آخرت میں کیا نتائج ہیں؟ اس کا جواب صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے وکیل صاحب یہ دیتے ہیں کہ:

''ایسے کافر کی کوئی دنیوی سزا مقرر نہیں ہے۔ وہ اسلامی حکومت میں ویسے ہی حقوق رکھتا ہے جو ایک مسلمان کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح عام معاشرے کے معاملے میں بھی وہی حقوق رکھتا ہے جو ایک مسلمان کے ہیں۔ ہاں خالص اسلامی حکومت میں وہ حکومت کا ہیڈ نہیں بن سکتا۔ باقی رہے اخروی نتائج سوان نتائج کا حقیقی علم تو صرف اللہ کو ہے۔''

یہاں پھر عدالت کو بالکل غلط اطلاع بہم پہنچائی گئی ہے۔ قادیانی حضرات مسلمانوں پر جس کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں اس کے دنیوی نتائج صاحب زادہ بشیر احمد صاحب کے الفاظ میں دراصل یہ ہیں:

''حضرت مسیح موعود نے غیر احمدیوں کے ساتھ صرف وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں، ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا، ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں؟

دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک دینی، دوسرے دنیوی۔ دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ رشتہ وناطہ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لیے حرام قرار دیے گئے۔ اگر کہو کہ ہم کو ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں کہتا ہوں نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ غیر احمدیوں کو سلام کیوں کہا جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ بعض اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں تک کو سلام کا جواب دیا ہے۔''

(کلمۃ الفصل، ص ۱۶۹)

رہے اس کفر کے اُخروی نتائج تو وہ خود مرزا غلام احمد صاحب پر ''نازل شدہ الہام'' کے بموجب یہ ہیں:

''جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہو گا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے''۔ (تبلیغ رسالت، جلد نہم، ص ۲۷)

اب یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ قادیانی حضرات کی نگاہ میں جو وزن مرزا صاحب کے الہام کا ہو سکتا ہے وہ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے اس بیان کا نہیں ہو سکتا جو انھوں نے اس تحقیقات کی ضرورت سے صدر انجمن احمدیہ کے وکیل کی حیثیت میں دیا ہے۔ نیز مرزا صاحب کے مسلک کی جو تفسیر ان کے ''اہل بیت'' میں سے ایک بزرگ نے فرما دی ہے اسے بہر حال وکیل صاحب کے بیان کی بہ نسبت زیادہ سند اعتبار حاصل ہو گی۔

(د) عدالت کا سوال یہ تھا کہ کیا مرزا صاحب کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اور اسی طریقہ سے الہام ہوتا تھا؟ جواب میں اقرار کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب پر وحی نازل ہوتی تھی اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وحی مرتبے اور حیثیت میں اس وحی سے کم تر تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا کرتی تھی۔ لیکن یہ عدالت کے سوال کا صحیح جواب نہیں ہے۔ اس میں جو بات چھپائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ قادیانی عقیدے کے مطابق مرزا صاحب کی وحی اپنی نوعیت کے لحاظ سے ویسی ہی ہے جیسی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحی تھی اور اس کے نہ ماننے والے کی حیثیت وہی ہے جو قرآن کے نہ ماننے والے کی ہے۔ یہ بات مرزا غلام احمد صاحب نے خود ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

آنچہ من بشنوم زوحی خدا — بخدا پاک دانمش زخطا
ہمچو قرآں منزہ اش دانم — از خطاہا ہمیں ست ایمانم
بخدا ہست ایں کلام مجید — از دہان خدائے پاک ووحید
آں یقینے کہ بود عیسیٰ را — بر کلامے کہ شد برو القا
واں یقین کلیم بر تورات — واں یقین ہائے سید السادات
کم نیم زاں ہمہ بروئے یقین — ہر کہ گوید دروغ ہست لعین

(درثمین، ص ۲۸۷، مجموعہ کلام مرزا غلام احمد صاحب، نزول المسیح، ص ۹۹)

(ہ) عدالت کا سوال تھا کہ کیا احمدیوں کے مذہب میں ان لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنے کے خلاف کوئی حکم موجود ہے جو مرزا صاحب کو نہ مانتے ہوں؟ جواب میں اقرار کیا گیا ہے کہ ’’اس وقت تک جماعتی فیصلہ یہی رہا ہے کہ غیر از جماعت لوگوں کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔‘‘ اور اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ اب مرزا صاحب کی ایک ایسی تحریر مل گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا مکفر یا مکذب نہ ہو اس کا جنازہ پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔‘‘ لیکن اگر خط کشیدہ الفاظ پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سے درحقیقت سابق کی پوزیشن میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ یہ ظاہر بات ہے کہ مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ایک مدعی نبوت کے معاملے میں آدمی کے لیے دو ہی رویے ممکن ہیں۔ یا اس کے دعویٰ کو مان لے یا اس کا انکار کر دے۔ اقرار اور انکار کے درمیان کوئی مقام نہیں ہے۔ اب کوئی شخص ان کے دعوے کا انکار کرتا ہے وہ چاہے مکفر نہ ہو، مگر مکذب ہونے سے کسی طرح نہیں بچ سکتا۔ اس طرح غیر احمدی مسلمانوں کی نماز جنازہ کے معاملے میں قادیانیوں کی پوزیشن عملاً وہی رہتی ہے جو پہلے سے چلی آرہی ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ ایک مدعی نبوت کے معاملے میں مکذب لازماً صرف اسی شخص کو نہیں کہتے جو صاف الفاظ میں اس کو جھوٹا کہے بلکہ اس کے دعویٰ کا انکار بھی اس کی تکذیب ہی ہے۔

(و) عدالت کا سوال تھا کہ کیا احمدی اور غیر احمدی میں شادی جائز ہے؟ اور ایسی شادی کے خلاف ممانعت کا کوئی حکم موجود ہے؟ جواب میں وکیل صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ’’احمدی مرد کی غیر احمدی لڑکی سے شادی کی کوئی ممانعت نہیں۔ البتہ احمدی لڑکی کے غیر احمدی مرد سے نکاح کو ضرور روکا جاتا ہے۔‘‘ نیز یہ کہ دراصل اس ممانعت کی بنا احمدیت سے بغض اور عداوت رکھنے والوں کے اثر سے لڑکیوں کا بچانا تھا اور یہ کہ کوئی احمدی اپنی لڑکی کا نکاح غیر احمدی مرد سے کر دے تو اس کے نکاح کو کالعدم قرار نہیں دیا جاتا‘‘۔ لیکن اس جواب میں اصل پوزیشن عدالت کے سامنے پیش نہیں کی گئی۔ اصل پوزیشن وہ ہے جو صاحب زادہ

بشیر احمد صاحب نے کلمۃ الفصل میں بایں الفاظ بیان کی ہے:

''حضرت مسیح موعود نے غیر احمدیوں کے ساتھ صرف وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں، ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا، ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا...... اگر کہو کہ ہم کو ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں کہتا ہوں کہ نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت ہے۔'' (ص ۱۶۹)

(ز) صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے وکیل صاحب نے اپنے بیان میں عدالت کو یہ باور کرانے کی بھی کوشش کی ہے کہ قادیانیوں نے مسلمانوں کی تکفیر اور ان سے عبادت و معاشرت میں مقاطعہ کرنے کی جو روش اختیار کی ہے اس کی نوعیت عام مسلمانوں کی دینی و اخلاقی حالت پر مختلف اصلاح پسند لوگوں کی تنقیدوں اور علماء کے فتاوائے تکفیر سے مختلف نہیں ہے۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان اصولاً بڑا فرق ہے۔ مسلمانوں کے بہت سے قدیم وجدید اصلاح پسند لوگوں نے اپنی تنقیدوں میں قوم کی عام اخلاقی و دینی حالت پر تنقید کرتے ہوئے جو ملامت آمیز باتیں کہیں اور لکھی ہیں، ان کا منشا ساری قوم کی تکفیر کرنا نہیں ہے بلکہ ان کو اصلی اور حقیقی اسلام کی طرف واپس آنے کے لیے اکسانا ہے اور وہ کوئی نئی بات منوانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ اسلام کے انہی عقائد اور احکام کی پیروی کا مطالبہ کرتے ہیں جو سب مسلمانوں کے نزدیک مسلم ہیں۔ اسی طرح مختلف فرقوں کے علماء نے ایک دوسرے کی تکفیر میں جتنی تحریریں بھی لکھی ہیں، وہ زیادہ تر اس بنیاد پر ہیں کہ ایک عالم کی رائے میں دوسرے فرقے کے لوگ اسلام کے مسلمہ عقائد سے ہٹ گئے ہیں، نہ اس بنیاد پر کہ وہ اس عالم کی پیش کردہ کسی نئی بات کو نہیں مانتے۔ اس کے برعکس قادیانیوں نے تمام غیر احمدی مسلمانوں کے مقابلے میں تکفیر اور عبادت و معاشرت کے مقاطعے کی جو روش اختیار کی ہے اس کی بنیاد یہ ہے کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کے دعوائے نبوت کو نہیں مانتے اور ظاہر ہے کہ یہ دعوائے نبوت ایک نئی چیز ہے اور اس عقیدۂ ختم نبوت کے بالکل خلاف

ہے جو تمام مسلمانوں کے نزدیک اسلام کا مسلمہ عقیدہ ہے۔ یہ بنیادی اور اصولی فرق اس واقعی فرق کے علاوہ ہے کہ قادیانی تکفیر کے سوا کوئی دوسری تکفیر ایسی نہیں ہے جس نے مسلمانوں کے کسی فرقے کو عام مسلمانوں سے عبادات' شادی بیاہ' معاشی مفاد اور سیاسی آرزوؤں اور تمناؤں میں عملاً بالکل الگ کر دیا ہو اور زندگی کے ہر میدان میں اس کو سوادِ اعظم سے نبرد آزما کر دیا ہو۔

قادیانیوں کی جارحانہ روش محض اتفاقی نہیں ہے:

۳۔ عدالت میں یہ سوال بھی اٹھایا گیا ہے کہ اگر احمدی اپنے جارحانہ طور طریقوں سے باز آجائیں اور ریاست کے اندر ایک ریاست قائم کرنے کی کوشش ترک کر دیں تو کیا پھر بھی انہیں ایک غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا جائے گا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ اس وقت تک قادیانیوں سے ظہور میں آیا ہے وہ اتفاقی واقعہ نہیں ہے بلکہ ایک امت کے اندر دوسری امت بنانے کا لازمی اور فطری نتیجہ ہے۔ ہر دعوائے نبوت عین اپنی فطرت کے تقاضے سے ایک مستقل امت پیدا کرتا ہے اور اسے ان سب لوگوں سے جدا کر دیتا ہے جو اس دعوے کو نہ مانیں۔ یہ نئی امت اگر صاف اور سیدھے طریقے سے پہلی امت سے الگ ہو جائے تو نزاع اور تصادم کی وہ خاص حالت کبھی پیدا نہیں ہو سکتی جو قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان پیدا ہوئی۔ لیکن اگر وہ امت کے اندر ایک امت بن کر رہنا چاہے تو کشمکش برپا ہونا ناگزیر ہے۔ کیونکہ اس صورت میں مذہبی نزاع کو معاشرتی نزاع بننے سے اور پھر معاشی وسیاسی نزاع تک پہنچنے سے کسی طرح نہیں روکا جا سکتا۔ لہٰذا محض خیالی مفروضات پر کوئی ایسی رائے قائم کرنا لاحاصل ہے جو واقعات کی دنیا میں نہ چل سکتی ہو۔ قادیانیوں کے مسلمانوں میں شامل رہنے کی کوئی صورت اگر ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ وہ مرزا صاحب کی نبوت کا عقیدہ چھوڑ دیں۔ اور اگر وہ اسے نہیں چھوڑ سکتے تو پھر انہیں مسلمانوں سے الگ ایک امت بن کر رہنا چاہیے اور اس امر واقعی کو دستوری وقانونی حیثیت سے تسلیم کیا جانا چاہیے۔

کفر، تکفیر اور خروج از اسلام:

۴۔عدالت میں کفر اور تکفیر کے متعلق کچھ اصولی سوالات بھی چھیڑے گئے ہیں مگر ان کے واضح اور تشفی بخش جوابات نہیں دیئے گئے۔اس سلسلے میں چند باتیں وضاحت کے ساتھ عدالت کے سامنے آجانی چاہئیں۔

(الف) ''کفر'' اور ''خروج از اسلام'' ہر صورت اور ہر حالت میں لازماً ایک ہی چیز نہیں ہیں۔ جو کفر انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ آدمی (۱) ان بنیادی عقائد میں سے کسی کا انکار کر دے جن کے ماننے کا اسلام میں مطالبہ کیا گیا ہے، یا (۲) کسی ایسے قول یا فعل کا مرتکب ہو جو صریح طور پر انکار کا مترادف ہو، مثلاً بت کو سجدہ کرنا یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا یا قرآن کی بالارادہ توہین کرنا یا خدا اور رسول کے ثابت شدہ احکام میں سے کسی کو ماننے سے انکار کر دینا۔(۳) ایمانی عقائد میں سے کسی کا انکار کر دے جس سے وہ عقیدہ بنیادی طور پر بگڑ جاتا ہو، مثلاً توحید کے ساتھ شرک جلی کی آمیزش یا انبیاء کے زمرے میں کسی غیر نبی کو شامل کرنا اور اس کی تعلیمات کو وحی منزل من اللہ ماننا۔

(ب) مذکورۂ بالا کفر کے سوا قرآن اور حدیث میں بہت سے ایسے کافرانہ یا منافقانہ افعال، اخلاق اور خیالات کا ذکر کیا گیا ہے جن کے لیے یا تو کفر کا لفظ استعمال ہوا ہے یا یہ کہا گیا ہے کہ ایسے لوگ مومن نہیں ہیں، یا دوسرے ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو سلب ایمان کے ہم معنی ہیں۔مثلاً استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے کو قرآن میں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ترک نماز کو حدیث میں کفر کہا گیا ہے۔ جہاد سے جی چرانے والوں پر قرآن وحدیث، دونوں میں منافقت کا حکم لگایا گیا ہے۔ بدعہدی اور خیانت کرنے والے کے متعلق حدیث میں صاف کہا گیا ہے کہ اس کا دین ہے نہ ایمان۔اس طرح کی آیات اور احادیث کا صحیح مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض فرقوں (مثلاً معتزلہ اور خوارج) نے اور بعض دوسرے غیر محتاط لوگوں نے ہر ایسے شخص کو خارج از اسلام ٹھہرا دیا جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات کا مصداق ہو۔مگر نہ تو قرآن وحدیث کا سیاق وسباق یہ

ظاہر کرتا ہے کہ اس خاص نوعیت کا کفر ونفاق آدمی کو خارج ازملت کردیتا ہے، اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے دور کا عمل ہی یہ ثابت کرتا ہے کہ جن لوگوں میں اس نوعیت کا کفر ونفاق پایا گیا ان کو مسلمانوں کی ملت سے نکال باہر کیا گیا ہو۔ اسی وجہ سے محتاط اہل علم نے ہمیشہ اس کفر ونفاق اور خارج ازملت کردینے والے کفر کے درمیان فرق ملحوظ رکھا ہے اور انہیں خلط ملط کردینے کی سخت مخالفت کی ہے۔ مصلحین امت نے اگر کبھی اس نوعیت کے کافرانہ خصائل رکھنے والوں کو غیر مسلمان کہا بھی ہے تو ڈرانے اور اطاعت کی طرف مائل کرنے کے لیے کہا ہے نہ کہ واقعی دائرہ اسلام سے خارج کردینے کے لیے۔

(ج) کسی شخص کے قول یا فعل سے اگر کوئی ایسا مفہوم نکلتا ہو جو کفر صریح کا ہم معنی ہو تو اس پر تکفیر کا فتویٰ دینے سے پہلے ضروری ہے کہ (۱) خود اس شخص سے اس کی بات کا مطلب پوچھا جائے (۲) اس کے اقوال وافعال پر بحیثیت مجموعی نگاہ ڈال کر دیکھا جائے کہ اس کے اس خاص قول یا فعل کا کون سا مفہوم اس کے مجموعی طرز خیال وعمل سے مناسبت رکھتا ہے اور (۳) اگر اس کے قول یا فعل کی اچھی اور بری دونوں تاویلیں ممکن ہوں تو اچھی تاویل کو ترجیح دی جائے اِلّا یہ کہ بری تاویل کو ترجیح دینے کے لیے قوی قرائن موجود ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے علماء نے ان ضروری احتیاطوں کا لحاظ کیے بغیر دوسروں پر بے تحاشا تکفیر کے فتوے جڑ دیے ہیں، مگر اس طرح کی غیر محتاط تکفیر کبھی یہ نتیجہ پیدا نہ کرسکی کہ جس کی تکفیر کی گئی ہو، وہ واقعی خارج ازملت قرار پا گیا ہو۔ صرف یہی نہیں کہ ایسے مکفرین کے دلائل کو دوسرے علماء کے دلائل نے بے وزن کردیا، بلکہ مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر نے تکفیر کے ان فتوؤں کو قبول نہ کیا۔ تاریخ میں صرف چند ہی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ کسی فرقے کے خارج ازملت ہونے پر مسلمانوں میں اتفاق ہوا ہو اور ایسی ہر مثال میں خروج ازملت کا اتفاق کسی ایسے کفر صریح کی وجہ سے ہوا ہے جس میں واقعی کسی تاویل کی گنجائش نہ تھی۔ مثلاً نصیریوں کے معاملے میں، جو حضرت علیؓ کو خدا کہتے تھے یا فرقہ یزیدیہ کے معاملے میں، جو اس بات کے قائل تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایک اور نبی آئے گا اور اس کے آنے پر

شریعت محمدیہ منسوخ ہوجائے گا۔ یا فرقہ میمونیہ کے معاملے میں جو سورۂ یوسف کو قرآن کی ایک سورت ماننے سے انکار کرتے تھے۔ان گنی چنی مثالوں پر اب صرف ایک قادیانی گروہ کا اضافہ ہوا ہے جن کی تکفیر (معنی خروج از ملت) پر تمام علمائے اسلام اور عام مسلمان متفق ہوگئے ہیں کیونکہ وہ بات ہی ایسی لے کر اٹھے ہیں جس کی موجودگی میں ہمارا اور ان کا بیک وقت مسلم و مومن ہونا ممکن نہیں ہے۔ان کا نبی اگر سچا ہے تو ہم کافر ہیں اور جھوٹا ہے تو وہ کافر ہیں۔

(د) بلا شبہ ایک حدیث میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے شخص کو کافر کہے اور وہ درحقیقت کافر نہ ہو تو کفر اسی شخص کی طرف پلٹ جائے گا جس نے اسے کافر کہا تھا مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جو کوئی میری تکفیر کرے، میں جواب میں اس کی تکفیر کر ڈالوں۔ یہ بات نہ حدیث کے الفاظ سے نکلتی ہے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ منشا ہوسکتا تھا کہ جھگڑالو شخصیتوں کو تکفیر بازی کے لیے ایک ہتھیار فراہم کر دیں۔حدیث کا منشا صرف یہ ہے کہ تکفیر کا فتویٰ دیتے ہوئے آدمی کو ڈرنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جس کی وہ تکفیر کر رہا ہو وہ حقیقت میں کافر نہ ہو اور خدا کے ہاں الٹا یہ مفتی ہی کفر بانٹنے کے جرم میں پکڑا جائے۔

گواہوں کا کٹہرا علمی بحث کے لیے موزوں نہیں:

۵۔عدالت میں اسلامی ریاست اس کے نظام اس میں ذمیوں کی حیثیت' پاکستان میں اس کے قیام اور اسلامی قوانین کے اجرا، فقہ اور سنت میں مسلم فرقوں کے اختلافات' اسلام کے قوانین جنگ اور ان میں خصوصیت کے ساتھ اسیران جنگ کی حیثیت، اور اسی طرح کے دوسرے دینی و علمی مسائل بھی بار بار زیر بحث آئے ہیں۔میں محسوس کرتا ہوں کہ اس نوعیت کے جتنے سوالات بھی کیے گئے ہیں ان کے کافی وشافی جوابات عدالت میں نہیں دیئے جاسکتے۔اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ایسے مسائل پر بحث و گفتگو کے لیے یہ کوئی موزوں شکل نہیں ہے کہ سوال کرنے والا عدالت کی کرسی پر ہو اور جواب دینے والا گواہوں کے کٹہرے میں ان تمام حدود کی پابندی کے ساتھ کھڑا یا بیٹھا ہو جو عدالت میں ایک گواہ کے لیے مخصوص ہیں۔نیز جس منتشر اور غیر مرتب طریقے سے یہ سوالات گواہوں سے کیے

گئے ہیں اس کے ساتھ کسی علمی اور دینی مسئلے پر بھی تشفی بخش بحث نہیں ہوسکتی۔اس کے لیے تو ضروری ہے کہ آدمی کے سامنے ایک ایک سوال وضاحت کے ساتھ رکھا جائے' پھر اسے موقع دیا جائے کہ اس پر ایک جامع تقریر کرکے اس کے ہر گوشے پر روشنی ڈالے اور جب تک وہ مسئلہ صاف نہ ہو دوسرا سوال نہ چھیڑا جائے۔عدالتی جرح کے انداز میں سوال و جواب کسی علمی مسئلے کی بحث کو مفید نتیجے پر نہیں پہنچا سکتا۔علاوہ بریں یہ بات بھی واضح نہیں ہوسکی کہ یہ مسائل اس تحقیقات میں کس مناسبت سے زیر بحث آئے ہیں۔اگر مناسبت کا پہلو واضح ہوتا تو خاص طور پر ان مسائل کے اسی پہلو پر اچھی طرح روشنی ڈالی جاتی جس کے لحاظ سے یہ موجودہ تحقیقات سے متعلق سمجھے گئے ہیں۔بہرحال چونکہ یہ مسائل زیر بحث آگئے ہیں اور عدالت کی جو روداد یں اخبارات میں شائع ہوئی ان سے ان مسائل کے بارے میں بکثرت غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں، اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے اس بیان میں ان پر بھی کلام کروں۔

دستور یہ میں قائداعظمؒ کی افتتاحی تقریر کا صحیح مدعا:

۶۔اصولی سوالات پر بحث کرنے سے پہلے میں اس غلط فہمی کو صاف کر دینا چاہتا ہوں جو قائداعظم مرحوم کی اس تقریر[۱] سے پیدا ہوئی ہے جو انھوں نے ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی مجلس دستور ساز میں کی تھی۔اس تقریر سے تین نتیجے نکالے جاتے ہیں۔اول یہ کہ قائداعظم مرحوم نے اس تقریر میں ایک ایسی ''پاکستانی قومیت'' کی بناڈالنے کا اعلان کیا تھا جو وطنیت پر مبنی ہو اور جس میں پاکستان کے ہندو' مسلمان' عیسائی وغیرہ سب ایک قوم ہوں۔دوم یہ کہ مرحوم نے اس تقریر میں یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ پاکستان کا دستور غیر مذہبی نوعیت کا یعنی (secular) ہوگا۔سوم یہ کہ مرحوم کی اس تقریر کو کوئی ایسی آئینی حیثیت حاصل ہے جس کی وجہ سے پاکستان کے باشندے یا اس کے دستور ساز اب اس کے کھینچے ہوئے خطوط سے ہٹ نہیں سکتے۔میرے نزدیک یہ تینوں نکات جو اس

---

(۱) ہیکٹر بولیتھو: جناح، بانی پاکستان (انگریزی) پہلا ایڈیشن ۱۹۵۴ء ص ۱۹۷ (ناشر)

تقریر سے بطور نتیجہ نکالے جاتے ہیں، صحیح نہیں ہیں اور اپنی اس رائے کے لیے میرے دلائل حسب ذیل ہیں:

(الف) قائداعظم مرحوم کی اس تقریر کے الفاظ خواہ بظاہر پہلے اور دوسرے مفہوم کے حامل ہوں مگر ہمارے لیے یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ ان کا منشا بھی حقیقت میں وہی تھا جو ان کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے مرتبے کے انسان سے ہم یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ پاکستان کے قیام سے پہلے دس سال تک جن اصولوں کو بنیاد بنا کر لڑتے رہے تھے ان سے وہ پاکستان قائم ہوتے ہی یک لخت پلٹ گئے ہوں گے اور انہی اصولوں کے قائل ہو گئے ہوں گے جن کے خلاف انھوں نے اپنی ساری قوم کو ساتھ لے کر جنگ کی تھی۔ نیز ہم یہ گمان بھی نہیں کر سکتے کہ وہ قیام پاکستان کے پہلے ہی دن یکا یک اپنے ان تمام وعدوں سے پھر گئے ہوں گے جو انھوں نے بارہا صاف اور صریح الفاظ میں اپنی قوم سے کیے تھے اور جن کے اعتماد ہی پر قوم ان کو اپنا لیڈر مان کر اپنی جان و مال ان کے اشاروں پر قربان کرنے کے لیے آمادہ ہوئی تھی۔ پھر ہمارے لیے یہ ماننا بھی ممکن نہیں ہے کہ قائداعظم ایسی متضاد باتیں کر سکتے تھے کہ ۱۱/ اگست کو ایک اعلان کریں اور پھر اس کے بعد بار بار اس کے بالکل خلاف باتوں کا مسلمان پبلک کو یقین دلاتے رہیں۔ اس لیے ہمارے نزدیک ان کی مذکورۂ بالا تقریر کو ان کے اگلے اور پچھلے ارشادات کی روشنی میں سمجھنا زیادہ بہتر ہے، بہ نسبت اس کے کہ ہم اس کا کوئی ایسا مفہوم لیں جو ان کی تمام باتوں کے خلاف پڑتا ہے جو انھوں نے اس سے پہلے فرمائیں اور اس کے بعد بھی فرماتے رہے۔

(ب) سب کو معلوم ہے کہ قائداعظم کی کانگریس سے لڑائی تھی ہی دو قومی نظریے کی بنیاد پر۔ ۱۰/ اگست ۱۹۴۷ء تک ان کا مستقل نظریہ یہ تھا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں اور وہ غیر مسلموں کے ساتھ مل کر ایک متحدہ وطنی قومیت نہیں بنا سکتے۔ اس کے متعلق ان کی بہت سی تحریروں اور تقریروں میں سے صرف ایک تحریر کا اقتباس میں یہاں نقل کروں گا جو ستمبر

۱۹۴۴ء میں گاندھی جی کے ساتھ اپنی خط کتابت کے سلسلے میں لکھی تھی۔ (۱)

''ہم اس کے قائل ہیں اور ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ مسلمان اور ہندو دو بڑی قومیں ہیں جو ''قوم'' کی ہر تعریف اور معیار پر پوری اترتی ہیں۔ ہم دس کروڑ کی ایک قوم ہیں۔ مزید برآں ہم ایک ایسی قوم ہیں جو ایک مخصوص اور ممتاز تہذیب و تمدن، زبان و ادب، آرٹ اور فن تعمیر، احساس اقدار تناسب، قانونی احکام و اخلاقی ضوابط، رسم و رواج اور تقویم (کیلنڈر) تاریخ اور روایات، رجحانات اور عزائم کی مالک ہے۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ زندگی اور اس کے متعلقات کے بارے میں ہمارا اپنا ایک امتیازی زاویہ نگاہ ہے۔ اور قانون بین الاقوامی کی ہر دفعہ کے لحاظ سے ہم ایک قوم ہیں۔'' (مسٹر جناح کی تقریریں اور تحریریں۔ مرتبہ جمیل الدین احمد، ص ۱۸۱)

اب کیا ہم یہ باور کرلیں کہ ۱۱/ اگست کو یک لخت وہ تمام خصوصیتیں مٹ گئیں جو مسلمانوں کو غیر مسلموں سے جدا کر کے ایک قوم بناتی تھیں اور یکا یک ایک ایسی نئی قومیت کے اسباب فراہم ہو گئے جس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا جذب ہونا ممکن ہو گیا؟ اگر ہم اس بات کو مان لیں تو قائد اعظم مرحوم کو اس الزام سے نہیں بچایا جا سکتا کہ وہ ایک با اصول آدمی نہ تھے بلکہ محض سیاسی مصلحتوں کی خاطر اصول بناتے اور بدلتے تھے۔ مرحوم کی وفات کے پانچ سال بعد ان کی روح کو ایسے الزامات کا تحفہ پیش کرنے کے لیے میں تو کسی طرح تیار نہیں ہو سکتا۔

(ج) بے شمار شہادتیں اس امر کی موجود ہیں کہ پاکستان کے قیام سے پہلے بھی قائد اعظم مرحوم مسلمانوں سے ایک ریاست کا وعدہ کرتے رہے تھے اور اس کے بعد بھی وہ اس وعدے کو دہراتے رہے۔ پہلے کے وعدوں میں سے صرف چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۲۱/ نومبر ۱۹۴۵ء کو فرنٹیئر مسلم لیگ کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا:۔

''مسلمان پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں جہاں وہ خود اپنے ضابطہ حیات، اپنے تہذیبی ارتقاء، اپنی روایات اور اسلامی قانون کے مطابق حکمرانی کر سکیں''۔ (حوالہ مذکور ص ۴۷۳)

---

(۱) قائد اعظم مرحوم اور خان لیاقت علی خاں مرحوم کی تحریروں اور تقریروں سے اقتباسات عدالت میں پیش کردہ بیان انگریزی میں تھے۔ یہاں اشاعت کی سہولت کے لیے ان کا ترجمہ کر دیا ہے۔

پھر اسی کانفرنس میں انھوں نے ۲۴/نومبر کو تقریر کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار فرمایا:

''ہمارا دین، ہماری تہذیب اور ہمارے اسلامی تصورات وہ اصل طاقت ہیں جو ہمیں آزادی حاصل کرنے کے لیے متحرک کرتے ہیں۔'' (حوالہ مذکور، ص ۴۲۲)

پھر اسی زمانے میں اسلامیہ کالج پشاور کے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے انھوں نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

''لیگ ہندوستان کے ان حصوں میں آزاد ریاستوں کے قیام کی علم بردار ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے تاکہ وہ وہاں اسلامی قانون کے مطابق حکومت کر سکیں''

(حوالہ مذکور، ص ۴۴۶)

۱۱/اگست والی تقریر سے صرف ایک مہینہ بارہ دن پہلے ۲۹/۳۰/جون ۱۹۴۷ء کو مرحوم نے سرحد کے حالات پر ایک بیان دیتے ہوئے لکھا:

''مگر خان برادران نے اپنے بیانات میں اور اخباری ملاقاتوں میں ایک اور زہر آلود شور برپا کیا ہے کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی شریعت کے بنیادی اصولوں اور قرآنی قوانین سے انحراف کرے گی۔ یہ بات بھی قطعی طور پر غلط ہے''۔

(ڈان۔ ۳۰/جون ۱۹۴۷ء)

دوسری طرف ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کے بعد جو ارشادات قائداعظم کی زبان سے سنے گئے اور ان کے معتمد ترین رفیقوں نے ان کی جو ترجمانی بار بار خود ان کی زندگی میں کی اور جس کی کوئی تردید ان کی جانب سے نہ ہوئی اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

''پشاور ۱۴/جنوری۔ پاکستان کے وزیر اعظم مسٹر لیاقت علی خان نے اتحاد و یک جہتی کے لیے سرحد کے لوگوں سے اپیل کرتے ہوئے قائداعظم کے ان اعلانات کا پھر اعادہ کیا کہ پاکستان ایک مکمل اسلامی ریاست ہوگا...... انھوں نے فرمایا کہ پاکستان ہماری ایک تجربہ گاہ ہوگا اور ہم دنیا کو دکھائیں گے کہ تیرہ سو برس پرانے اسلامی اصول ابھی تک کارآمد ہیں۔'' (پاکستان ٹائمز۔ ۱۵/جنوری ۱۹۴۸ء)

''کراچی ۱۹۴۸/۸ جنوری۔ قائداعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان نے ایک اعزازی دعوت میں (جوانہیں کراچی بار ایسوسی ایشن کی طرف سے گذشتہ شام دی گئی) تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ''میرے لیے وہ گروہ بالکل ناقابل فہم ہے جو خواہ مخواہ شرارت پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ پروپیگنڈہ کررہا ہے کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنا پر نہیں بنے گا''۔ (پاکستان ٹائمز۔۲۷ جنوری ۱۹۴۸ء)

''راولپنڈی ۵/اپریل۔ مسٹر لیاقت علی خان وزیراعظم پاکستان نے آج راولپنڈی میں اعلان کیا کہ پاکستان کا آئندہ دستور قرآن مجید کے احکام پر مبنی ہوگا۔ انھوں نے فرمایا کہ قائداعظم اوران کے رفقا کی یہ دیرینہ خواہش رہی ہے کہ پاکستان کا نشوونما ایک ایسی مضبوط اور مثالی اسلامی ریاست کی حیثیت سے ہو جو اپنے باشندوں کو عدل وانصاف کی ضمانت دے سکے''۔ (پاکستان ٹائمز۔۱۷/اپریل ۱۹۴۸ء)

ان صاف اور صریح بیانات کی موجودگی میں قائداعظم کی ۱۱/اگست والی تقریر کا ایک ایسا مفہوم نکالنا جو ان کے تمام اگلے پچھلے ارشادات کے خلاف ہو، مرحوم کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔

کیا قائداعظمؒ کی تقریر دستوریہ کو پابند کرسکتی ہے:

(د) علاوہ بریں، اگر قائداعظم کی اس تقریر کو اس کے ٹھیٹھ لفظی مفہوم میں بھی لے لیا جائے تو ہمیں جذبات سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ غور کرنا چاہیے کہ ان کے ان ملفوظات کی آئینی حیثیت کیا ہے انھوں نے یہ تقریر خواہ صدر مجلس دستور ساز کی حیثیت سے کی ہو یا گورنر جنرل کی حیثیت سے، بہر حال کسی حیثیت میں بھی وہ مجلس دستور ساز ایک شاہانہ اختیارات رکھنے والے ادارے (sovereign body) کو اس امر کا پابند نہیں کرسکتے تھے کہ وہ دستور انہی خطوط پر بنائے جو وہ کھینچ دیں۔ رہی قوم، تو اس نے مرحوم کو اس لیے اپنا لیڈر مانا تھا کہ وہ اس کے قومی عزائم اور مقاصد پورے کرنے میں اس کی رہنمائی کریں، نہ اس لیے کہ کامیابی کے پہلے ہی روز وہ اس نصب العین کی رسم تجہیز وتکفین ادا کردیں جس کے

لیے لاکھوں مسلمانوں نے اپنی جانیں اورعزتیں اورجائیدادیں قربان کی تھیں۔یہ بات سمجھنے کے لیے کسی بڑے غوروفکر کی ضرورت نہیں ہے کہ جو بات اگست ۱۹۴۷ء میں کہی گئی تھی وہ اگر کہیں مارچ ۱۹۴۰ء میں کہہ دی جاتی تو پاکستان کا نعرہ دس کروڑ تو کیا دس ہزار مسلمانوں کو بھی جمع نہیں کرسکتا تھا۔

اسلامی ریاست نہ تھیاکریسی ہےاور نہ مغربی طرز کی جمہوریت:

اسلامی ریاست، جس کا قیام اور فروغ ہمارا نصب العین ہے، نہ تو مغربی اصطلاح کے مطابق مذہبی حکومت (theocracy) ہے اور نہ جمہوری حکومت (democracy) بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان ایک الگ نوعیت کا نظام سیاست وتمدن ہے جو ذہنی الجھنیں آج کل مغربی تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہن میں ’’اسلامی ریاست‘‘ کے تصور کے متعلق پائی جاتی ہیں وہ دراصل ان مغربی اصطلاحات کے استعمال سے پیدا ہوتی ہیں جو لازماً اپنے ساتھ مغربی تصورات اور پیچھے مغرب کی تاریخ کا ایک پورا سلسلہ بھی ان کے ذہن کے سامنے لے آتی ہیں۔مغربی اصطلاح میں مذہبی حکومت (theocracy) دو بنیادی تصوارت کا مجموعہ ہے:

(۱) خدا کی بادشاہی قانونی حاکمیت (sovereignty) کے معنی میں اور (۲) پادریوں اور مذہبی پیشواؤں کا ایک طبقہ جو خدا کا نمائندہ اور ترجمان بن کر خدا کی اس بادشاہی کو قانونی اور سیاسی حیثیت سے عملاً نافذ کرے۔

ان دو تصورات پر ایک تیسرے امرواقعی کا بھی وہاں اضافہ ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انجیل کی اخلاقی تعلیمات کے سوا کوئی قانونی ہدایت نامہ چھوڑ کر نہیں گئے۔اور سینٹ پال نے شریعت کو لعنت قرار دے کر عیسائیوں کو احکام تورات کی پابندی سے آزاد کردیا۔اب اپنی عبادات‘ معاشرت‘ معاملات اور سیاست وغیرہ کے لیے عیسائیوں کو قوانین واحکام کی جو ضرورت پیش آئی، اسے ان کے مذہبی پیشواؤں نے اپنے خودساختہ احکام سے پورا کیا اور ان احکام کو خدائی احکام کی حیثیت سے منوایا۔اسلام میں اس مذہبی حکومت (theocracy) کا صرف ایک جزو آیا ہے اور وہ ہے خدا کی حاکمیت کا

عقیدہ۔ اس کا دوسرا جزو اسلام میں قطعاً نہیں ہے۔ رہا تیسرا جزو تو اس کے بجائے یہاں قرآن اپنے جامع اور وسیع احکام کے ساتھ موجود ہے اور اس کی تشریح کے لیے نبی ﷺ کی ایسی قولی اور عملی ہدایات موجود ہیں جن کی روایات میں سے صحیح کو غلط سے ممیز کرنے کے مستند ذرائع ہمیں حاصل ہیں۔ ان دو مآخذ سے جو کچھ ہمیں ملے صرف وہی من جانب اللہ ہے۔ اس کے سوا کسی فقیہ، امام، ولی یا عالم کا یہ مرتبہ نہیں ہے کہ اس کے قول و فعل کو حکم خداوندی کی حیثیت سے بے چون و چرا مان لیا جائے۔ اس صریح فرق کے ہوتے ہوئے اسلامی ریاست کو اصطلاح میں مذہبی حکومت (theocracy) کہنا قطعاً غلط ہے۔

دوسری طرف مغرب میں جس چیز کو جمہوری حکومت (democracy) کہتے ہیں وہ بھی دو بنیادی تصورات کا مجموعہ ہے:

(۱) عوام کی قانونی اور سیاسی حاکمیت جو عوام کی اکثریت یا ان کے منتخب کیے ہوئے نمائندوں کی اکثریت کے ذریعہ سے عملاً ظہور میں آئے اور (۲) ریاست کا انتظام کرنے والی حکومت کا عوام کی آزادانہ خواہش سے بننا اور بدل سکنا۔

اسلام اس کے صرف دوسرے جزو کو لیتا ہے۔ رہا پہلا جزو تو وہ اسے دو حصوں میں تقسیم کر کے قانونی حاکمیت اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کرتا ہے جس کے احکام (خواہ وہ کتاب اللہ میں ہوں یا سنت رسول اللہ ﷺ میں) ریاست کے لیے ناقابل تغیر و تبدل قانون کی حیثیت رکھتے ہیں اور سیاسی حاکمیت کو "حاکمیت" کے بجائے "خلافت" (یعنی اللہ حاکم حقیقی کی نیابت) قرار دے کر ریاست کے عام مسلمان باشندوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ یہ خلافت مسلم عوام کی اکثریت یا ان کے معتمد علیہ نمائندوں کی اکثریت کے ذریعے سے عملاً ظہور میں آئے گی۔ اس بنیادی فرق کو دیکھتے ہوئے اسلامی ریاست کو مغربی اصطلاح کے مطابق جمہوریت (democracy) کہنا بھی کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

اسلام میں قانون سازی:

۸۔ پیراگراف نمبر ۷ میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے

کہ اسلام جس نوعیت کی ریاست بناتا ہے اس میں ایک مجلس قانون ساز (legislature) کی موجودگی ضروری ہے جو مسلم عوام کے معتمد علیہ نمائندوں پر مشتمل ہو اور جن کے اجماع یا اکثریت کے فیصلے دارالاسلام میں قانون کی حیثیت سے نافذ ہوں۔ اس مجلس (legislature) کی ترکیب، اس کے کام کا ضابطہ اور اس کے ارکان کے انتخاب کا طریقہ اسلام میں مقرر نہیں کیا گیا ہے، اس لیے ہر زمانے کے حالات وضروریات کے لحاظ سے اس کی الگ شکلیں اختیار کی جاسکتی ہیں مگر جو باتیں اصولاً طے کردی گئی ہیں وہ یہ ہیں: (۱) ریاست کا کام مشورے سے چلایا جائے۔(۲) فیصلے یا تو اجماع (اتفاق رائے) سے ہوں یا جمہور (اکثریت) کی رائے کے مطابق۔(۳) قرآن وسنت کے خلاف کوئی فیصلہ اجماع سے نہیں کیا جاسکتا۔(۴) قرآن وسنت کے احکام کی جس تعبیر پر اجماعی یا جمہوری فیصلہ ہوجائے وہ ملک کا قانون قرار پائے۔(۵) جن امور میں قرآن وسنت کا کوئی حکم موجود نہ ہو ان میں مسلم عوام کے نمائندے خود قانون بنا سکتے ہیں اور ان کا اجماعی یا جمہوری فیصلہ نافذ ہوگا۔(٦) اس امر کا کوئی موزوں انتظام ہونا چاہیے کہ افراد ریاست کے درمیان یا حکومت کے مختلف شعبوں اور اجزا کے درمیان جو نزاع بھی ہو اس کا فیصلہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں کیا جاسکے۔

اسلامی ریاست کے مطالبے کے حق میں معقول وجوہ موجود ہیں:

۹۔ پاکستان کو اس طرح کی ایک ریاست بنانے کے لیے ہمارا مطالبہ بہت سے معقول وجوہ پر مبنی ہے جن میں سے اہم ترین وجوہ تین ہیں: ایک یہ کہ یہ عین ہمارے ایمان کا تقاضا ہے اور ہم ہرگز اپنے ایمان میں مخلص نہیں ہوسکتے اگر آزادی اور اختیارات پانے کے بعد بھی ہم اُس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کو نافذ نہ کریں جس کے برحق ہونے پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ پاکستان کے قیام کا مطالبہ ہی اس لیے گیا تھا کہ یہاں ایک اسلامی ریاست قائم کی جائے جس میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام جاری ہوں اور اسی تمنا کے پیچھے لاکھوں مسلمانوں نے اپنی جانیں اور عزتیں اور جائیدادیں قربان

کیں۔تیسرے یہ کہ پاکستان کے باشندوں کی عظیم الشان اکثریت چاہتی ہے کہ ان کی قومی ریاست ایک اسلامی ریاست ہو اور اکثریت کی مرضی کو بہر حال نافذ ہونا چاہیے۔اس میں شک نہیں کہ یہاں کچھ تھوڑے سے لوگ ایسے ضرور موجود ہیں جو مغربی تہذیب و تمدن اور اس کے نظریات کو برحق سمجھتے ہیں اور ان کے لیے اسلامی ریاست کے تخیل سے اپنے ذہن کو مانوس کرنا مشکل ہو رہا ہے، نیز پاکستان کی ملازمتوں میں بھی ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہے جن کی ساری ذہنی و عملی تربیت مغربی طرز کا نظام حکومت چلانے ہی کے لیے ہوئی ہے اور انہیں اسلامی ریاست کا نظام آتے دیکھ کر طرح طرح کے خدشات لاحق ہو رہے ہیں، مگر ان کے لیے مناسب یہی ہے کہ جو چیز ہونی اور شدنی ہے، اس کے ساتھ اپنے آپ کو مطابق بنائیں جس طرح ان کے بزرگوں نے انگریزی دور کی آمد پر اپنے آپ کو نئے دور کے مطابق بنایا تھا۔ان میں اکثر لوگ ایسے ہیں جو اپنے آپ کو جمہوریت کا بڑا شیدائی ظاہر کرتے ہیں۔اب یہ سوچنا ان کا اپنا کام ہے کہ چند لوگوں یا خاندانوں کی سہولت کی خاطر ایک ایسی چیز کی مزاحمت کرنا کہاں تک صحیح ہے جسے باشندگان ملک کی اکثریت چاہتی ہو۔

اسلامی ریاست میں ذمیوں کی حیثیت:

۱۰۔اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی حیثیت کے متعلق عدالت میں جو سوالات چھیڑے گئے ہیں، ان کے جوابات سلسلہ وار حسب ذیل ہیں:

(الف) اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا کو اسلامی اصطلاح میں ''ذمی'' کہا جاتا ہے۔ذمی کوئی گالی نہیں ہے اور نہ یہ لفظ شودر اور ملیچھ کا ہم معنی ہے۔ذمہ عربی زبان میں (guarantee) کو کہتے ہیں اور ذمی وہ شخص ہے جس کے حقوق ادا کرنے اور محفوظ رکھنے کا اسلامی حکومت نے ذمہ لیا ہو۔اسلامی حکومت یہ ذمہ محض اپنی طرف سے یا مسلم باشندوں کی طرف سے نہیں بلکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے لیتی ہے اور اس کی اہمیت اس درجے کی ہے کہ اگر کسی غیر مسلم حکومت میں مسلمانوں کا قتل عام بھی کر ڈالا جائے تو ہم انتقاماً

اپنے ملک میں اس کے ہم مذہب ذمیوں کا بال تک بیکا نہیں کر سکتے۔ ایک اسلامی حکومت میں کوئی پارلیمنٹ ان کے شرعی حقوق غصب کرنے کی سرے سے مجاز ہی نہیں ہے۔

(ب) ذمیوں کی تین قسمیں ہیں: اول وہ جو کسی معاہدے کے ذریعہ سے اسلامی حکومت کے تابع ہوئے ہوں۔ دوم وہ جو بزور شمشیر فتح ہوئے ہوں۔ سوم وہ جو نہ مفتوح ہوں اور نہ جن سے کوئی باقاعدہ معاہدہ ہی ہوا ہو۔ پہلی قسم کے ذمیوں سے اس معاہدے کے مطابق برتاؤ کیا جائے گا جو ان سے طے کیا گیا ہو۔ دوسری قسم کے ذمیوں کو وہ حقوق دیئے جائیں گے جو شریعت میں اہل ذمہ کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ رہے تیسری قسم کے ذمی، تو انہیں بہرحال دوسری قسم والوں کے حقوق تو دیئے ہی جائیں گے، اور مزید ایسے حقوق بھی ہم ان کو دے سکتے ہیں جو اسلامی اصولوں سے نہ ٹکراتے ہوں اور جنھیں دینا ہم اپنے حالات کے لحاظ سے مناسب سمجھیں۔

(ج) ذمیوں کے کم سے کم حقوق جو شریعت میں مقرر کیے گئے ہیں، یہ ہیں: مذہب کی پوری آزادی، مذہبی تعلیم کی اجازت، مذہبی لٹریچر طبع اور شائع کرنے کی اجازت، قانون کے حدود میں مذہبی بحث کی آزادی، معابد کی حفاظت، پرسنل لا کی حفاظت، جان و مال اور عزت کی حفاظت، دیوانی اور فوجداری قوانین میں مسلمانوں کے ساتھ پوری مساوات، حکومت کے عام برتاؤ میں ذمی اور مسلم رعایا کے درمیان عدم امتیاز۔ معاشی کاروبار کے ہر میدان میں مسلمانوں کی طرح یکساں مواقع، حاجت ہونے کی صورت میں مسلمان کی طرح ذمی کا بھی بیت المال سے مدد پانے کا استحقاق۔ یہ حقوق اسلامی ریاست صرف کاغذ ہی پر نہیں دیتی بلکہ وہ اپنے دین و ایمان کی رو سے عملاً انہیں ادا کرنے پر مجبور ہے۔ قطع نظر اس سے کہ غیر مسلم ریاستیں مسلمانوں کو کاغذ پر کیا حقوق دیتی ہیں اور عملاً کیا۔

(د) ذمیوں کو صرف امصار مسلمین میں نئے معابد بنانے سے روکا گیا ہے البتہ اگر ان کے پرانے معابد وہاں موجود ہوں تو وہ ان کی حفاظت اور مرمت کر سکتے ہیں۔ اب امصار مسلمین سے مراد وہ شہر ہیں جو مسلمانوں نے خاص اپنے لیے آباد کیے ہوں، جیسے کوفہ

اور بصرہ اور فسطاط۔ باقی رہے ملک کے دوسرے شہر اور قصبے اور دیہات، تو ان کو وہاں نئے معابد تعمیر کرنے اور پرانے معابد کی مرمت کرنے کی پوری آزادی ہوگی۔

(ہ) ذمیوں پر لباس وغیرہ کے متعلق جن قیود کا ذکر بعض فقہی کتابوں میں کیا گیا ہے اس سے کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہونی چاہیے۔ دراصل یہ تین قسم کی قیود تھیں جو پہلی دوسری صدی ہجری کے فقہاء نے حالات وضروریات کے لحاظ سے عائد کی تھیں:

پہلی قسم کی قیود وہ تھیں جن میں ذمیوں کو فوجی وردی استعمال کرنے سے روکا گیا تھا۔ مسلمانوں کو اس چیز سے اس لیے نہیں روکا گیا کہ ہر بالغ مسلمان مرد کے لیے اس وقت فوجی خدمت لازمی تھی اور ذمی اس سے مستثنیٰ تھے۔

دوسری قسم کی قیود وہ تھیں جن میں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے اور غیر مسلموں کو مسلمانوں کے مشابہ بننے سے روکا گیا تھا، کیونکہ اس طرح کے تشبہ میں بہت سی قباحتیں ہیں۔ اس میں اندیشہ ہے کہ مختلف تہذیبوں کے مصنوعی اختلاط سے ایک دوغلی تہذیب پیدا ہوجائے گی۔ اس میں یہ بھی اندیشہ ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی غلبے سے مرعوب ہوکر غیر مسلموں میں وہ غلامانہ خصوصیات پیدا ہوجائیں گی جن کی وجہ سے مغلوب قوم اپنے لباس اور اپنی معاشرت میں غالب قوم کی نقل اتارنے لگتی ہے۔ اسلام اس طرح کی ذہنیت کو کسی کافر میں بھی پرورش ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا۔ اسی لیے غیر مسلموں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی تہذیب ومعاشرت اور اپنے مذہب کی خصوصیات کو محفوظ رکھیں اور مسلمانوں کی ریس نہ کریں۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب بدائع الصنائع میں یہ حکم ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

ان اھل الذمۃ یوخذون باظھار علامات یعرفون بھا ولا یترکون یتشبھون بالمسلمین فی لباسھم: (جلد ۷، ص ۱۱۱)

اہل ذمہ کو ایسی علامت اور نشانیاں رکھنے کا پابند کیا جائے گا جن سے وہ پہچانے جائیں اور ان کو اپنے لباس میں مسلمانوں کے مشابہ بننے سے روکا جائے گا۔

علاوہ بریں اس میں قانونی پیچیدگیاں پیدا ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ مثلاً مسلمانوں کے لیے شراب پینا، رکھنا اور بیچنا فوجداری جرم ہے اور ذمیوں کے لیے یہ جرم نہیں ہے۔

اب اگر ایک مسلمان ذمیوں کے مشابہ لباس پہنے تو وہ پولیس کے مواخذہ سے بچ سکتا ہے اور اگر ایک ذمی مسلمانوں کے مشابہ بن کر رہے تو وہ پولیس کی گرفت میں آسکتا ہے۔ تیسری قسم کی قیود اس وقت کے مخصوص حالات کی وجہ سے عائد کی گئی تھیں۔ اس وقت سندھ سے لے کر اسپین تک بہت سے ممالک مسلمانوں کی تلوار سے مفتوح ہوئے تھے اور قدرتی طور پر ان سب ملکوں کی آبادی میں سابق حکمران طبقوں کے ایسے کثیر التعداد لوگ موجود تھے جن میں اپنا کھویا ہوا اقتدار واپس لینے کا دم داعیہ تھا۔ مسلمانوں نے دنیا کے دوسرے فاتحین کی طرح ان طبقوں کو تہ تیغ نہیں کیا تھا، بلکہ ذمی بنا کر محفوظ و مامون کر دیا تھا۔ مگر بہرحال سیاسی مصالح کی بنا پر ان کو کچھ نہ کچھ دبا کر رکھنا ضروری تھا تاکہ وہ پھر سر اٹھانے کی ہمت نہ کریں۔ اس لیے ان کو اپنی سواریوں اور اپنے لباس اور دوسرے لوازم معاشرت میں وہ شان دکھانے سے روک دیا گیا جس سے ان کے دور حکمرانی کی یاد تازہ ہوتی ہو۔ اس طرح کے احکام وقتی تھے نہ کہ ابدی اور یہ احکام چاہے فقہ کی کتابوں ہی میں لکھے گئے ہوں مگر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمام اہل ذمہ پر ان کو چسپاں نہیں کیا جا سکتا۔

(و) اسلامی حکومت میں کوئی غیر مسلم صدر ریاست، وزیر، سپہ سالار، قاضی اور ایسے کلیدی مناصب کا حامل نہیں بن سکتا جہاں وہ حکومت کی پالیسی میں حصہ دار ہو سکے۔ اس کی وجہ کوئی تعصب نہیں ہے بلکہ اس کی صاف اور سیدھی وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت ایک نظریے کو اچھی طرح سمجھتا ہو اور اس کی صحت و صداقت پر ایمان رکھتا ہو۔ اسلامی حکومت چونکہ خلوص اور ایمان داری پر قائم ہوتی ہے اس لیے وہ اپنی غیر مسلم رعایا میں بھاڑے کے ٹٹوؤں کی سی ذہنیت (mercenary spirit) پیدا کرنا پسند نہیں کرتی۔ اس کے برعکس وہ ان سے کہتی ہے کہ اگر تم ہمارے نظریے اور اصولوں کو صحیح سمجھتے ہو تو ان کی صداقت کا علانیہ اقرار کرو، تمہارے لیے حکمران جماعت میں شامل ہونے کے مواقع کھلے ہوئے ہیں۔ اور اگر تم ان کی صداقت پر ایمان نہیں رکھتے تو محض پیٹ اور جاہ طلبی کی خاطر اس نظام کو چلانے اور فروغ دینے کے لیے نہ آؤ جسے عقیدتاً تم غلط سمجھتے ہو۔

(س) ہمارے لیے یہ سوال قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ غیر مسلم حکومتیں اپنے دائرہ اقتدار میں مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہیں اور کیا نہیں کرتیں۔ ہم جس چیز کو حق سمجھتے ہیں اس پر اپنے ملک میں عمل کریں گے اور دوسرے جس چیز کو حق سمجھیں اسے عمل میں لانے کے لیے وہ آزاد ہیں۔ آخر کار ہمارا اور ان کا مجموعی طرز عمل دنیا کی رائے عامہ کے سامنے واضح کر دے گا کہ ہم کیا ہیں اور وہ کیا۔ ہم بہر حال یہ مکاری نہیں کر سکتے کہ اپنے دستور کے صفحات پر غیر مسلموں کو سارے نمائشی حقوق دے دیں مگر عملاً ان کی وہ حالت بنا کر رکھیں جو ہندوستان میں مسلمانوں کی، امریکہ میں حبشیوں اور ریڈ انڈین قبائل کی اور روس میں غیر اشتراکی لوگوں کی ہے۔ رہا یہ سوال کہ کیا ایسی حالت میں غیر مسلم اقلیتیں اسلامی حکومت کی وفادار بن کر رہ سکیں گی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وفاداری اور ناوفاداری دستور کے چند لفظوں سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس مجموعی برتاؤ سے پیدا ہوتی ہے جو حکومت اور اکثریت اپنی زیر اثر اقلیتوں کے ساتھ عملاً اختیار کرے۔

مرتد کی سزا اسلام میں:

۱۱۔ عدالت میں مرتد کی سزا کا مسئلہ بھی چھیڑا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں مرتد کی انتہائی سزا قتل ہے۔ اگر کوئی کہنا چاہے کہ ایسا نہ ہونا چاہیے تو یہ بات کہنے کا اسے اختیار ہے لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ اسلام میں فی الواقع ایسا کوئی قانون نہیں ہے، تو وہ یا تو اسلامی قانون سے ناواقف ہے یا پھر ''شماتت ہمسایہ'' سے شرما کر اپنے دین کے ایک حکم پر پردہ ڈالتا ہے۔ اسلام کے اس قانون کو سمجھنے میں لوگوں کو جو الجھنیں پیش آتی ہیں، ان کے کئی وجوہ ہیں:

اول یہ کہ وہ اسلام بحیثیت مذہب اور اسلام بحیثیت ریاست کا فرق نہیں سمجھتے اور ایک کا حکم دوسرے پر چسپاں کرنے لگتے ہیں، حالانکہ ان دونوں حیثیتوں اور ان کے احکام میں فرق ہے۔

دوم یہ کہ وہ موجودہ حالات کو نگاہ میں رکھ کر اس حکم پر غور کرتے ہیں جب کہ غیر مسلم

حکومتوں ہی میں نہیں، خود مسلمانوں کی اپنی حکومتوں میں بھی غیر اسلامی تعلیم اور غیر اسلامی تہذیب کے غلبے سے مسلمانوں کی نئی نسلوں میں بکثرت لوگ گمراہ ہو کر اٹھ رہے ہیں۔ حالانکہ اگر ایک صحیح اسلامی حکومت موجود ہو تو اس کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ ان تمام اسباب کا سدباب کرے جن سے کوئی مسلمان واقعی اسلام سے غیر مطمئن اور ارتداد پر آمادہ ہو سکتا ہو۔ جہاں اسلامی حکومت اپنے حقیقی فرائض انجام دے رہی ہو، وہاں تو غیر مسلموں کا کفر پر مطمئن رہنا بھی مشکل ہے، کجا کہ ایک مسلمان الٹا اسلام سے غیر مطمئن ہو جائے۔

سوم یہ کہ وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ مسلم سوسائٹی ہی وہ چٹان ہے جس پر اسلامی ریاست کا قصر تعمیر ہوتا ہے اور اسی چٹان کے استحکام پر ریاست کے استحکام کا پورا انحصار ہے۔ آخر دنیا میں وہ کون سی ریاست ہے جو اپنے اندر اپنی تخریب کے اسباب و وسائل کو پرورش کرنا یا گوارا ہی کرنا پسند کرتی ہو؟ ہم اپنی حد تک اپنی ریاست کی بنیادی چٹان کے ہر ذرے کو چٹان سے بدل وجان وابستہ رکھنے کی پوری کوشش کریں گے۔ پھر بھی اگر کوئی ذرہ ایسا نکل آئے جو علیحدگی کو ہی ترجیح دیتا ہو تو ہم اس سے کہیں گے کہ تمہیں علیحدہ ہونا ہے تو ہمارے حدود سے باہر نکل جاؤ، ورنہ یہاں ہم تمہیں دوسرے ذروں کی پراگندگی کا سبب بننے کے لیے آزاد نہ چھوڑیں گے۔

چہارم یہ کہ وہ اس غلط فہمی میں ہیں کہ ہر قسم کے مرتد کو ہر حال میں ضرور قتل ہی کیا جائے گا۔ حالانکہ ایک جرم کی انتہائی سزا شدید ترین نوعیت جرم پر دی جاتی ہے نہ کہ مجرد جرم پر۔ ایک شخص عقائد کی حد تک اسلام سے منحرف ہو کر رہ جاتا ہے۔ دوسرا شخص اسلام کو اعلانیہ چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب میں جا ملتا ہے۔ تیسرا شخص مرتد ہونے کے بعد اسلام کی مخالفت میں عملی سرگرمیاں دکھانے لگتا ہے۔ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی قانون اس طرح کے تمام مختلف آدمیوں کو ہر حال میں ایک ہی نگاہ سے دیکھے گا؟

اسلامی قانون جنگ اور غلامی:

۱۲۔ اسلامی قانون جنگ اور خصوصاً غلامی کے مسئلے پر بھی عدالت میں کچھ سوالات

کیے گئے ہیں۔اس سلسلے میں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام کا قانون جنگ حقیقت میں ایک قانون ہے جس پر اسلامی ریاست میں لازماً عمل کیا جائے گا، قطع نظر اس سے کہ دوسری قومیں، جن سے ہماری جنگ ہو اس کے مقرر کردہ قواعد اور حدود کو ملحوظ رکھیں یا نہ رکھیں۔اس کے برعکس جس چیز کو بین الاقوامی قانون جنگ کہتے ہیں وہ حقیقت میں قانون نہیں ہے بلکہ بین الاقوامی راضی ناموں کا ایک مجموعہ ہے جس کے قواعد اور حدود کی پابندی ہر قوم نے اس امید اور سمجھوتے پر قبول کی ہے کہ دوسری قومیں بھی جنگ میں انہیں ملحوظ رکھیں گی۔اسلام نے ہمیں جنگ کے چند کم سے کم حدود تہذیب و اخلاق کا تو پابند کر دیا ہے جنھیں اگر دوسرے توڑ بھی دیں تو ہم بہر حال نہیں توڑ سکتے اور ان سے زائد اگر کچھ مزید مہذب قوانین پر دوسری قومیں راضی ہوں تو ہم نہ صرف یہ کہ ان کے ساتھ ایسے سمجھوتے کرنے کے لیے آزاد ہیں، بلکہ ان سب سے بڑھ کر یہ ہمارا منصب ہے کہ انہیں جنگ میں مزید تہذیب اختیار کرنے کی ترغیب دیں۔مثال کے طور پر غلامی ہی کے مسئلے کو لے لیجیے۔اسلام نے اس کی اجازت اس حالت میں دی ہے جب کہ دشمن نہ تبادلہ اسیران جنگ پر راضی ہو اور نہ فدیے کے عوض اپنے قیدی چھڑانا اور ہمارے قیدی چھوڑنا قبول کرے۔ اس صورت میں اسلام نے قیدیوں کو جیلوں اور اجتماعی کیمپوں میں رکھ کر جبری محنت لینا پسند نہ کیا بلکہ انہیں افراد میں تقسیم کر دینے کو ترجیح دی تا کہ ان کا مسلمانوں میں جذب ہو جانا زیادہ آسانی کے ساتھ ممکن ہو۔یہ صحیح ہے کہ اس زمانے میں دنیا کے دوسرے ممالک بھی قیدیوں کو غلام ہی بنا کر رکھتے تھے اور غلامی کا لفظ ہمارے اور ان کے درمیان ضرور مشترک تھا مگر جہاں تک غلامی کی حقیقت کا تعلق ہے، اسے جس طرح اسلام نے بدلا، اس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔آخر وہ دنیا کی کون سی قوم ہے جس میں اس کثرت سے غلام اور غلام زادے امامت اور قضا اور سپہ سالاری اور امارت و فرمانروائی کے مرتبوں پر پہنچے ہوں؟ یہ تو وہ کم سے کم تہذیب و انسانیت کی حد تھی جس پر اسلامی قانون نے ہمیں قائم کیا۔اب اگر دنیا کی قومیں تبادلہ اسیران جنگ کا قاعدہ قبول کر چکی ہیں تو اسلام میں کوئی چیز اس کا خیر مقدم کرنے سے

ہم کونہیں روکتی۔ ہمارے لیےتو یہ خوشی کا مقام ہے کہ دنیا بالآخراس بات پر راضی ہوگئ جس پر ہم صدیوں پہلے اسے راضی کرنا چاہتے تھے۔

اسلام اور فنون لطیفہ:

۱۳۔ یہ سوال بھی اٹھایا گیاہے کہ اسلامی حکومت میں آرٹ کا کیا حشر ہوگا؟ اور اس سلسلہ میں تصور، ڈرامے، موسیقی، سینما اور مجسموں کا خاص طور پر نام لیا گیاہے۔ میں اس سوال کا یہ مختصر جواب دوں گا کہ آرٹ تو انسانی فطرت کی ایک پیدائشی امنگ ہے جسے خود خالق فطرت نے اپنے ہر کام میں ملحوظ رکھا ہے، اس لیے بجائے خود اس کے ناجائز یا ممنوع ہونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ مگر آرٹ کے مظاہر لازماً وہی نہیں ہیں جو اس وقت مغربی تہذیب میں پائے جاتے ہیں بلکہ ہر تہذیب اپنے اصول اور نظریات اور رجحانات کے مطابق فطرت کی اس امنگ کا اظہار مختلف جاموں میں کرتی ہے۔ اور دوسری تہذیبوں کے اختیار کردہ جاموں کے جواز وعدم جواز کا فیصلہ کیا کرتی ہے۔ آخر یہ کیوں فرض کرلیا گیا ہے کہ ''آرٹ'' بس اسی چیز کا نام ہے جو مغرب سے درآمد ہو رہی ہے اور اگر اس پر کسی قسم کی پابندیاں عائد کی گئیں تو بجائے خود آرٹ ہی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اسلام آرٹ کے متعلق خود اپنا ایک نظریہ رکھتا ہے۔ وہ فطرت کی اس امنگ کو بت پرستی اور شہوانیت کی راہوں پر جانے سے روکتا ہے اور اس کے ظہور کے لیے دوسرے راستے دکھاتا ہے۔ اس کی حکومت میں لازماً اس کا اپنا ہی نظریہ فرماں روا ہوگا، مغربی تہذیب کے نظریات کی فرماں روائی بہرحال جاری نہ رہ سکے گی۔

فقہی اختلافات اسلامی ریاست کے قیام میں حائل نہیں:

۱۴۔ یہ سوال بھی چھیڑا گیاہے کہ مسلمان فرقوں کے درمیان اعتقادی اور فقہی اختلافات کی کیا نوعیت ہے اور یہ کہ جب ان کے درمیان بنیادی امور میں بھی اتفاق نہیں ہے، حتیٰ کہ ''سنت'' تک شیعوں اور سنیوں میں متفق علیہ نہیں ہے تو ایک اسلامی ریاست کا نظام کیسے چل سکتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں میرے نزدیک صرف اتنی تصریح کافی ہے

کہ پاکستان میں ہم کو روایتی ۷۳ فرقوں سے عملاً کوئی سابقہ درپیش نہیں ہے اور ہر نیا خیال جسے کسی شخص نے کسی اخبار یا رسالے میں پیش کیا ہو اور کچھ منتشر لوگوں نے قبول کر لیا ہو، کوئی قابل ذکر فرقہ نہیں بنا دیتا۔ ہمارے ملک میں بالفعل صرف تین فرقے پائے جاتے ہیں: (۱) حنفی، جو دیوبندیوں اور بریلویوں میں تقسیم ہونے کے باوجود فقہ میں متفق ہیں۔ (۲) اہل حدیث اور (۳) شیعہ۔ ان تین فرقوں کے اختلافات عملاً ایک اسلامی ریاست کا نظام بننے اور چلنے میں کوئی مشکل پیدا نہیں کرتے۔ اگر یہ اصول مان لیا جائے کہ پرسنل لا، مذہبی رسوم وعبادات اور مذہبی تعلیم کی حد تک ہر فرقے کا مسلک دوسرے فرقے کی مداخلت سے محفوظ رہے گا اور ملک کا انتظام ان قواعد اور قوانین کے مطابق چلے گا جو پارلیمنٹ کی اکثریت طے کرے۔ اس سلسلے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں ''۷۳ فرقوں'' کے اس افسانے کی حقیقت بھی کھول دوں جس سے خواہ مخواہ ناواقف لوگ اپنے ذہن کو بھی الجھاتے ہیں اور دوسروں کے ذہنوں میں بھی الجھنیں پیدا کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمان فرقوں کی وہ کثیر تعداد جس کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے، اس کا بہت بڑا حصہ کاغذی وجود کے سوا نہ پہلے کوئی وجود رکھتا تھا اور نہ اب رکھتا ہے۔ جس شخص نے بھی کوئی نرالا خیال پیش کیا اور اس کے سو پچاس حامی پیدا ہو گئے اسے ہمارے مصنفین نے ایک فرقہ شمار کر لیا۔ اس طرح کے فرقوں کے علاوہ ایک معتدبہ تعداد ایسے فرقوں کی بھی ہے جو گذشتہ تیرہ سو برس کی مدت میں بھی ہوئے اور مٹ بھی گئے۔ اب دنیا میں مسلمانوں کے بمشکل ۶ / ۷ فرقے باقی ہیں جنہیں اصولی اختلافات کی بنا پر مستقل فرقہ کہا جا سکتا ہے اور جو اپنی تعداد کے لحاظ سے قابل ذکر ہیں۔ ان میں بھی بعض فرقے بہت قلیل التعداد ہیں اور یا تو خاص علاقوں میں مجتمع ہیں یا دنیا بھر میں اس طرح منتشر ہیں کہ کہیں بھی کوئی قابلِ لحاظ آبادی نہیں ہے۔ دنیا میں بڑے مسلم فرقے صرف دو ہی ہیں۔ ایک سنی، دوسرے شیعہ۔ ان میں سے امت کا سواد اعظم سنیوں پر مشتمل ہے اور ان کے ضمنی فرقوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو حقیقتاً دوسرے سنی فرقوں سے کوئی اصولی اختلاف رکھتا ہو۔ یہ صرف مذاہب

فکر (school of thought) ہیں جن کو مناظرہ بازیوں نے خواہ مخواہ فرقوں کی شکل دے رکھی ہے۔ اگر کوئی عملی سیاست دان دنیا کے کسی ملک میں اسلامی حکومت قائم کرنا چاہے تو ان اختلافات کی موجودگی کہیں بھی سدِ راہ نہیں ہو سکتی۔

جماعت اسلامی اور ڈائریکٹ ایکشن:

۱۵۔ اب میں ان حالات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کروں گا جو ڈائریکٹ ایکشن اور مخالف احمدیت تحریک کے سلسلے میں براہ راست مجھ سے متعلق ہیں۔ میں نے اپنے ۲۹ / جولائی کے بیان میں اس قدر زیادہ تفصیلات پیش کرنا غیر ضروری سمجھا تھا مگر اب جو شہادتیں آپ کی عدالت میں پیش ہوئی ہیں ان میں بکثرت باتیں خلاف واقعہ ہیں، اس لیے میں ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ صحیح واقعات پوری وضاحت کے ساتھ تحریر کر دوں۔

۱۶۔ کنونشن کی سبجکٹس کمیٹی میں (جس کا اجلاس ۱۶/اور ۱۷ یا ۱۷/اور ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب کو ہوا تھا) میری یہ تجویز کافی بحث کے بعد بالاتفاق پاس ہوئی تھی کہ قادیانیت کے بارے میں کوئی الگ جدوجہد نہ کی جائے بلکہ اس معاملے کو اس جدوجہد میں ضم کر دیا جائے جو بی۔ پی۔ سی رپورٹ کی اصلاح کے لیے کی جانے والی ہے۔ یہ فیصلہ اس وقت لکھ لیا گیا تھا اور طے ہوا تھا کہ دوسرے دن یہی تجویز سبجکٹس کمیٹی کی طرف سے کنونشن میں پیش کی جائے گی۔ کم از کم میرے سامنے کسی شخص نے اس فیصلے کے تحریر کیے جانے کے وقت اظہار اختلاف نہیں کیا۔

۱۷۔ دوسرے روز غالباً ۱۸/ جنوری کو جب میں کنونشن کے اجلاس میں پہنچا تو میرے بیٹھتے ہی صاحب صدر مولانا ابوالحسنات نے اپنا یہ فیصلہ سنایا کہ ''یہ کنونشن صرف تحفظ ختم نبوت کے لیے بلائی گئی ہے' یہاں کوئی دوسرا مسئلہ حتیٰ کہ اسلامی دستور کا مسئلہ بھی نہیں چھیڑا جا سکتا۔'' اس کے بعد فوراً تاج الدین انصاری صاحب اٹھے اور انھوں نے ایک لکھا لکھایا ریزولیوشن پڑھنا شروع کر دیا جس میں وزیراعظم کے پاس وفد بھیجنے اور ان کو مطالبات تسلیم کرنے کے لیے ایک مہینے کا نوٹس دینے اور عدم تسلیم کی صورت

میں ڈائریکٹ ایکشن شروع کردینے کی تجویز درج تھی۔ مجھے اس وقت قطعاً یہ معلوم نہیں ہوا کہ میرے آنے سے پہلے ہی سبجکٹس کمیٹی کی طے کردہ تجویز کنونشن میں پیش بھی ہوچکی ہے اور رد بھی کی جاچکی ہے۔ یہ بات ایک مدت دراز کے بعد مجھے اب معلوم ہوئی ہے۔ بعض گواہوں نے غالباً صحیح واقعہ یاد نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہہ دیا ہے کہ سبجکٹس کمیٹی کا فیصلہ خود میں نے کنونشن میں پیش کیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ سب کنونشن کے سامنے سرے سے وہ دلائل آئے ہی نہیں جو میں اس فیصلے کے حق میں رکھتا تھا اور مجھے شبہ ہے کہ سبجکٹس کمیٹی کے جو ارکان وہاں موجود تھے انھوں نے بھی کنونشن کو یہ بتانے کی کوشش نہیں کی کہ رات سبجکٹس کمیٹی کن وجوہ سے اس فیصلے پر پہنچی تھی۔ میری غیر موجودگی میں یہ ایک لاوارث تجویز تھی جو حاضرین کے سامنے پیش کی گی اور مولانا عبدالحلیم قاسمی کی شہادت کے مطابق شور و ہنگامہ میں رد کردی گئی۔

۱۸۔ ڈائریکٹ ایکشن کا ریزولیوشن جب پیش ہوا اس وقت میرا فوری ردعمل یہ تھا کہ اٹھ کر اس کی مخالفت کروں اور اگر یہ لوگ نہ مانیں تو کنونشن سے اپنی اور جماعت اسلامی کی علیحدگی کا اعلان کردوں۔ چنانچہ اسی نیت سے میں نے تقریر کی اجازت کے لیے صدر کو ایک چٹ لکھ کر بھی دے دی تھی لیکن مزید غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ علیحدگی اختیار کرکے میں اپنا دامن تو ایک غلط اور نقصان دہ کارروائی کی ذمہ داری سے بچالوں گا مگر ملک کو، اور خصوصاً پنجاب کے مسلمانوں کو ان نقصانات سے نہ بچاسکوں گا جو اس اقدام سے پہنچنے یقینی تھے۔ اس لیے میں نے اپنی رائے بدل دی اور براہ راست اس ریزولیوشن کی مخالفت کرنے کے بجائے یہ تجویز پیش کی کہ ایک مرکزی مجلس عمل بنائی جائے جو کنونشن کی شریک جماعتوں کے ذمہ دار لیڈروں پر مشتمل ہو اور یہ پوری تحریک کلیتہً اسی مجلس کی رہنمائی میں چلائی جائے، اس کے سوا کسی اور کو اس سلسلے میں کوئی پروگرام بنانے یا کارروائی کرنے کا اختیار نہ ہو۔ اس تجویز سے میرا مقصد یہ تھا کہ معاملہ جب چند ذمہ دار لیڈروں کے ہاتھ میں دیا جائے گا تو ان کو وہ نشیب و فراز اچھی طرح سمجھائے جاسکیں گے جو

اس وقت کنونشن کے حاضرین نہیں سمجھ سکتے اور بہرحال اس طرح کی ایک مجلس اندھا دھند کارروائیاں کرنے پر آمادہ نہ ہوگی۔ میری یہ تجویز وہاں مان لی گئی اور جہاں تک مجھے یاد ہے حسب ذیل آٹھ ارکان اسی وقت مرکزی مجلس کے رکن منتخب ہوگئے۔ مولانا ابوالحسنات صاحب، مولانا احتشام الحق صاحب' مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ)' حافظ کفایت حسین صاحب' ابوالاعلیٰ مودودی' پیر صاحب سرسینہ شریف' مولانا عطاء اللہ بخاری اور ماسٹر تاج الدین انصاری۔ ان آٹھ ارکان کو یہ اختیار دیا گیا کہ اپنے ساتھ سات مزید ارکان کو شامل کرکے مجلس کی ترکیب مکمل کرلیں۔ ارکان کے اس انتخاب کے بعد کنونشن نماز مغرب سے کچھ پہلے برخاست ہوگیا۔

۱۹۔ ۱۸/ جنوری کی رات کو اگر مرکزی مجلس عمل کے کچھ ارکان کہیں جمع ہوئے اور انھوں نے کچھ فیصلے کیے تو نہ ان کے اس اجتماع کو مرکزی مجلس کا اجلاس کہا جاسکتا ہے اور نہ ان کے یہ فیصلے مجلس کے باضابطہ فیصلے کہے جاسکتے ہیں۔ اس لیے کہ اس اجلاس کی کوئی اطلاع مجھے اور مجلس کے بعض دوسرے ارکان کو نہیں دی گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ اب اخبارات میں مولانا ابوالحسنات صاحب اور بعض دوسرے اصحاب کی شہادتیں پڑھ کر یہ بات پہلی مرتبہ میرے علم میں آئی ہے کہ ان حضرات نے ۱۸/ جنوری کی رات کو کسی دعوت کے موقع پر مجھے اس اجلاس کی دعوت دی تھی۔ نیز یہ بیان بھی بالکل خلاف واقعہ ہے کہ اس اجلاس میں میری طرف سے سلطان احمد صاحب شریک ہوئے۔

۲۰۔ تاہم اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ۱۸/ جنوری کی رات کو مرکزی مجلس کا کوئی اجلاس ہوا تھا تو اس وقت زیادہ سے زیادہ جو کارروائی ہوسکتی تھی وہ بس یہ ہوسکتی تھی کہ سات آدمیوں کو (co-opt) کرنے کا فیصلہ کیا جاتا۔ اس کے بعد ضروری تھا کہ ان سات آدمیوں کو اس فیصلے کی اطلاع دی جاتی' پھر ان کی منظوری حاصل کرنے کے بعد باقاعدہ اطلاع دے کر مجلس کا مکمل اجلاس بلایا جاتا اور اس اجلاس میں آگے کام کا کوئی پروگرام بنایا جاتا۔ آخر یہ کس طرح ممکن ہے کہ دو چار دن کے اندر یہ سارے مراحل طے بھی ہوگئے ہوں اور

ایک باقاعدہ اجلاس میں وہ وفد ترتیب بھی دے دیا گیا ہو جو ۲۳/جنوری کو ایک مہینے کا نوٹس دینے کے لیے خواجہ ناظم الدین سے ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ۲۴/جنوری کی صبح تک کراچی میں رہا ہوں اور اس پوری مدت میں مجھے ان کارروائیوں کی کوئی خبر نہیں ہوسکی جو یہ چند حضرات بطورِ خود کرتے رہے۔ ۲۴/کی صبح کو کراچی سے روانہ ہونے کے بعد ریل میں وفد کی ملاقات کا ذکر اخبارات میں میری نگاہ سے گزرا اور میں اس پر حیران رہ گیا۔ میں پھر اس بات کو پورے زور کے ساتھ دہراتا ہوں کہ اس وفد کو نہ کنونشن نے ترتیب دیا تھا اور نہ مرکزی مجلس عمل کے کسی باقاعدہ اجلاس نے۔

۲۱۔ پھر اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ ایک باقاعدہ وفد تھا تو عقل عام اور دنیا بھر کے مسلمہ طریق کار کا تقاضا یہ تھا کہ یہ وفد وزیر اعظم سے گفتگو کرنے کے بعد مرکزی مجلس عمل کو اپنی رپورٹ پیش کرتا۔ پھر یہ فیصلہ کرنا اس مجلس کا کام تھا کہ وزیر اعظم کا جواب قابل اطمینان ہے یا نہیں اور اس پر آگے کیا قدم اٹھانا چاہیے۔ خواجہ ناظم الدین صاحب کے ساتھ وفد کی گفتگو کا خلاصہ مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی نے اب عدالت کے سامنے بیان کیا ہے۔ یہ پہلی مرتبہ ان کی شہادت سے میرے علم میں آیا ہے۔ میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر مرکزی مجلس کا کوئی اجلاس ہوتا اور اس میں یہ خلاصہ بیان کیا جاتا تو مجلس کبھی اس نتیجے پر نہیں پہنچ سکتی تھی کہ خواجہ صاحب کا جواب اس حد تک ناقابل اطمینان ہے کہ اس پر آگے کسی مزید گفت وشنید کا امکان نہیں اور بس اب ڈائریکٹ ایکشن ہی شروع کر دینا چاہیے۔ مگر ان حضرات نے وزیر اعظم سے ملاقات کے بعد بطورِ خود ہی یہ فیصلہ کر دیا کہ ان کا جواب مایوس کن ہے اور پھر بطورِ خود ہی وہ کارروائی بھی شروع کر دی جو اس مایوس کن جواب کے بعد وہ کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت تک بھی ہمیں معلوم نہیں ہوسکا ہے کہ ۲۳/جنوری کے بعد سے ۲۶/فروری تک جو سرگرمیاں مسلسل جاری رہیں اور ایک مہینے کی معیاد گزرنے پر جس اقدام کا لوگوں کو متوقع کیا گیا اس کا فیصلہ مرکزی مجلس عمل کے کس اجلاس میں ہوا تھا اور کب یہ پروگرام بنایا گیا تھا؟

۲۲۔آگے بڑھنے سے پہلے میں ایک خاص واقعے کی حقیقت کھولنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ۱۵ /فروری کو ایک جلسہ عام میں میرا نام لے کر یہ اعلان کیا گیا کہ اس نے جلسے میں عدم شرکت کی معذرت لکھ کر بھیجی ہے اور یہ لکھا ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ درحقیقت یہ محض ایک من گھڑت اعلان تھا۔ میں نے ایسا کوئی خط کسی کو نہیں لکھا۔ جس شخص کے متعلق آئے دن غلط بیانیاں ہوتی رہتی ہوں، اس کے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ وہ ہر روز ان کی تردید کرتا رہے۔

۲۳۔میرے لیے یہ بہت مشکل تھا کہ ایک نظام میں شریک ہو جانے کے بعد اس کی غلطیوں اور خرابیوں کی اصلاح کا حق خود اس کے اندر ادا کرنے سے پہلے اس کے خلاف کھلم کھلا پبلک میں کوئی اظہار خیال شروع کر دیتا۔ اسی لیے میں نے اصلاح کی تمام تر کوشش نظام کے اندر ہی رہتے ہوئے کی اور ۱۳/ اور ۱۷/ فروری کو اپنے نمائندوں کے ذریعہ سے وہ اعتراضات بھیجے جن کا ذکر میں اپنے ۲۹ جولائی کے بیان میں کر چکا ہوں۔ میرے ہی اصرار پر ۱۷ فروری کو یہ طے ہوا کہ جلدی سے جلدی مرکزی مجلس عمل کا اجلاس لاہور میں ہو گا اور پھر ایک ۲۱ فروری کو ایک نیا دعوت نامہ جاری ہوا (مجھے ۲۲ کو ملا) جس میں خبر دی گئی کہ یہ اجلاس لاہور کے بجائے کراچی میں ہوگا۔ میں اس زمانہ میں بیماری کے باعث سفر کرنے سے معذور تھا، اس لیے مجھے مجبوراً سلطان احمد صاحب کو لکھنا پڑا کہ وہ میری طرف سے اس اجلاس میں نمائندگی کریں۔ ۲۶ فروری کا یہ اجلاس حقیقت میں اس مجلس کا پہلا باقاعدہ اجلاس تھا اور وہی آخری اجلاس بھی تھا، کیونکہ اس میں مجلس ہی توڑ دینے کا فیصلہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد میں آزاد تھا کہ پبلک میں ان حضرات کے طریق کار سے اختلاف کروں۔ چنانچہ یہ اختلاف میں نے اپنے ۲۸ /فروری کے بیان میں (جو یکم مارچ کے تسنیم میں شائع ہوا) اور اپنے پمفلٹ ''قادیانی مسئلہ'' کے اردو اور انگریزی' دونوں ایڈیشنوں کے آخری پیراگرافوں میں کیا۔ نیز جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے اپنے اس ریزولیشن میں بھی جو ۷ / مارچ کے تسنیم میں شائع ہوا ہے' اس طریق کار سے علانیہ اظہار اختلاف کر دیا۔

۲۴۔۲۷/فروری کی شام کو سید خلیل احمد صاحب اور حافظ خادم حسین صاحب مجھ سے ملے اور انھوں نے کہا کہ تحریک کے بڑے بڑے لیڈر گرفتار ہو چکے ہیں' اب آپ ہی باقی ہیں، لہٰذا آپ ہماری رہنمائی کریں۔ میں نے ان سے کہا کہ مجلس عمل کے جو لیڈر لاہور میں موجود ہیں، انہیں آپ کل صبح میرے ہاں لے آیئے پھر مشورے کے بعد میں کچھ عرض کر سکوں گا، اس سے زائد اس وقت کوئی بات نہیں ہوئی۔ یہ محض ایک غلط بیانی ہے کہ اس وقت میں نے ان حضرات سے کہا کہ آپ والنٹیر کراچی بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھیں۔

۲۵۔۲۷/فروری کی صبح کو میرے مکان پر حسب ذیل حضرات تشریف لائے۔ مولانا داؤد غزنوی' مولانا محمد اسماعیل صاحب' سید خلیل احمد صاحب' مولوی طفیل احمد صاحب (جمعیۃ علمائے اسلام والے) ان کے علاوہ دو تین اصحاب اور بھی تھے جن کے نام میں نہیں جانتا اور نہ میری ان سے پہلے کی کوئی واقفیت تھی۔ بعد میں مولانا عبدالستار نیازی صاحب بھی تشریف لے آئے تھے۔ اس موقع پر جو کچھ میں نے ان سے کہا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ ڈائریکٹ ایکشن' کنونشن کی بعض جماعتوں نے بالکل من مانے طریقے پر شروع کیا ہے اور آپ لوگ جانتے ہیں کہ اس کا ہرگز موید نہ تھا۔ میں بلاشبہ مقصد سے متفق ہوں' مگر طریق کار کو غلط اور نقصان دہ سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک اس سے نہ صرف یہ کہ اس مقصد کو نقصان پہنچے گا بلکہ تمام دینی جماعتوں کے وقار کو اور ان تمام دینی مقصد کو جن کے لیے ہم اب تک کوشش کرتے رہے ہیں، ایسا صدمہ پہنچے گا جس کی تلافی مشکل ہی سے ہو سکے گی۔ اب اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ پنجاب میں بھی مجلس عمل کے نظام کو توڑ دیا جائے۔ جن جماعتوں نے یہ کام شروع کیا ہے وہ اپنی ذمہ داری پر اگر اسے جاری رکھنا چاہیں تو رکھیں' مگر جو جماعتیں اس میں شریک نہیں ہونا چاہتیں، انہیں اس سے علیحدہ رہنے دیا جائے۔ جماعت اسلامی کی حد تک میں صاف کہے دیتا ہوں کہ ہم اس میں کوئی حصہ نہ لیں گے اور اپنے ایک آدمی کو بھی اس میں شریک ہونے کی اجازت نہ دیں گے۔ البتہ اصل مقصد کے لیے ہم اپنے طریق کار کے مطابق کوشش جاری رکھیں گے اور آپ کے طریق کار سے مسلمانوں پر

جو مصائب نازل ہوں گے' ان سے بھی جہاں تک ہمارے بس میں ہوگا' انہیں بچانے کی پوری کوشش کریں گے۔ اس کے ساتھ میں نے ان لوگوں سے یہ بھی عرض کیا کہ اگر آپ اصل مقصد کو عزیز رکھتے ہیں تو براہ کرم ان لوگوں کو اپنے ساتھ الجھانے کی کوشش نہ کریں جو آپ کے شریک کار ہونا پسند نہیں کرتے۔ اسی پر بات ختم ہوگئی اور کم از کم میرا احساس یہی ہے کہ میری یہ صاف گوئی اس وقت کسی کو ناگوار نہیں تھی۔ سید خلیل احمد صاحب نے مجلس کے خاتمے پر مجھ سے کہا کہ اگر ہم آپ سے کبھی مشورہ لینا چاہیں تو آپ ہمیں مشورہ دینے سے تو پرہیز نہ کریں گے؟ میں نے کہا کہ ''کوئی مسلمان بھی جب میرا مشورہ طلب کرے تو میں جو کچھ صحیح سمجھتا ہوں' اسے بتانے میں تامل نہیں کرتا۔ اور اس وقت میرا پہلا مشورہ آپ کو یہ ہے کہ جلدی سے جلدی اس بدنظمی کو دور کیجیے جو یکایک عوام کے مظاہروں میں رونما ہوگئی ہے' اپنی تحریک کو اخلاق کے ان حدود میں لائیے جو ''ختم نبوت'' جیسے پاکیزہ نام پر اٹھنے والی تحریک کے شایان شان ہے' اور اپنی تحریک کو بدامنی اور تشدد کے رخ پر جانے سے روکیے''۔ یہ میرا پہلا اور آخری مشورہ تھا کیونکہ اس کے بعد مجھ سے نہ کوئی مشورہ طلب کیا گیا اور نہ میں نے دیا۔ اب اس مجلس اور اس گفتگو کو یہ رنگ دینے کی کوشش کی جارہی ہے کہ گویا میں نے اس روز اپنے گھر پر بیٹھ کر کوئی خفیہ سازش کی تھی اور میرا ان سے یہ سمجھوتہ ہوا تھا کہ تم ڈائریکٹ ایکشن کر کے جیلوں میں جاؤ اور میں گرفتاری سے بچ کر باہر کام کروں گا۔ مگر اس بدگمانی کے متعلق میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ لوگ اپنی طینت اور اپنی افتادِ طبع ہی کے مطابق رائے قائم کرنے پر مجبور ہیں۔ ان کے لیے یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ دنیا میں کوئی شخص واقعی ایمان دار اور با اصول اور حدود شناس بھی ہوسکتا ہے۔

۲۶۔۲۷ / فروری کے بعد جو جلسے لاہور میں ہوئے ان میں متعدد مرتبہ ڈائریکٹ ایکشن کی تحریک کے بعض غیر ذمہ دار لیڈروں نے عوام کو جماعت اسلامی کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی۔ اور اس بات پر لوگوں کو اکسایا کہ وہ میرے مکان پر ہجوم کر کے

آئیں اور مجھے اس تحریک میں شامل ہونے پر مجبور کریں۔ اس فتنے کو روکنے کے لیے طفیل محمد صاحب نے جو بیان ''تسنیم'' میں شائع کرایا تھا اس سے بھی یہ معنی نکالنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ جماعت اسلامی اور ڈائریکٹ ایکشن کی تحریک کے لیڈروں میں کوئی اندرونی سمجھوتہ تھا جس کے مطابق کچھ کام ہم نے اور کچھ انھوں نے اپنے ذمے لے رکھا تھا۔ حالانکہ دراصل طفیل محمد صاحب کا اشارہ اس گفتگو کی طرف تھا جس کا ذکر میں نے اوپر پیراگراف نمبر ۲۵ میں کیا ہے۔

۳۰/ جنوری کی تقریر میں فسادات کی دھمکی نہیں بلکہ تنبیہ تھی:

۲۸۔ میری ۳۰/ جنوری ۱۹۵۳ء کی اس تقریر کا بھی بار بار ذکر کیا گیا ہے جو میں نے موچی دروازے کے جلسے میں کی تھی۔ اس تقریر کا اصل موضوع بی۔ پی۔ سی رپورٹ پر تبصرہ تھا اور اس میں علماء کی تجاویز کی تشریح کرتے ہوئے میں نے اس تجویز کا بھی ذکر کیا تھا جو قادیانیوں کے متعلق انھوں نے پیش کی تھی۔ اس سوا دو گھنٹے کی تقریر کا جو خلاصہ ''کوثر'' کے رپورٹر نے اپنے الفاظ میں بیان کیا تھا اس کی دو چار سطروں سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ میں نے اس میں فسادات کی دھمکی دی تھی' بلکہ لوگوں کو اس بات پر اکسایا تھا کہ اگر تمہارے مطالبے نہ مانے جائیں تو تم فساد کرو۔ لیکن میں یہ بات عدالت کے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ میری وہ تقریر جلسے ہی میں tape recorder پر ریکارڈ کر لی گئی تھی اور اسے ریکارڈر سے نقل کر کے جوں کا توں شائع بھی کیا جاچکا ہے۔ عدالت چاہے تو شائع شدہ پمفلٹ ملاحظہ کرلے اور چاہے تو ریکارڈ طلب کر کے اپنے کانوں سے سن لے۔ اس کے بعد یہ فیصلہ کرنا عدالت کا اپنا کام ہے کہ آیا اس میں فساد کی دھمکی یا ترغیب دی گئی تھی، یا آتے ہوئے طوفان کے آثار دیکھ کر قبل از وقت متنبہ کیا گیا تھا، اور اس غرض کے لیے متنبہ کیا گیا تھا کہ خرابی کے رونما ہونے سے پہلے اس کے اسباب کو حکمت کے ساتھ رفع کیا جائے۔ جو معنی آج میری اس تقریر کو پہنائے جارہے ہیں' ان کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی طبیب کسی شخص میں دق کے آثار محسوس کر کے اسے ضروری احتیاطوں کا مشورہ دے

اور وہ شخص اس کے مشورے کی پرواہ نہ کر کے خود اپنی بے احتیاطیوں سے جب واقعی دق میں مبتلا ہو جائے تو الٹا طبیب پر الزام رکھنے لگے کہ اسی نے مجھے دق میں مبتلا کیا ہے۔ آخر دنیا میں یہ پہلا واقعہ ہی تو نہیں ہے کہ کسی معاملہ فہم آدمی نے خطرے کی علامات کو محسوس کر کے اس کے پیش آنے قبل از وقت خبر دی ہو اور حالات ٹھیک اس کے اندازے کے مطابق رونما ہوئے ہوں۔ اس سے پہلے بارہا اس کی مثالیں پیش آ چکی ہیں اور کبھی کسی صاحب عقل آدمی نے ایسے کسی موقع پر یہ عجیب وغریب الزام نہیں لگایا کہ جس نے صدور واقعہ کی پیشگی تنبیہ کی تھی وہی دراصل سبب واقعہ ہے۔ البتہ ضرورت سے زیادہ دانش مند لوگ ایسی باتیں پہلے بھی کرتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۴۶ء میں قائداعظم مرحوم نے اپنی تقریروں میں حکومت برطانیہ کو جب بار بار متنبہ کیا کہ اگر تم معاملات کو جلدی نہ سلجھاؤ گے تو ہندوستان میں سخت بدامنی رونما ہوگی' تو ہندو اخبارات نے اس پر یہی شور مچایا تھا کہ یہ شخص فساد کی دھمکیاں دے کر اپنے مطالبات منوانا چاہتا ہے اور مسلمانوں کو تعلیم دے رہا ہے کہ تمہارے مطالبات منظور نہ ہوں تو تم فساد کرو۔

ڈائریکٹ ایکشن کا رائج الوقت تصور اور مفہوم:

۲۸۔ اب میں اس امر کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ ڈائریکٹ ایکشن سے میرے اختلاف کے وجوہ کیا تھے۔ اس طریق کار سے میرا اختلاف اصولی بھی تھا اور عملی پہلو سے بھی تھا۔ میں یہاں علی الترتیب دونوں پہلوؤں سے اپنے نقطہ نظر کی تشریح کروں گا۔

(الف) برعظیم ہندو پاکستان ''ڈائریکٹ ایکشن'' کے تصور سے ابتداً کانگرس کے ذریعے سے روشناس ہوا ہے اور بعد میں اس طریق کار کو ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء میں مسلم لیگ نے بھی اختیار کیا تھا جب کہ قائداعظم مرحوم اس کے لیڈر تھے۔ اس تاریخی پس منظر میں اس لفظ کو ان معنوں میں نہیں لیا جائے گا جو امریکہ میں کبھی اس سے مراد لیے گئے تھے، بلکہ ان معنوں میں لیا جائے گا جو خود ہمارے براعظم میں رائج رہے ہیں۔ یہاں اس کا جو تصور رہا ہے وہ قائداعظم مرحوم کی ۲۹ / جولائی ۱۹۴۶ء والی تقریر سے جو انھوں نے آل انڈیا مسلم

لیگ کونسل کے اجلاس بمبئی میں فرمائی تھی' بہترین طور پر واضح ہوتا ہے۔ انھوں نے فرمایا تھا:

''آج جو کام ہم نے کیا ہے وہ ہماری تاریخ میں یادگار رہے گا۔ لیگ کی پوری تاریخ میں ہم نے کبھی دستوری ذرائع اور آئین پسندی سے ہٹ کر کوئی قدم نہیں اٹھایا ہے لیکن اب ہمیں یہ پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ آج کے دن ہم آئینی طریقوں کو الوداع کہہ رہے ہیں۔ کابینہ کے وفد اور وائسرائے سے فیصلہ کن گفت وشنید کے دوران میں مقابلے کے دونوں فریق...... برطانیہ اور کانگرس...... اپنے ہاتھ میں ایک ایک پستول تھامے ہوئے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں اقتدار اور فوجی ساز وسامان کا پستول تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں عوامی جدوجہد اور عدم تعاون کا۔ آج ہم نے بھی ایک پستول تیار کر لیا ہے اور ہم اس کے استعمال پر قادر ہیں۔ تجاویز کو رد کرنے اور ڈائریکٹ ایکشن شروع کرنے کا فیصلہ جلدی میں نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ فیصلہ پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ اور امکان کی حد تک کامل غور وخوض کے بعد کیا گیا ہے''۔

آگے چل کر وہ اپنی اسی تقریر میں فرماتے ہیں:

''میں نہیں سمجھتا کہ کوئی ذمہ دار آدمی مجھ سے اس امر میں اختلاف کرے گا کہ ہماری خواہش یہی تھی کہ صورت حال کو اس حد تک نہ بگڑنے دیا جائے کہ خون خرابے اور سول وار کی نوبت آئے۔ اگر ممکن ہوا تو اس صورت حال سے احتراز کیا جائے گا''۔

اس تقریر کا اختتام مرحوم نے ان الفاظ میں فرمایا:

''اگر تم امن چاہتے ہو تو ہم بھی جنگ نہیں چاہتے لیکن اگر تم لڑائی چاہتے ہو تو ہم اسے بلا تامل قبول کریں گے۔'' (مسٹر جناح کی تقریریں اور تحریریں' جلد دوم' ص ۴۱۹ تا صفحہ ۴۲۲)

یہ ہے ڈائریکٹ ایکشن کی نظریاتی تشریح۔ اور اس کی عملی تشریح وہ ایجی ٹیشن ہے جو ۱۹۴۷ء کے آغاز میں پنجاب مسلم لیگ نے سر خضر حیات خاں کی وزارت توڑنے کے لیے کیا تھا۔ جس میں پنجاب کی موجودہ نون وزارت اور پچھلی دولتانہ وزارت اور اس سے پہلے کی ممدوٹ وزارت کے اکثر وبیشتر ارکان نے سب سے آگے بڑھ کر قوانین توڑے

تھے۔جس میں ایک اہم کردارادا کرنے کے لیے خواجہ ناظم الدین صاحب مرکزی مسلم لیگ کی طرف سے پنجاب بھیجے گئے تھےاورجس میں پبلک کے مظاہرات کا رنگ ڈھنگ دیکھنے والی آنکھیں اب بھی موجود ہیں۔

(ب) آل مسلم پارٹیز کنونشن کے اجلاس میں جب پہلی مرتبہ میرے سامنے تاج الدین انصاری صاحب کا ریزولیوشن آیااوراس پر میں نے ان کی اوردوسرے مویّدین کی تقریریں سنیں تو میں نے یہی سمجھا کہ یہ حضرات وہی قدم اٹھانا چاہتے ہیں جس کی تشریح اوپر ضمنی پیراگراف (الف) میں کی گئی ہے۔خوداحراراپنی تاریخ میں اس سے پہلے کئی مرتبہ اسی طرح کے قدم اٹھا چکے ہیں اس لیے ان کی تجویز کا کوئی اورمفہوم میں نہیں سمجھ سکتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس موقع پر تقریروں میں ''ڈائریکٹ ایکشن''اور''راست اقدام'' دونوں اصطلاحیں استعمال کی گئیں تھیں اور''راست''اور''براہ راست'' کا دلچسپ فرق جواب کیا گیاہے،اس وقت پیش نظرنہیں تھا۔

ڈائریکٹ ایکشن قطعی حرام نہیں:

(ج) میرے نزدیک اس طرح کا اقدام قطعی حرام نہیں ہے، مگر یہ ایسا مباح بھی نہیں ہے کہ جب حکومت کسی مطالبے کورد کردے تو اسے منوانے کے لیے یہ قدم اٹھا دیا جائے۔ یہ ایک آخری چارۂ کار ہے جسے اختیار کرنا صرف اسی صورت میں جائز ہے جب کہ ایک مطالبے کی صحت ومعقولیت دلائل سے خوب واضح کی جا چکی ہواور یہ بات اظہر من الشّمس ہوچکی ہو کہ حکومت سراسر غیر معقول روش پر مصر ہے(۲) یہ بات بھی ثابت کردی گئی ہو کہ باشندگان ملک کی اکثریت اس مطالبے کی حامی ہے اورحکمران اقلیت محض اپنی آئینی پوزیشن سے ناجائز فائدہ اٹھا کراسے رد کررہی ہے اور(۳) مطالبے کومنوانے کے لیے آئینی تدابیر کا حق بلحاظ وقت اوربلحاظ وسائل پوری طرح ادا کیا جاچکا ہو یا حکومت نے سرے سے آئینی تدابیر کا دروازہ ہی زبردستی بند کردیا ہو۔

راست اقدام کے لیے شرائط مکمل نہ تھیں:

(د) میرے نزدیک آل مسلم پارٹیز کنونشن میں جب راست اقدام یا ڈائریکٹ ایکشن کی تجویز پیش کی گئی، اس وقت ان شرائط میں سے کوئی شرط بھی پوری نہ ہوئی تھی۔
(۱) مطالبات کے حق میں جذباتی تقریریں تو بہت کی گئی تھیں مگر مسلم اکثریت کا مقدمہ ایسے مضبوط دلائل کے ساتھ تیار نہیں کیا گیا تھا جس کے مقابلے میں فریق مخالف تقریباً غیر مسلح ہو کر رہ جائے۔ (۲) پنجاب اور بہاولپور کی حد تک تو ثابت ہو چکا تھا کہ وہ ان مطالبات کے بالاتفاق حامی ہیں مگر نہ تو سندھ سرحد بلوچستان اور بنگال کی تائید پوری طرح حاصل کی جا سکی تھی اور نہ خود پنجاب و بہاولپور کے تعلیم یافتہ طبقے کو اچھی طرح مویّد بنایا جا سکا تھا۔
(۳) آئینی تدابیر کا دروازہ بند بھی نہیں ہوا تھا۔ ان تدابیر کو استعمال کرتے ہوئے کچھ بہت زیادہ مدت بھی نہیں گزری تھی اور ساری تدبیریں آخری حد تک آزمائی بھی نہ جا چکی تھیں اس لیے اصولاً اس وقت تک ڈائریکٹ ایکشن کا آخری چارۂ کار استعمال کرنے کے لیے کوئی جائز وجہ پیدا نہ ہوئی تھی۔

(ہ) اس اصولی حیثیت کے علاوہ میرے نزدیک عملی حیثیت سے بھی یہ اقدام سخت غیر مناسب تھا۔ جیسا کہ میں اوپر ضمنی پیرا گراف (د) میں بیان کر چکا ہوں اس وقت صرف پنجاب اور کسی حد تک بہاولپور کے عوام کو جذباتی تقریریں پلا پلا کر ان مطالبات کے حق میں جدوجہد کرنے پر آمادہ کر لیا گیا تھا مگر ملک کے دوسرے صوبے اچھی طرح یہ بھی نہ جانتے تھے کہ یہ معاملہ فی الواقع ہے کیا؟ اور خود پنجاب و بہاولپور میں بھی اہل دماغ طبقہ اس مسئلے کو نہ پوری طرح سمجھا تھا اور نہ مطالبات کی صحت پر مطمئن تھا۔ اس صورت میں محض ان دو صوبوں کے عوام کو لے کر ڈائریکٹ ایکشن کر بیٹھنا صریحاً ایک غیر دانش مندانہ فعل تھا جس کا نتیجہ میرے نزدیک یہی ہو سکتا تھا کہ یہاں کے عوام بری طرح کچلے جائیں اور حکومت کو یہاں کی سیاسی زندگی پر بھی وہی موت جاری کرنے کا موقع مل جائے جو اس سے پہلے صوبہ سرحد پر طاری کی جا چکی ہے۔

حکومت کی تنگ ظرفی سے جوابی تشدد کا خطرہ تھا:

(و) دوسری طرف میں یہ بھی جانتا تھا کہ ملک کی حکومت اس وقت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو کم حوصلہ بھی ہیں اور پبلک تائید سے محروم ہونے کی وجہ سے اپنی پوزیشن کی کمزوری کا شدید احساس بھی رکھتے ہیں۔ ایک معمولی سا خطرہ، بلکہ خطرے کا اندیشہ بھی ان کو بہت جلدی بوکھلا دیتا ہے اور جب وہ بوکھلا جاتے ہیں تو کوئی بدتر سے بدتر کارروائی کرنے میں بھی باک نہیں کرتے۔ اسی ماہ جنوری میں جب کہ ڈائریکٹ ایکشن کا یہ ریزولیوشن پیش کیا گیا تھا، دس ہی دن پہلے کراچی میں طلبہ کے ایک معمولی سے ایجی ٹیشن پر ان لوگوں نے جو ظلم وستم ڈھایا تھا، اسے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ اس صورت حال میں مجھے یقین تھا کہ ڈائریکٹ ایکشن کا نام سنتے ہی یہ لوگ بھڑک اٹھیں گے اور وہ کچھ کر گزریں گے جو انگریز بھی غیر قوم ہونے کے باوجود ہمارے ساتھ نہ کرتا۔ اسی لیے میں چاہتا تھا کہ اپنی قوم کو ان برے نتائج سے بچاؤں جو سامنے آتے نظر آرہے تھے۔ میری نگاہ میں خون مسلماں اتنا ارزاں نہ تھا کہ میں پنجاب کی زمین پر اس کے پانی کی طرح بہائے جانے کو ٹھنڈے دل سے گوارہ کرتا۔

ڈائریکٹ ایکشن کی علانیہ مخالفت نہ کرنے کی وجہ:

(ز) مگر اس تباہی و ہلاکت کی روک تھام کا سخت خواہش مند ہونے کے باوجود میں ایسا بھی کوئی قدم اٹھانا مناسب نہیں سمجھتا تھا جس سے مسلمانوں میں اختلاف برپا ہو جائے اور اس سے فائدہ اٹھا کر قادیانیوں اور حکومت کا گٹھ جوڑ مسلمانوں کے جائز مطالبات کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائے۔ اس لیے میں نے ۲۸/ فروری تک پبلک میں اس تحریک کی کوئی مخالفت نہ کی اور اندرونی طور پر اسے غلط راہ پر جانے سے روکنے کی جو تدبیریں میرے بس میں تھیں، انھیں استعمال کرتا رہا۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ اس تحریک کے لیڈروں کو ایک مہینے کے نوٹس اور اس کے بعد بہرحال ڈائریکٹ ایکشن شروع کر دینے پر اس قدر شدید اصرار کیوں تھا اور وہ اپنے اس منصوبے کو عمل میں لانے پر کیوں تلے ہوئے تھے؟

تیسرا بیان

(جو مورخہ ۱۳/فروری ۱۹۵۴ءکو تحریری شکل میں

عدالت مذکور میں پیش کیا گیا۔)

تحقیقاتی عدالت نے اپنی تفتیش کے دوران میں تحقیقاتی کارروائی میں شامل ہونے والے جملہ فریقوں کو نوٹس دیا تھا کہ وہ بحث میں علاوہ دیگر امور کے مندرجہ ذیل دس نکات کے بارے میں اپنا نقطہ نظر واضح کریں اور اپنی تائید میں اسناد اور حوالہ جات بھی پیش کریں۔

۱۔ ظہور مسیح ومہدی۔

۲۔ کیا ظاہر ہونے والے مسیح اور عیسیٰ ابن مریمؑ ایک ہی شخصیت ہیں؟

۳۔ کیا مسیح اور مہدی کو ایک نبی کا منصب حاصل ہوگا اور انہیں وحی یا الہام ہوگا؟

۴۔ کیا وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک قرآن وسنت کے کسی حکم کو منسوخ کریں گے؟

۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کس شکل میں نازل ہوتی تھی؟ کیا حضرت جبریلؑ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے مرئی صورت میں ظاہر ہوتے تھے؟

۶۔ کیا خاتم النبین کی وہ تعبیر جو آل مسلم پارٹیز کنونشن نے پیش کی ہے وہ مسلم عقیدے کا لازمی جزو رہی ہے؟

۷۔ قرآن وسنت کی وہ نصوص جو ایسے دینی وسیاسی نظام کی تائید کرتی ہیں جس میں غیر مسلموں کو ایک اجنبی کی حیثیت سے علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ اس علیحدگی کے حدود مع تاریخی حوالہ جات۔ ایسے نظام میں غیر مسلموں کے اعلانیہ تبلیغ مذہب کے حقوق...... گناہ کی مشترک اور نیابتی ذمہ داری۔

۸۔ ڈائریکٹ ایکشن کا جواز۔

۹۔ احمدیوں کی مطبوعات جو عامۃ المسلمین کے دینی جذبات کو مشتعل کرنے والی ہیں۔

۱۰۔ دوسرے مسلمانوں کی مطبوعات جو احمدیوں کے عقائد کے لحاظ سے اشتعال انگیز ہیں۔

ان نکات کا جواب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے ایک مفصل تحریری بیان کی شکل میں دیا ہے جسے پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا جاچکا ہے۔ یہ بیان ۱۳ فروری ۱۹۵۴ء کو عدالت کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس محترم عدالت نے جو دس امور تنقیح طلب خاص طور پر بحث کے لیے تجویز کیے ہیں، ان میں سے پہلے آٹھ امور پر اس بیان میں بحث کی گئی ہے۔ باقی ماندہ دو نکات میں سے نمبر ۱۰ کا جواب ہم سے متعلق نہیں ہے اور نمبر ۹ کے متعلق ضروری مواد جماعت اسلامی الگ پیش کرے گی۔

اس بیان میں پہلے سات نکات پر صرف سنی مسلمانوں کا نقطہ نظر پیش کیا گیا ہے، جس میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور اہل حدیث سب شامل ہیں۔ نیز حنفیوں کے دونوں بڑے مسلک (دیو بندی اور بریلوی) بھی ان نکات میں پوری طرح متفق ہیں۔ شیعہ حضرات کا مسلک اگرچہ ہمیں معلوم ہے اور ہم یہ جانتے ہیں کہ مسئلہ مہدی کے سوا باقی تمام مسائل میں وہ ہم سے متفق ہیں، نیز ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ مہدی منتظر امام معصوم ہونے کے باوجود ان کے ہاں بھی نبی کا مرتبہ نہیں رکھتے، لیکن ہم نے ان کے مسلک پر اس لیے کلام نہیں کیا ہے کہ ہم بہر حال ان کے مسلک کو قابل اعتماد طریقہ سے بیان کرنے کی حیثیت میں نہیں ہیں۔

بیان کے دوران میں جن اہم مسائل پر تفصیل کے ساتھ اسناد پیش کرنے کی ضرورت تھی، ان کو ہم نے بیان میں درج کرنے کے بجائے الگ الگ ضمیموں میں جمع کر دیا ہے جو اس بیان کے ساتھ منسلک ہیں۔

چونکہ پہلے ۶ نکات ہی وہ اصل نکات ہیں جو مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان متنازع فیہ ہیں، اس لیے ان کے بارے میں اور ان سے پیدا ہونے والے اعتقادی اور عملی نتائج کے بارے میں قادیانی مسلک کو ہم نے خود ان کے معتبر حوالوں سے ایک مستقل ضمیمے میں مرتب طریقہ سے بیان کر دیا ہے، تاکہ محترم عدالت پر واضح ہو جائے کہ ان مسائل پر قادیانی تحریک کے مختلف مراحل میں مرزا غلام احمد صاحب اور ان کے پیروؤں کا نقطہ نظر

کیا رہا ہے اور فریقین کے درمیان نزاع کے بنیادی اسباب کیا ہیں؟ اس ضمیمے کا نمبر ۷ ہے اور یہ بھی اس بیان کے ساتھ منسلک ہے۔

ان تمہیدی تصریحات کے بعد اب ہم زیر بحث نکات کو علی الترتیب لے کر ان کے متعلق اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں۔

بجواب نکتہ اول:

(الف) درباب نزول مسیح علیہ السلام

(۱) مسیح علیہ السلام کا نزول ثانی مسلمانوں کے درمیان ایک متفق علیہ مسئلہ ہے اور اس کی بنیاد قرآن، حدیث اور اجماع اُمت پر ہے۔ قرآن میں اگرچہ اس کی تصریح نہیں ہے مگر دو آیتیں ایسی ہیں جن سے اس کا اشارہ نکلتا ہے اور بکثرت مفسرین نے ان کا یہی مطلب لیا ہے کہ مسیح علیہ السلام آخری زمانے میں دوبارہ آئیں گے۔ پہلی آیت سورۂ نساء میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ‌ ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا‌ۚ النسآء 159:4

اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لے آئے اور قیامت کے روز ان پر وہ گواہ ہوگا۔

اگرچہ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے اور لیا بھی گیا ہے کہ ''اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اپنی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لے آئے۔'' لیکن اس کا وہ مطلب بھی ہوسکتا ہے اور لیا گیا ہے جو ہم نے ترجمہ میں بیان کیا ہے۔

دوسری آیت سورۂ زخرف (سورہ نمبر ۴۳) میں ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

وَاِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ الزخرف 61:43

اور درحقیقت وہ قیامت کی ایک نشانی ہے۔

اس کے بھی دو مطلب ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ مسیح علیہ السلام کی پیدائش ان نشانیوں میں

سے ایک ہے جو آخرت کے امکان پر دلالت کرتی ہیں۔ دوسرا یہ کہ وہ قیامت سے پہلے قرب قیامت کی علامات میں سے ایک ہے۔ مفسرین کی بہت بڑی اکثریت نے ان دونوں مفہومات میں سے دوسرے کو ترجیح دی ہے۔

بہرحال جہاں تک قرآن کا تعلق ہے وہ صریح الفاظ میں اس مضمون کی تصریح نہیں کرتا۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس کی طرف اشارہ کررہا ہے۔

بخلاف اس کے حدیث سے یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیحؑ کے نزول کی خبر دی ہے۔ اس باب میں ۷۰ سے زیادہ حدیثیں تقریباً ۲۴ صحابیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہیں۔ جن راویوں نے یہ احادیث صحابہؓ سے سنیں اور پھر بیچ کے جو راوی انہیں کتب حدیث کے مصنفین تک پہنچانے والے ہیں، ان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ ان میں بکثرت ثقہ لوگ ہیں۔ وہ یمن سے لے کر آذربائیجان تک اور مصر سے لے کر ماوراءُالنہر اور سیستان تک مختلف علاقوں کے لوگ ہیں۔ اور بکثرت روایتوں کی سند کتب حدیث کے مصنفین سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بالکل متصل ہے جس میں کوئی کڑی چھوٹی ہوئی نہیں ہے۔ اتنے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے، اس قدر کثیر التعداد انسانوں کے متعلق یہ باور کرنا ہمارے لیے بہت مشکل ہے کہ ان سب نے کسی وقت کوئی کانفرنس کرکے باہم یہ قرارداد منظور کرلی ہوگی کہ نزول مسیحؑ کی ایک داستان گھڑ کر خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرنی ہے۔ اور اگر وہ ایسا کرتے بھی ہیں تو ان کی تصنیف کردہ داستانوں میں وہ مطابقت اور مناسبت پیدا ہونی محال تھی جو نزول مسیح کی احادیث میں ہم کو نظر آرہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان روایتوں کے مضمون میں دو تین فروعی اختلافات کے سوا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سب روایتیں مل کر ایک مربوط اور مسلسل قصہ بناتی ہیں جس کے تمام اجزا ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ ہم نے ضمیمہ نمبر (۱) میں ۲۰ معتبر ترین احادیث لفظ بلفظ نقل کردی ہیں جو ۱۳ صحابیوں سے مروی ہیں۔ ان کو دیکھ کر محترم عدالت خود معلوم کرسکتی ہے کہ ان مختلف صحابیوں کی روایات قصے کے تمام

ضروری اجزا میں بالکل متفق ہیں (صرف ایک معاملہ میں روایت نمبر ۴ و ۲۰ دوسری روایتوں کے خلاف یہ کہتی ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ مسلمانوں کی نماز کے امام ہوں گے اور روایات نمبر ۲، ۶، ۸، ۱۴، ۱۵ یہ کہتی ہیں کہ امام جماعت مسلمانوں کا خلیفہ ہوگا اور حضرت عیسیٰؑ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اسی وجہ سے مفسرین ومحدثین نے بالاتفاق اس بات کو تسلیم کیا ہے جو روایات کی اکثریت سے ثابت ہے۔) اس بنا پر یہ بات یقینی ہے اور اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کی ضرور خبر دی ہے۔ یہ بات خواہ کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، مگر یہ امر واقعہ کہ حضورؐ نے ایسی خبر دی ہے، ناقابل تردید شہادتوں سے ثابت ہے۔ اگر ایسی شہادتوں کو بھی رد کیا جا سکتا ہے تو پھر دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح پہلی صدی ہجری سے آج تک اُمت کے تمام علما اور فقہا اور مفسرین و محدثین کا بھی اس بات پر اجماع ہے کہ مسیحؑ کی آمد ثانی کی خبر صحیح ہے۔ ضمیمہ نمبر ۳ اور ۵ میں اکابر علما کے اقوال ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ صرف معتزلہ اور جہمیہ اور بعض ایسے ہی دوسرے فرقوں کے چند لوگوں نے اس کو ختم نبوت کے منافی سمجھ کر رد کیا ہے۔

(۲) جو کچھ احادیث سے ثابت ہے اور جس پر اُمت کا اجماع ہے وہ کسی مثیل مسیح کی ''پیدائش'' نہیں ہے بلکہ عیسیٰؑ ابن مریم کا ''نزول'' ہے۔ تمام احادیث بلا استثنا اس امر کی تصریح کرتی ہیں کہ آنے والے وہی ہیں۔ کسی حدیث میں عیسیٰؑ کسی میں ابن مریم، کسی میں مسیح ابن مریم، اور کسی میں عیسیٰ ابن مریم کے الفاظ ہیں۔ ظاہر ہے کہ عیسیٰ ابن مریم ایک شخص خاص کا ذاتی نام ہے اور اس کے نزول کی خبر لامحالہ اس کی ذات کے نزول کی خبر ہی ہوسکتی ہے۔ اگر کوئی اس خبر کو قبول کرے تو اسے یہ قبول کرنا ہوگا کہ وہی شخص خاص دوبارہ آئے گا جو اب سے دو ہزار برس پہلے بنی اسرائیل میں مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اور اگر کوئی اس کو رد کرے تو اسے سرے سے اس ''مسیح موعود'' کے تخیل ہی کو رد کر دینا ہوگا۔ بہرحال یہ بالکل ایک لغو بات ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کے نزول کی خبروں کو بنیاد

بنا کر ایک مثیل مسیح کے ظہور کو ثابت کیا جائے اور اس سے زیادہ لغو بات یہ ہے کہ ان خبروں کی بنیاد پر مسیح کے ''بروز'' (incarnation) کا خیال پیش کیا جائے جو سراسر ایک ہندوانہ تخیل ہے اور ان سب سے زیادہ لغو بات یہ ہے کہ کوئی شخص خود تمثیلی رنگ میں اپنے بطن سے پیدا ہو کر یہ اعلان کرے کہ جس عیسیٰ ابن مریم کے ''نزول'' کی خبر دی گئی تھی، وہ پیدا ہو گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۷، پیراگراف نمبر ۱۲۔ اقتباس نمبر ۷)

(۳) احادیث میں نزول مسیح کی غرض اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آخر زمانے میں ایک عظیم الشان دجال (فریبی و جعل ساز آدمی) اپنے آپ کو مسیح کی حیثیت سے پیش کرے گا اور یہودی اس کے پیچھے لگ جائیں گے اور اس کا فتنہ دنیا میں بہت بڑی گمراہی اور ظلم و ستم کا موجب بن جائے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اصلی مسیح کو دنیا میں واپس بھیجے گا تا کہ اس فتنے کا قلع قمع کرے (ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۱، روایات نمبر ۵، ۸، ۱۴، ۲۰)۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کو یہ خبر اس لیے دی تھی کہ مسلمان دجال کو مسیح ماننے سے بچیں اور اس کے زمانے میں اصلی مسیح کی آمد کا انتظار کریں اور ان کی آمد پر فتنہ دجال کے استیصال میں ان کا ساتھ دیں۔ یہ خبر آپ نے اس لیے نہیں دی تھی کہ آپ کی ان پیشین گوئیوں کا سہارا لے کر کوئی ''مثیل مسیح'' یا ''بروز مسیح'' اُٹھ کر آپ کی اُمت میں اپنی ایک اُمت آسانی کے ساتھ بنا لے۔

(۴) احادیث اس امر کی بھی تصریح کرتی ہیں کہ نزول کے نتیجے میں تمام ملتیں ختم ہو جائیں گی اور صرف ملت اسلام باقی رہ جائے گی (ملاحظہ ہو ضمیمہ ۱، روایت نمبر ۵، ۱۴)۔ روایت نمبر ۱، ۲، ۵ ضمیمہ اول میں صلیب کو توڑ دینے یا محو کر دینے یا پاش پاش کر دینے اور خنزیر کو ہلاک کر دینے کا مطلب تمام محدثین نے یہ لیا ہے کہ عیسائیت اور اسلام کا جھگڑا ختم ہو جائے گا اور دونوں ملتیں ایک ہو جائیں گی۔ روایات نمبر ۸، ۱۴ اور ۲۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیت دجال کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی اور مذکورہ بالا روایات میں ''جنگ'' اور ''جزیے'' اور ''خراج'' کو ساقط کر دینے کا مطلب بالاتفاق یہ سمجھا گیا ہے کہ تمام ملتوں کے ختم ہو جانے اور صرف ملت اسلام کے باقی رہ جانے کی وجہ سے جنگ بھی ختم ہو جائے گی

اور جزیہ وخراج کسی پر عائد کرنے کا سوال ہی باقی نہ رہے گا۔

(۵) یہ امر خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ نزول مسیح کا عقیدہ، جس طرح کہ وہ احادیث میں بیان ہوا ہے اور جس طرح کہ علمائے اُمت نے اس کو سمجھا ہے، کسی طرح عقیدہ ختم نبوت سے متصادم نہیں ہوتا (ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۳) اور اس کے برعکس ''مسیح موعود'' کا قادیانی تخیل قطعی طور پر اس سے متصادم ہوتا ہے۔ اس کے وجوہ حسب ذیل ہیں:

(الف) عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان لائے، تمام مسلمان ہمیشہ سے ان پر ایمان لاتے رہے اور آئندہ بھی جو مسلمان ہوگا وہ ان پر ضرور ایمان لائے گا، اب بھی جو ان کو نہ مانے وہ بالاتفاق کافر اور خارج از ملت ہے۔ اس لیے ان کی آمد ثانی پر کسی نئے کفر وایمان کا مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔ امکان عقلی کی حد تک اگر کوئی اختلاف ہوسکتا ہے تو اس واقعہ میں ہوسکتا ہے کہ جو صاحب نازل ہوئے ہیں وہ عیسیٰ ابن مریم ہیں یا نہیں، لیکن اس امر میں نہیں ہوسکتا کہ اگر یہ ابن مریم ہیں تو ماننے کے قابل ہیں یا نہیں۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کی آمد سے مسلمانوں میں کفر وایمان کی کوئی نئی تفریق رونما نہیں ہوسکتی۔ اس کے برعکس جو شخص ''نازل'' نہ ہو بلکہ ہمارے درمیان ''پیدا'' ہو کر یہ دعویٰ کرے کہ میں مسیح ہوں، میرے اوپر ایمان لاؤ، اس کا دعویٰ لازماً اُمت میں کفر وایمان کی ایک نئی تفریق برپا کرتا ہے اور اس کے انکار پر نئے سرے سے ان لوگوں کے خارج از ملت قرار پا جانے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے جنھیں ختم نبوت کے عقیدے نے ہمیشہ کے لیے ایک ملت بنا کر بنیادی تفرقے سے محفوظ کر دیا ہے۔ قادیانی ''مسیح'' کے دعوے سے یہ امکان اب واقعہ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔

(ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۷۔ پیرا گراف نمبر ۱۴، اقتباس نمبر ۵ تا ۲۲)

(ب) احادیث میں صراحتاً یا اشارتاً کہیں بھی آنے والے مسیح ابن مریم کو اس حیثیت سے پیش نہیں کیا گیا ہے کہ وہ آ کر اپنی نبوت کا دعویٰ پیش کرے گا، لوگوں کو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دے گا، اپنے ماننے والوں کو ایک اُمت یا جماعت بنائے گا اور نہ ماننے

والوں کو مسلمانوں میں سے الگ کردے گا۔ احادیث اس کو ایک نیا اور مستقل مشن لے کر آنے والے شخص کی حیثیت سے پیش نہیں کرتیں بلکہ اس حیثیت سے پیش کرتی ہیں کہ وہ آ کر مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جائے گا، اس کے زمانے میں مسلمانوں کا جو بھی امیر یا امام یا سردار جماعت ہو گا اس کی قیادت تسلیم کرے گا اور صرف فتنہ دجال کو ختم کرنے کی وہ خدمت انجام دے گا جو اس کے سپرد کی گئی ہو گی۔ اسی لیے وہ احتیاطاً نماز میں بھی مسلمانوں کی امامت نہ کرے گا بلکہ انہی کے امام کا اقتدا کرے گا تاکہ اس شبہ کی گنجائش بھی نہ رہے کہ وہ اپنی سابق حیثیت (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیثیت) میں واپس آیا ہے۔ ضمیمہ نمبر ۱ کی روایات نمبر ۲، ۶، ۸، ۱۴، ۱۵ اور ضمیمہ نمبر ۳ کے پیراگراف ۵، ۶ اس مسئلے میں ناطق ہیں۔ مگر ''مسیح موعود'' کا قادیانی عقیدہ اس کے بالکل برعکس ہے اور برعکس نتائج پیدا کرتا ہے۔

(ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۷، پیراگراف نمبر ۹، ۱۲، ۱۴)

(ج) مسلمان جس حیثیت سے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے نزول کو مانتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگرچہ وہ اپنی پہلی بعثت میں نبی کی حیثیت سے آئے تھے اور اگرچہ نبوت کا فضل وشرف ان سے سلب نہیں ہو گیا ہے، لیکن چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہی ان کا (عیسیٰ علیہ السلام کا) زمانہ نبوت ختم ہو گیا ہے اور اب قیامت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عہد نبوت ہے، اس لیے عیسیٰ علیہ السلام اب نبی کی حیثیت میں نہیں آئیں گے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اور آپ ہی کی شریعت کے متبع ہوں گے اور ان کا کام اپنی رسالت کو پیش کرنا، یا نئے احکام دینا، یا پچھلے احکام میں ردوبدل کرنا نہ ہو گا بلکہ شریعت محمدیہ کے مطابق اس خدمت خاص کو انجام دینا ہو گا جس کے لیے وہ نازل کیے جائیں گے۔ اس مسئلے میں امام رازی، امام نووی، علامہ تفتازانی، شیخ اسماعیل حنفی اور علامہ آلوسی کی تصریحات خاص طور پر قابل غور ہیں۔

(ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۳، پیراگراف ۲، ۳، ۵، ۱۳ اور ضمیمہ نمبر ۵ پیراگراف ۱۰)

اس تخیل کو اس مثال سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ خواجہ ناظم الدین اگرچہ اپنے وقت میں پاکستان کے گورنر جنرل تھے، اور سابق گورنر جنرل ہونے کا اعزاز ان سے چھن

نہیں گیا ہے، مگر مسٹر غلام محمد کے دور میں وہ ہمارے درمیان گورنر جنرل کی حیثیت میں نہیں بلکہ رعیت دولت پاکستان کے ایک فرد کی حیثیت میں ہیں۔ اس طرح مسیح ابن مریم کا نزول عقیدۂ ختم نبوت کے ساتھ بالکل ہموار ہو جاتا ہے اور اس امر کا شبہ تک باقی نہیں رہتا کہ ان کی آمد سے ایک نئے پیشوا کے اتباع کا سوال پیدا ہوگا جسے قبول کرنے پر کسی شخص کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کا انحصار ہو۔ بخلاف اس کے ''مسیح موعود'' کا قادیانی تخیل ایک نئے پیشوا کو ہمارے سامنے لاتا ہے جو نبوت کے تمام اعتقادی اور شرعی حقوق کا ہم سے مطالبہ کرتا ہے اور وہ تمام دعوے لے کر اٹھتا ہے جو ایک مستقل رسالت کے ساتھ آنے والے شخص کے سوا کوئی دوسرا انسان پیش نہیں کرسکتا۔ (ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۷، پیراگراف ۹، اقتباس نمبر ۳، ۴۔ پیراگراف ۱۱، اقتباس نمبر ۹، ۱۰، ۱۱۔ پیراگراف نمبر ۱۳۔ پیراگراف نمبر ۱۴، اقتباس نمبر ۵ تا ۲۲)۔ ان دعوؤں کی نوعیت میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مدعی اپنے آپ کو ''اُمتی'' اور ''تابع شرع محمدی'' کی حیثیت میں رکھتا ہے یا کسی اور حیثیت میں اصل چیز جو اس کے دعوؤں کی نوعیت کو نزول مسیح کے اسلامی عقیدہ سے اساسی طور پر قطعی مختلف کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ نزول مسیح کا اسلامی عقیدہ، ایک نئے پیشوا کی اطاعت و اتباع کو کفر و ایمان کا مدار نہیں بناتا اور مسیح موعود کا قادیانی عقیدہ اس کو مدار کفر و ایمان بناتا ہے۔

(ب) درباب ظہور مہدی:

(۶) ''مہدی'' کے مسئلے کی نوعیت نزول مسیح کے مسئلے سے بہت مختلف ہے۔ اس مسئلے میں دو قسم کی احادیث پائی جاتی ہیں۔ ایک وہ جن میں لفظ ''مہدی'' کی تصریح ہے۔ دوسری وہ جن میں صرف ایک ایسے خلیفہ کی خبر دی گئی ہے جو آخر زمانے میں پیدا ہوگا اور اسلام کو غالب کر دے گا۔ ان دونوں قسم کی روایات میں سے کسی ایک کا بھی بلحاظ سند یہ پایہ نہیں ہے کہ امام بخاریؒ کے معیار تنقید پر پورا اترتا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے مجموعہ حدیث میں کسی کو بھی درج نہیں کیا۔ مسلم نے صرف ایک روایت درج کی ہے جو لفظ مہدی سے خالی ہے۔ (ملاحظہ ہو ضمیمہ ۲، روایت نمبر ۱۶) دوسری کتابوں میں جس قدر روایات موجود ہیں،

قریب قریب ان سب کو ہم نے ضمیمہ ۲ میں جمع کر دیا ہے۔ان روایات میں' سند سے قطع نظر کرتے ہوئے' کمزوری کے متعدد پہلو ہیں:

(الف) ان کے نفس مضمون میں صریح اختلافات ہیں۔روایات نمبر ۲' ۳' ۱۰' ۱۴ اور ۱۵ کہتی ہیں کہ وہ خاندان اہل بیت سے ہوگا۔نمبر ۱۸ اور ۱۹ کہتی ہیں کہ اس کا ظہور عباسی خاندان میں ہوگا۔نمبر ۴/ اس کے ظہور کا دائرہ تمام اولاد عبدالمطلب تک پھیلا دیتی ہے۔نمبر ۵/ اس دائرے کو پھیلا کر تمام امت تک وسیع کر دیتی ہے اور نمبر ۱۷/ کہتی ہے کہ وہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص ہوگا۔پھر روایت نمبر ۱۱ اور ۱۳ کہتی ہیں کہ اس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر ہوگا اور نمبر ۱۴/ کہتی ہے اس کا نام اور اس کے باپ کا نام، دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کے نام پر ہوں گے۔ان سب کے برعکس نمبر ۱۲ کی رو سے اس کا نام حارث ہوگا اور وہ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں روائی کے لیے زمین ہموار کرے گا۔

(ب) متعدد روایات میں اس امر کی اندرونی شہادت موجود ہے کہ ابتدائے اسلام میں جن مختلف پارٹیوں کے درمیان سیاسی کشمکش برپا تھی' انھوں نے اپنے مفاد کے مطابق اس پیشین گوئی کو ڈھالنے کی کوشش کی ہے اور یہ روایات ان کے سیاسی کھیل کا کھلونا بننے سے محفوظ نہیں رہ سکی ہیں۔مثلاً روایت نمبر ایک میں خراسان کی طرف آنے والے سیاہ جھنڈوں کا ذکر ہے جو صاف بتاتا ہے کہ عباسیوں نے اس روایت میں اپنے مطلب کی بات داخل کی ہے، کیونکہ سیاہ رنگ عباسیوں کا شعار تھا اور ابو مسلم خراسانی نے عباسی سلطنت کے لیے زمین ہموار کی تھی۔اسی طرح روایات نمبر ۲' ۳' ۱۰' ۱۴ اور ۱۵ کو اگر نمبر ۴' ۱۸ اور ۱۹ کے مقابلہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف اس پیشین گوئی کو بنی فاطمہ نے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی ہے تو دوسری طرف بنی عباس اسے اپنی جانب کھینچ لے گئے ہیں۔

(ج) تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ تمام روایات بالکل ہی بے اصل ہیں۔تمام

آمیزشوں سے الگ کرکے ایک بنیادی حقیقت ان سب میں مشترک ہے اور وہی اصل حقیقت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر زمانے میں ایک ایسے لیڈر کے ظہور کی پیشین گوئی فرمائی ہے جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا، ظلم وستم مٹا دے گا، سنت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرے گا، اسلام کو غالب کر دے گا اور خلق خدا میں عام خوش حالی پیدا کر دے گا۔

(۸) مہدی کے ظہور کا خیال بہرحال انہی روایات پر مبنی ہے اور یہ روایات اس تخیل سے بالکل خالی ہیں کہ مہدی، نبوت کے منصب کی طرح کسی دینی منصب کا نام ہے جسے ماننا اور تسلیم کرنا کسی درجے میں بھی شرعاً ضروری ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگر یہ لفظ استعمال کیا ہے تو شخص موعود کے لیے بطور ایک اسم صفت کے استعمال کیا ہے کہ وہ ایک ''ہدایت یافتہ'' شخص ہوگا۔ اور ایک روایت (نمبر ۱۲) میں صرف اتنا کہا گیا ہے کہ ''ہر مومن پر اس کی مدد واجب ہے''۔ یہ بات اگر فی الواقع حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمائی ہے تو اس کا مطلب زیادہ سے زیادہ صرف یہ ہے کہ جس طرح ہر مجاہد فی سبیل اللہ اور حامی حق کی مدد کرنا اور راہ خدا میں اس کا ساتھ دینا مسلمانوں کے لیے واجب ہے اسی طرح شخص موعود کی مدد کرنا بھی واجب ہوگا۔ اس کو کسی کھینچ تان سے بھی یہ معنی نہیں پہنائے جاسکتے کہ ''منصب مہدویت'' کے نام سے اسلام میں کوئی دینی منصب پایا جاتا ہے جس کو ماننا یا جس پر ایمان لانا واجب ہو اور جس کو نہ ماننے سے دنیا وآخرت میں کچھ مخصوص اعتقادی ومعاشرتی نتائج پیدا ہوتے ہوں۔ پھر احادیث میں کہیں اس عجیب وغریب حرکت کے لیے بھی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ کوئی آدمی انا المہدی کے نعرے سے ہی دین کا کام کرنے اٹھے اور پھر اپنی طاقت کا بڑا حصہ صرف اپنے آپ کو مہدی منوانے ہی پر صرف کر دے۔

(۹) یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مہدی کے متعلق کوئی خاص عقیدہ اسلامی عقائد میں شامل نہیں ہے۔ اہل سنت کی کتب عقائد اس سے بالکل خالی ہیں اور تاریخ کے دوران میں جتنے لوگوں نے بھی مہدویت کا دعویٰ کرکے اپنے نہ ماننے والوں کو کافر یا گمراہ یا دائرۂ دین سے خارج ٹھہرا کر اپنے ماننے والوں کی الگ جماعت بندی کی ہے۔ علمائے اسلام

نے ان سب کی مخالفت کی اور امت کی عظیم اکثریت نے ان کو رد کر دیا۔

بجواب نکتہ دوم:

(۱۰) یہ بات کہ مسیح موعود جن کے آنے کی مسلمان توقع رکھتے ہیں عیسیٰ ابن مریم ہی ہیں‘ ان تمام روایات سے جو ضمیمہ نمبر ا میں، اور ان تمام اقوال علما سے جو ضمیمہ نمبر ۳ میں جمع کر دیئے گئے ہیں‘ ثابت ہے۔ ہمیں کوئی روایت‘ حدیث کی کسی کتاب میں ایسی نہیں ملی جس میں آنے والے مسیح کا ذکر عیسیٰ ابن مریم‘ مسیح ابن مریم‘ یا ابن مریم کے سوا کسی اور ایسے لفظ سے کیا گیا ہو جس سے یہ گمان کیا جا سکے کہ شاید آنے والا مسیح حضرت عیسیٰ ابن مریم کے سوا کوئی اور ہو۔ صرف ایک روایت ایسی ہے جس میں محض ’’مسیح‘‘ کا لفظ آیا ہے۔ (ضمیمہ نمبر ۲‘ روایت نمبر ۸)۔ مگر وہ بھی بعض دوسری سندوں سے جن الفاظ میں مروی ہوئی ہے اس میں یا تو عیسیٰ کی تصریح ہے یا ابن مریم کی۔ نیز ابتدا سے آج تک کے علمائے اسلام میں کوئی قابل ذکر عالم کم ازکم ہمارے علم کی حد تک نہیں ہے‘ جس نے کبھی اس خیال کا اظہار کیا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے آنے کی خبر دی ہے وہ عیسیٰ ابن مریم نہیں بلکہ صفات اور حالات میں ان سے مشابہ کوئی غیر ابن مریم ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مرزا غلام احمد صاحب کا نظریہ ’’مثیل مسیح‘‘ نہ چل سکا تو انھوں نے تمثیلی رنگ میں اپنے آپ کو مریم اور پھر خود اپنے ہی بطن سے پیدا شدہ عیسیٰ ابن مریم قرار دیا اور جب یہ پوزیشن بھی قابل قبول قرار نہ پائی گئی تو یہ عجیب وغریب خیال ظاہر کیا کہ چونکہ میں کسی سلسلہ تصوف میں مرید نہیں ہوں اور میرا کوئی والد روحانی (پیر) نہیں ہے‘ اس لیے گویا میں عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بے باپ پیدا ہوا ہوں۔ (ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۷‘ پیراگراف ۱۲‘ اقتباسات نمبر ۱‘ ۲‘ ۳‘ ۴‘ ۷‘ ۸‘)

بجواب نکتہ سوم:

(۱۱) جہاں تک حضرت مسیح کے نزول کا تعلق ہے‘ علمائے اسلام یہ تصریح کرتے ہیں کہ یہ نزول نبی کی حیثیت میں نہیں ہوگا (ملاحظہ ہو ضمیمہ ۳)۔ بلکہ شرح عقائد نسفی‘ تفسیر روح البیان اور تفسیر روح المعانی میں یہ صاف صاف کہا گیا ہے کہ ان کی طرف نہ وحی ہوگی اور نہ

وہ احکام مقرر کریں گے۔ (ضمیمہ نمبر ۳' پیراگراف ۹ و ۱۳ ضمیمہ نمبر ۵' پیراگراف ۱۰) نیز احادیث میں کہیں کوئی اشارہ تک ایسا نہیں پایا جاتا جس سے حضرت عیسیٰ کے نبی کی حیثیت سے آنے اور بذریعہ شرعی احکام پانے کا شبہ کیا جا سکتا ہو۔

رہے مہدی' تو ان کے بارے میں نبوت اور وحی کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پیراگراف نمبر ۸ و ۹ میں جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے وہ اس نکتے کی توضیح کے لیے کافی ہے۔

بجواب نکتہ چہارم:

(۱۲) قرآن اور سنت کے کسی حکم کو منسوخ کرنا' یا کسی حکم میں ردوبدل کرنا عیسیٰ ابن مریم اور مہدی' دونوں کے اختیارات سے قطعاً خارج ہے۔ ضمیمہ ۱'۲'۳' میں جو احادیث اور اقوال علما جمع کیے گئے ہیں وہ اس سوال کے جواب میں بالکل ناطق ہیں۔ اگر کوئی احادیث میں یضع الحرب' یضع الجزیہ' یضع الخراج وغیرہ الفاظ دیکھ کر یہ سمجھتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آ کر جہاد بالسیف کو ممنوع قرار دیں گے اور جزیہ وخراج سے ذمیوں کو معاف کر دیں گے تو وہ صریح غلط بات سمجھ بیٹھتا ہے۔ اول تو احادیث میں خود ہی یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی آمد پر ملتوں کا اختلاف ختم ہو جائے گا اور ایک ہی ملت رہ جائے گی اس لیے جنگ اور جزیہ وخراج خود ختم ہو جائیں گے۔ دوسرے ضمیمہ نمبر ۱ کی روایت نمبر ۲۰ میں کسر صلیب' قتل خنزیر اور وضع جزیہ کو حضرت عیسیٰؑ کے بجائے مسلمانوں کا فعل بتایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ نسخ احکام کے مجاز عام مسلمان تو بہر حال نہیں ہو سکتے۔ تیسرے یہ کہ محدثین نے اس کے معنی بالاتفاق وہی بیان کیے ہیں جو ابھی ہم بیان کر آئے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حزم لکھتے ہیں:

"فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین نصرانیت کو ختم کر دیں گے' صلیب کو حقیقتاً توڑ دیں گے' اور دوسرے فقرے سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ سور کا گوشت کھانے کو حرام کر دیں گے۔ ویضع الحرب۔ کشمھینی کی روایت میں حرب کے

بجائے جزیہ کا لفظ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین ایک ہو جائے گا اور اہل ذمہ باقی ہی نہ رہیں گے کہ کوئی جزیہ ادا کرے"۔ (المحلیٰ، ابن حزم، جلد ۱، ص ۹)

بجواب نکتہ پنجم:

(۱۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی مختلف طریقوں سے آتی تھی۔ اس کی تفصیل علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس طرح کی ہے:

۱۔ سچا خواب، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدائی صورت تھی۔ آپ جو خواب بھی دیکھتے تھے وہ اس طرح صاف صاف آتا تھا جیسے سپیدۂ صبح۔

۲۔ فرشتہ آپ کے ذہن وقلب میں ایک بات ڈالتا تھا بغیر اس کے کہ وہ آپ کو نظر آئے۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ روح القدس (جبریلؑ) نے میرے ذہن میں یہ بات ڈالی ہے (یا پھونکی ہے) کہ کوئی متنفس ہرگز نہ مرے گا جب تک کہ اپنے حصے کا پورا رزق نہ پالے' لہٰذا اللہ سے ڈر کر کام کرو اور طلب رزق کا اچھا طریقہ اختیار کرو اور رزق میں تاخیر تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اسے اللہ کی نافرمانی کے ساتھ طلب کرنے لگو' کیونکہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے (یعنی اس کا انعام) وہ صرف اس کی اطاعت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ فرشتہ آپ کے سامنے بصورت انسان نمودار ہو کر بات کرتا تھا اور اس وقت تک مخاطب رہتا تھا جب کہ آپ اس کی بات پوری طرح ذہن نشین نہ کر لیں۔ اس صورت میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ صحابہؓ نے بھی اس کو دیکھا ہے۔

۴۔ وحی سے پہلے آپ ﷺ کے کان میں ایک گھنٹی سی بجنی شروع ہوتی تھی اور اس کے ساتھ پھر فرشتہ بات کرتا تھا۔ یہ وحی کی شدید ترین شکل تھی جس سے سخت جاڑے میں بھی آپ ﷺ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ اگر آپ ﷺ اونٹ پر سوار ہوتے تھے تو وہ بوجھ کے مارے بیٹھ جاتا تھا۔ ایک دفعہ اس حال میں وحی آئی کہ آپ ﷺ زید بن ثابت کے زانو پر سر رکھے لیٹے تھے۔ اس وقت ان پر اتنا بوجھ پڑا کہ ان کی ران ٹوٹنے لگی تھی۔

۵۔آپ فرشتے کو اس کی اصلی صورت میں دیکھتے تھے جس میں اللہ نے اسے پیدا کیا ہے' پھر جو کچھ اللہ کا حکم ہوتا' اسے وہ آپ پر وحی کرتا تھا۔یہ شکل دو مرتبہ پیش آئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نجم میں بیان کیا ہے۔

٦۔براہ راست اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی کی جب کہ آپ معراج میں آسمانوں پر تھے اور وہاں نماز فرض کی اور دوسری باتیں ارشاد فرمائیں۔

۷۔اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے توسط کے بغیر آپ سے گفتگو کی جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے کی تھی۔حضرت موسیٰ ؑ کے لیے تو یہ مرتبہ قرآن سے ثابت ہے۔رہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' تو آپ کے حق میں اس کا ذکر معراج کی حدیث میں آیا ہے۔

ان کے علاوہ بعض لوگوں نے ایک آٹھویں شکل بھی بیان کی ہے اور وہ یہ کہ اللہ نے بے پردہ ہو کر آپ سے گفتگو کی۔یہ ان لوگوں کا مذہب ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا مگر اس مسئلے میں سلف اور خلف کے درمیان اختلاف ہے''۔ (زادالمعاد' جلد اول' ص ۲۴۔۲۵)

سیوطی نے اتقان جلد اول میں ایک پوری فصل اسی مضمون پر لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

''چالیس سال کی عمر میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہوئے تو ابتدائی تین سال تک اسرافیل ؑ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت پر مامور رہے اور ان کے ذریعہ سے قرآن کا کوئی حصہ نازل نہیں ہوا۔پھر جبرائیل وحی لانے پر مقرر ہوئے اور وہ ۲۰ سال تک قرآن لاتے رہے۔وحی کی صورتیں حسب ذیل تھیں:

۱۔کان میں گھنٹی بجنی شروع ہوتی اور پھر فرشتے کی آواز آتی۔

اس میں حکمت یہ تھی کہ پہلے آپ سب طرف سے توجہ ہٹا کر اس آواز کو سننے کے لیے ہمہ تن متوجہ ہو جائیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان ہے کہ یہ شکل آپ کے لیے سب سے زیادہ شدید تھی۔

۲۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذہن و قلب میں ایک بات ڈالی جاتی تھی' جیسا کہ آپ نے

خود بیان فرمایا ہے۔

۳۔فرشتہ آپ سے انسانی شکل میں آ کر بات کرتا تھا۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ وحی کی یہ صورت میرے لیے سب سے زیادہ ہلکی ہوتی ہے۔

۴۔فرشتہ خواب میں آ کر آپ ﷺ سے بات کرتا۔

۵۔اللہ تعالیٰ آپ سے براہ راست کلام کرتا' خواہ بیداری میں یا خواب میں۔

بجواب نکتہ ششم:

(۱۴) ختم نبوت کی یہ تعبیر کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی اور کسی نوعیت کا نبی نہیں آ سکتا، اور یہ کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں جن کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور یہ کہ آپ ﷺ کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے اور جو اس کو مانے وہ کاذب اور کافر اور دائرۂ ملت سے خارج ہے' یہ آغاز اسلام سے آج تک تمام مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے جس میں اسلامی فرقوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔اس عقیدے کی بنیاد قرآن' سنت اور اجماع امت پر ہے۔

(الف) قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بالفاظ صریح خاتم النبیین قرار دیا ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

الاحزاب 40:33

محمد ﷺ نہیں ہیں تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔

خاتم کے لفظ کو خواہ بالکسر خاتِم پڑھا جائے یا بالفتح خاتَم۔ دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہی ہے۔خاتم لفظ ختم سے نکلا ہے جس کے معنی مہر کرنے یا لگانے کے ہیں۔اگر خاتِم پڑھا جائے تو یہ مہر کرنے والے کے معنی ہو گا۔اور اگر خاتَم پڑھا جائے تو اس کے معنی خود مہر کے ہیں۔دونوں صورتوں میں مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے

انبیا کے سلسلے پر مہر لگ گئی ہے۔

یہ آیت جس سیاق وسباق میں آئی ہے وہ اس معنی کو قطعی طور پر ثابت کر دیتا ہے اور کسی دوسرے معنی کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ سیاق وسباق یہ ہے کہ عرب میں منہ بولے بیٹے کو بالکل صلبی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا تھا جس سے بے اولاد لوگوں کے دوسرے رشتے دار وراثت سے محروم ہوجاتے تھے اور گھر میں ایک غیر صلبی بیٹے کا اصلی بیٹے کی طرح رہنا بہت سی معاشرتی خرابیاں پیدا کرتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب کے پہلے رکوع میں متبنیٰ کی نفی فرمائی، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبنیٰ حضرت زید بن حارثہؓ نے اپنی بیوی حضرت زینبؓ کو طلاق دی تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود حضرت زینبؓ سے شادی کر کے عرب کی اس رسم کو عملاً توڑ دیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر عمل کیا اور اس پر نہ صرف مدینے میں بلکہ عرب کے دوسرے حصوں میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک سخت طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ منافقین، یہود اور مشرکین سب یہ کہتے تھے کہ انھوں نے اپنی بہو سے شادی کر لی ہے اور جب یہ کہا جاتا تھا کہ جس شخص کی مطلقہ بیوی سے شادی کی گئی ہے وہ آپ کا صلبی بیٹا نہ تھا اس لیے اس سے شادی کرنا جائز تھا، تو جواب میں وہ کہتے تھے کہ بالفرض یہ جائز ہی سہی، مگر اس فعل کا کرنا کیا تھا؟ ان اعتراضات کے جواب میں سورہ الاحزاب کا پانچواں رکوع نازل ہوا جس میں پہلے تو اللہ تعالیٰ صاف طور پر فرماتا ہے کہ نبی نے یہ فعل ہمارے حکم سے کیا ہے، پھر مذکورۂ بالا آیت میں معترضین کو تین جواب دیتا ہے:

۱۔ یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، یعنی جو نکاح انھوں نے کیا ہے، وہ ''بہو'' سے ہوا ہی نہیں، پھر اس پر اعتراض کیسا۔

۲۔ یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، یعنی ان کا فرض ہے کہ شریعت الٰہی کے احکام کو نہ صرف بیان کریں بلکہ خود ان پر عمل بھی کریں اور غیر شرعی رسموں کو مٹائیں۔

۳۔ یہ کہ وہ خاتم النبیین ہیں، یعنی وہ رسول بھی ایسے ہیں کہ ان کے بعد کوئی رسول

یا نبی آنے والا نہیں ہے، اگر وہ کسی خرابی کو باقی رہنے دیں تو یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ بعد میں کوئی دوسرا آکر اس کی اصلاح کر دے گا۔

اس سیاق وسباق میں نہ یہ معنی لیے جاسکتے ہیں کہ وہ اپنی مہر لگا کر آئندہ نئے نبی بناتے رہیں گے اور نہ یہ معنی لیے جاسکتے ہیں کہ وہ خاتم النبیین بمعنی افضل النبیین ہیں جن پر نبوت کے کمالات تو ختم ہو گئے مگر سلسلہ نبوت بند نہ ہوا۔ ان دونوں من گھڑت معنوں میں سے جو بھی لیے جائیں گے، خاتم النبیین کا فقرہ اس سیاق وسباق میں بالکل مہمل ہو جائے گا۔

(تقابل کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۱۷ پیراگراف ۱۰)

(ب) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو نہایت واضح الفاظ میں مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے اس کی تشریح فرمادی ہے جس کے بعد کوئی شخص جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو، کسی دوسری تعبیر وتاویل کا تصور تک نہیں کرسکتا۔ ضمیمہ نمبر ۴ میں ہم نے وہ تمام احادیث جمع کردی ہیں جو اس آیت کی تفسیر میں نہایت مضبوط سندوں کے ساتھ کتب حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں۔ ان احادیث کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مضمون ایک دفعہ نہیں، بارہا بیان کیا ہے اور ایسے صریح الفاظ میں بیان کیا ہے جن سے زیادہ صریح الفاظ اس کے لیے اور کوئی نہیں ہوسکتے۔

(ج) قدیم زمانے سے آج تک امت کے تمام علماء اس آیت کے وہی معنی سمجھتے رہے ہیں جو اوپر ہم نے بیان کیے ہیں۔ ضمیمہ نمبر ۵ میں ہم نے تیسری صدی سے لے کر تیرہویں صدی تک کے تمام اکابر مفسرین کی تفسیریں نقل کردی ہیں جنھیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانے میں ہر ملک کے مفسر اس کا صرف یہی ایک مطلب لیتے رہے ہیں۔ اس کے سوا کسی مفسر کا کوئی قول پیش نہیں کیا جاسکتا۔

(د) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متصلاً بعد صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق ان سب لوگوں کے خلاف جنگ کی جنھوں نے نبوت کا دعویٰ کیا یا اس دعوے کو مانا۔ اس سلسلے

میں خصوصیت کے ساتھ مسیلمۂ کذاب کا معاملہ قابل ذکر ہے۔ معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ مسیلمۂ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار نہیں کیا تھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی تسلیم کرتا تھا۔ البتہ خود اپنی نبوت کا بھی مدعی تھا۔ طبری وہ خط نقل کرتا ہے جو مسیلمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لکھا تھا۔ اس میں وہ لکھتا ہے:

من مسیلمة رسول الله الی محمد رسول الله سلام علیك فانی قد اشرکت فی الامر معك۔

مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف۔ آپ پر سلام ہو۔ آپ کو معلوم ہو کہ میں آپ کے ساتھ امر نبوت میں شریک کیا گیا ہوں۔ (جلد دوم، ص ۳۹۹)

مگر اس کے باوجود وہ کافر اور خارج از ملت قرار دیا گیا۔ پھر تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ بنوحنیفہ نیک نیتی کے ساتھ (in good faith) اس پر ایمان لائے تھے۔ البدایہ والنہایہ میں ابن کثیر نے تفصیل کے ساتھ وہ وجوہ بتائے ہیں جن کی بنا پر بنوحنیفہ اس کے فتنے میں مبتلا ہوئے۔ اس سلسلے میں وہ بتاتے ہیں کہ ایک شخص رحال بن عنفوہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر مسلمان ہوا اور کچھ مدت رہ کر قرآن سیکھتا رہا۔ پھر وہ مسیلمہ کے پاس جا کر اس کی نبوت پر ایمان لیے آیا اور اس نے بنوحنیفہ کو یقین دلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کو شریک فی الامر کیا ہے۔ نیز جو قرآن اس کو یاد تھا اسے اس شخص نے مسیلمہ پر نازل شدہ کلام کی حیثیت سے بنوحنیفہ کے سامنے پیش کیا۔ یہی چیز بنوحنیفہ کے لیے سب سے بڑھ کر فتنے کا موجب بنی۔ (جلد پنجم، صفحہ ۵۱) مگر اس نیک نیتی کے باوجود صحابہ کرام نے بنوحنیفہ کو مسلمان تسلیم نہیں کیا، اور ان پر فوج کشی کی۔

پھر یہ کہنے کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ مسیلمہ اور بنوحنیفہ کے خلاف صحابہ کرامؓ کی جنگ بربنائے دعوائے نبوت نہ تھی بلکہ بربنائے خروج و بغاوت تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اسلامی قانون میں جن لوگوں کے خلاف خروج و بغاوت کے جرم میں فوج کشی کی جاتی ہے ان کے اسیروں کو غلام نہیں بنایا جاتا، خواہ وہ مسلمان ہوں یا ذمی۔ مگر مسیلمہ کے پیروؤں کے خلاف جو فوج کشی کی گئی تھی، اس کے آغاز ہی میں حضرت ابوبکرؓ نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ:

ان یسبی النساء والذرای ولا یقبل من احد غیر الاسلام۔

ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنالیا جائے گا اور ان سے اسلام کے سوا کوئی چیز قبول نہ کی جائے گی یعنی وہ ذمی نہیں بنائے جائیں گے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۶، صفحہ ۳۱۶)

اور واقعتاً بھی یہی ہوا کہ بنو حنیفہ کے اسیر غلام بنائے گئے اور یہ مشہور واقعہ ہے کہ انہی میں سے ایک لونڈی حضرت علیؓ کے حصے میں آئی۔ حضرت علیؓ کے نامور صاحبزادے محمد بن حنیفہ اسی حنفی لونڈی کے بطن سے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۶، صفحہ ۳۲۵)

یہ تھا ختم نبوت اور ارتداد کے مسئلے میں صحابہؓ کرام کی پوری جماعت کا متفقہ فیصلہ۔ اسلام اور اس کے اصول وقوانین کے لیے قرآن وحدیث کے بعد اجماع صحابہؓ سے بڑھ کر کوئی سند نہیں ہے اور کم ازکم کوئی معقول آدمی تو یہ بات نہیں مان سکتا کہ جن لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست تعلیم وتربیت پائی تھی ان کی متفقہ رائے تو اسلام کی صحیح ترجمان نہ ہو اور آج کوئی زید یا بکر جس چیز کو اپنی جگہ اسلام سمجھ بیٹھا ہو وہ اصلی اسلام ہو۔

(ہ) دور صحابہؓ کے بعد سے لے کر آج تک ختم نبوت کے بارے میں امت کے فقہاء، محدثین اور مفسرین کا کیا مسلک رہا ہے، اسے ہم نے ضمیمہ نمبر ۵، ۶ میں پیش کر دیا ہے۔ اس میں یہ بات دیکھی جا سکتی ہے کہ ایک ہی بات ہے جسے پہلی صدی ہجری کے امام ابوحنیفہ سے لے کر تیرھویں صدی کے علامہ آلوسی تک سب کہتے چلے آرہے ہیں۔ ان میں ہندوستان کے مصنّفین فتاوائے عالمگیری، ایران کے امام غزالی، ماوراء النہر کے ملا علی قاری، ترکی کے اسماعیل حقی، عراق کے علامہ الوسی، شام کے علامہ ابن کثیر، مصر کے امام سیوطی، یمن کے امام شوکانی، مراکش کے قاضی عیاض اور اندلس کے ابن حزم سب شامل ہیں۔ پھر ان میں زمخشری معتزلی ہیں تو امام رازی اشعری، شوکانی اہل حدیث ہیں تو ابن حزم ظاہری، ابن کثیر حنبلی ہیں تو امام غزالی شافعی، قاضی عیاض مالکی ہیں تو اسماعیل حقی اور آلوسی اور ابن نجیم وغیرہ حنفی۔ اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس مسئلے میں مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ہر ملک، ہر زمانے اور ہر مسلک ومذہب کے مسلمانوں کا عقیدہ ایک ہی رہا ہے اور وہ وہی ہے جسے یہاں آل مسلم پارٹیز کنونشن نے پیش کیا ہے۔

۱۵۔ یہ امر نظر انداز نہ کیا جانا چاہیے کہ ختم نبوت کا یہ عقیدہ محض ایک اعتقادی مسئلہ نہیں ہے جس میں اختلاف رونما ہونے کے اثرات ونتائج صرف فکروخیال کی دنیا تک محدود رہ سکتے ہوں' بلکہ یہی وہ واحد بنیاد ہے جس پر مسلمانوں کی پوری قومی عمارت قائم رہ سکتی ہے' جس کے بقا پر مسلم ملت کی وحدت اور اس کا استحکام منحصر ہے اور جس کے متزلزل ہوجانے کے اثرات ونتائج محض ''مذہب'' کے دائرے تک محدود رہ جانے والے نہیں ہیں بلکہ تمدنی اور سیاسی اور معاشی اور بین الاقوامی ہر حیثیت سے ہمارے لیے سخت مہلک ہیں۔ تاریخ میں مسلمانوں کے درمیان عقائد اور اصول اور فروع میں بے شمار اختلافات رونما ہوچکے ہیں اور اب بھی ہوئے جارہے ہیں جن کے نہایت بُرے اثرات ہمارے اجتماعی زندگی پر مرتب ہوئے ہیں اور ہورہے ہیں۔ مگر شروع سے آج تک جس چیز نے تمام تفرقوں اور اختلافات کے باجود ہم سب کو ایک ملت بنا رکھا ہے اور جس چیز کی بدولت ہمیشہ قومی خطرات ومصائب کے وقت یا اہم قومی مسائل پیش آنے پر ہمارا متحد ہوکر کام کرنا ممکن ہوا ہے وہ صرف ایک رسول کی پیروی پر ہمارا متفق ہونا ہے۔ یہ ایک بنیاد بھی اگر متزلزل ہوجائے اور نئے نئے رسولوں کی دعوتیں اٹھ کر ہمیں الگ الگ امتوں میں بانٹنا شروع کردیں تو پھر کوئی طاقت ہمیں مستقل طور پر پراگندہ ہونے سے نہ بچا سکے گی اور کوئی چیز ایسی باقی نہ رہے گی جو ہم کو کبھی جمع کرسکے۔ اس فتنہ عظیم سے جو لوگ ''رواداری'' برتنے کا ہمیں مشورہ دے رہے ہیں وہ صرف یہی نہیں کہ رواداری کے معنی اور اس کے حدود نہیں جانتے اور صرف یہی نہیں کہ وہ اسلام سے نا آشنا ہیں' بلکہ درحقیقت وہ بڑی نادانی و بے فکری کے ساتھ مسلم ملت کی قبر کھودنا چاہتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ پاکستان کے حق میں تو ان کی یہ غلطی قطعی طور پر ہلاکت کا پیغام ہے اور اس ریاست کا کوئی بڑے سے بڑا بدخواہ بھی اس کے ساتھ وہ بدخواہی نہیں کرسکتا جو یہ رواداری کے پیغمبر کررہے ہیں۔ یہ ملک مسلمانوں کی متفقہ قومی خواہش سے بنا ہے اور اسی وقت تک یہ ایک خودمختار ریاست کی حیثیت سے قائم ہے جب تک مسلمانوں کی متفقہ قومی خواہش اس کی پشت پناہ ہے۔ دنیا

کے دوسرے مسلم ممالک میں، جہاں زبان ایک ہے، نسل ایک ہے اور جغرافی حیثیت سے قومی وطن یکجا ہے، مسلمانوں کو اپنی قومیت کے لیے اسلام کے سوا دوسری بنیادیں بھی مل سکتی ہیں۔ مگر پاکستان جس میں نسل ایک نہ زبان ایک، اور جغرافی حیثیت سے جس کے دو ٹکڑے ایک ہزار میل کے فاصلے پر واقع ہیں، یہاں قومیت کی کوئی دوسری نبیاد تلاش کرنے والا اور اس کو ممکن سمجھنے والا صرف وہی شخص ہوسکتا ہے جو لا طائل خیالات کی دنیا میں رہتا ہو اور جسے عملی سیاست کی ہوا تک نہ لگی ہو۔ یہاں مسلمانوں کے لیے بنائے وحدت اسلام کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور اسلام میں بھی صرف ایک ختم نبوت وہ چیز ہے جو اس وقت عملاً بنائے وحدت بنی ہوئی ہے۔ اس بنیاد کو رواداری کی مقدس دیوی کے آستانے پر بھینٹ چڑھا دیجیے۔ پھر دیکھیے کہ کون سی طاقت اس عمارت کو مسمار ہونے سے بچا سکتی ہے۔ آج اس اجرائے سلسلہ نبوت کے اثرات زیادہ تر پنجاب تک محدود ہیں، اس لیے اس کے پورے کرشمے ہماری قومی قیادت کو نظر نہیں آتے مگر جب یہ فتنہ اپنی تبلیغ سے دوسرے صوبوں تک پھیل جائے گا تب ان عقلائے روزگار کو رواداری کے معنی اچھی طرح معلوم ہوجائیں گے۔

بجواب نکتہ ہفتم :

(۱۶) نکتہ ہفتم متعدد سوالات پر مشتمل ہے جن پر ہم الگ الگ بحث کریں گے۔

ا۔ یہ امر کہ ایک اسلامی ریاست میں غیر مسلم کلیدی مناسب پر فائز نہیں ہوسکتا، قرآن کی صریح ہدایات پر مبنی ہے۔ قرآن نے اس قاعدے کو ایجابی (positve) اور سلبی (negative) دونوں طریقوں سے بیان کیا ہے۔ ایجابی طریقے سے وہ کہتا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ النساء 59:4

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان اولوالامر کی جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی امر میں نزاع ہو جائے تو اس کو پھیر واللہ کی طرف اور رسول کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو خدا پر اور روز آخرت پر۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست کے اولوالامر صرف مسلمان ہی ہو سکتے ہیں۔ البتہ احکام دینے والے بااختیار لوگوں کے ماتحت غیر مسلموں کے اہل کار ہونے میں یہ آیت مانع نہیں ہے۔

دوسری طرف سلبی حیثیت سے سورہ آل عمران میں فرمایا گیا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ ۔ آل عمران 118:3

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے سوا (یعنی مسلمانوں کے سوا) دوسرے لوگوں کو شریک راز نہ بناؤ۔

''شریک راز'' ہم نے لفظ بطانہ کا ترجمہ کیا ہے۔ زمخشری نے' جو عربی زبان کے مسلم ماہرین میں شمار ہوتا ہے۔ اس لفظ کی تشریح یوں کی ہے:

بطانته خلاف الظهارة بطانته الثوب باطنه بطانته الرجل ووليجته خصيصه وصفيه الذي يطلع على داخل امر۔

بطانہ کا لفظ ظہارہ کی ضد ہے۔ کپڑے کے استر کو کپڑے کا بطانہ کہتے ہیں۔ آدمی کا بطانہ اور ولیجہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اس کا مخصوص دوست اور چیدہ ساتھی ہو' جو اس کے اندرونی معاملات پر مطلع ہو۔

سورہ توبہ میں پھر ارشاد ہوتا ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ O التوبہ 16:9

کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون ہیں وہ لوگ جنھوں نے اللہ اور رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو اپنے معاملات میں دخیل نہیں بنایا اور اللہ باخبر ہے ان اعمال سے جو تم لوگ کرتے ہو۔

اپنے معاملات میں ''دخیل'' لفظ ''ولیجہ'' کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ لفظ ولوج سے نکلا ہے جس کے معنی گھسنے اور داخل ہونے کے ہیں۔ اس کے معنی کی تشریح راغب اصفہانی نے مخصوص لغت قرآن میں اس طرح کی ہے۔

الوليجته كل ما يتخذها الانسان معتمداً عليه وليس من اهله من قبلهم فلان وليجته فى القوم اذالحق بهم وليس منهم انساناكان اوغيره۔

ولیجہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کو انسان اپنا معتمد علیہ بنائے اور درحقیقت اس کا رفیق نہ ہو۔ اہل

عرب کے محاورے میں کہتے ہیں کہ فلاں فلاں قوم کا ولیجہ ہے یعنی وہ درحقیقت ان میں سے نہیں ہے مگران کے ساتھ لاحق ہو گیا ہے۔اس لفظ کا اطلاق انسان اور غیر انسان دونوں پر ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی ان ہدایات کا منشا یہ ہے کہ غیر مسلموں کو رازوں میں شریک نہ کیا جائے اور حکومت کے نظام کی رہنمائی اور پالیسی کی تشکیل میں ان کو دخیل نہ بنایا جائے۔ان ہدایات پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد میں جس طریقے سے عمل کیا گیا وہ یہ تھا کہ اس پورے دور حکومت میں کسی غیر مسلم کو نہ مجلس شوریٰ میں شریک کیا گیا' نہ کسی صوبے کا گورنر بنایا گیا' نہ کسی فوج کا سالار بنایا گیا' نہ قاضی بنایا گیا اور نہ کوئی دوسرا ایسا منصب دیا گیا جو کلیدی منصب کی تعریف میں آتا ہو' یعنی جس کا پالیسی بنانے میں کوئی دخل ہو یا جس کے ذریعہ سے وہ پالیسی پر اثر انداز ہو سکے۔اگرچہ حکومت کی خدمات میں غیر مسلم شریک ضرور کیے گئے تھے۔مگر کلیدی مناصب سے فروتر مناصب ہی پر رکھے گئے تھے۔حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت میں یہودی' عیسائی اور مجوسی بڑی تعداد میں ذمیوں کی حیثیت سے موجود تھے اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں سلطنت کی رعایا مسلمانوں کی بہ نسبت غیر مسلموں پر بہت زیادہ مشتمل تھی۔

۲۔ یہ امر کہ غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی اعلانیہ اشاعت کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اس باب میں' جہاں تک ہمیں علم ہے نفیاً یا اثباتاً کوئی احکام نہیں دیئے گئے ہیں نہ اس کی صاف صاف اجازت ہی کا کوئی حکم ہے' نہ اس کی صریح ممانعت ہی پائی جاتی ہے۔لہٰذا ہمارے نزدیک ایک اسلامی ریاست کے اہل حل وعقد' اسلام کی عمومی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے' اس کے متعلق خود ہی مناسب حدود تجویز کر سکتے ہیں۔

۳۔اس سلسلے کا آخری مسئلہ جو (vicarious liability in sin) کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے اس سے اگر عدالت کا منشا یہ معلوم کرنا ہے کہ اسلام میں ایک شخص کے گناہ کی ذمہ داری میں دوسرے لوگ کس حد تک اور کس حیثیت سے شریک ہیں' تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں معاشرے کی فلاح و بہبود معاشرے کے تمام افراد کی مشترک ذمہ داری ہے' اس لیے ہر فعل جو معاشرے میں کسی نوعیت کی خرابی پیدا کرتا ہو ایک شخص کا محض ذاتی

گناہ نہیں ہے بلکہ ایک اجتماعی گناہ ہے' اس کو روکنے کی کوشش کرنا ہر شخص کا فرض ہے' نہ روکے تو گناہ کی اشاعت میں حصہ دار ہوگا اور جو شخص معاشرے میں جتنی زیادہ طاقت اور ذمہ دارانہ حیثیت رکھتا ہے وہ اس خرابی سے رواداری برت کر اتنا ہی زیادہ سخت جواب دہی کا مستحق ہوگا۔ قرآن اور حدیث میں اس اجتماعی فریضے کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عنوان اختیار کیا گیا ہے اور اس کو اتنی کثرت سے' اتنے مختلف طریقوں سے زور دے دے کر بیان کیا گیا ہے کہ اس کا معتدبہ جز بھی اس بیان میں نقل نہیں کیا جا سکتا۔ تو ضیح مدعا کے لیے یہاں ہم صرف دو حدیثیں نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

الا' کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیته فالامام الذی علی الناس راع وھو مسؤل عن رعیته' والرجل راع علی اھل بیته وھو مسؤل عن رعیته' والمراۃ راعیة علی اھل بیت زوجھا وولدہ وھی مسؤلة عنھم وعبد الرجل راع علی مال سیدہ وھو مسؤل عنه' الا فکلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیته۔ (مشکوۃ' بحوالہ بخاری ومسلم)

خبردار رہو تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے لیے جواب دہ ہے۔ امام جو سب لوگوں کا فرماں روا ہے وہ اپنی پوری رعیت کے لیے جواب دہ ہے۔ مرد اپنے اہل خانہ کا راعی اور وہ اپنی رعیت کے لیے جواب دہ ہے۔ عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کی اولاد کی راعی ہے اور وہ اپنی رعیت کے لیے جواب دہ ہے۔ غلام اپنے آقا کے مال کا راعی ہے اور وہ اس کے لیے جواب دہ ہے۔ پس خبردار' تم سب راعی ہو اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے لیے جواب دہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا دائرہ اثر جتنا وسیع ہے' اس کی ذمہ داری بھی اتنی ہی زیادہ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں نبی اکرمؐ فرماتے ہیں:

مامن رجل یکون فی قوم یعمل فیھم بالمعاصی یقدرون علی ان یغیروا علیه ولا یغیرون الا اصابھم اللہ منه بعقاب قبل ان یموتوا۔

(مشکوۃ بحوالہ ابوداؤد)

کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی شخص کسی قوم میں رہ کر معصیتوں کا ارتکاب کرے اور اس قوم کے لوگ اس کو بدلنے کی قوت رکھنے کے باوجود اس کو نہ بدلیں اور پھر اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے ہی ان

لوگوں کو اس کی سزا نہ دے۔

قرآن مجید میں ہم کو اس مضمون کی ایک سے زیادہ مثالیں ملتی ہیں کہ معصیت اور غلط کاری کے ذمہ دار تنہا وہی لوگ نہیں ہیں جو اس کا ارتکاب کریں، بلکہ وہ لوگ بھی ہیں جو اس پر راضی ہوں اور وہ لوگ بھی ہیں جو اس سے رواداری برت کر اسے پھیلنے کا موقع دیں۔ چنانچہ قرآن قوموں پر عام عذاب نازل ہونے کی وجہ یہی بیان کرتا ہے کہ اگرچہ ایسی قوموں کے سب لوگ یکساں مرتکب معصیت نہ تھے مگر معصیت پر راضی ہو کر اور اس سے رواداری برت کر سب گناہ میں شریک ہو گئے تھے‘ اس لیے خدا نے عام اور خاص سب کو مبتلائے عذاب کیا۔

بجواب نکتہ ہشتم:

(۱۷) آٹھویں نکتے کو محترم عدالت نے جن الفاظ میں بیان فرمایا ہے اس سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ آیا ڈائریکٹ ایکشن کے جواز وعدم جواز پر اصولی حیثیت سے بحث مطلوب ہے یا صرف وہ خاص ڈائریکٹ ایکشن زیر بحث ہے جو ختم نبوت کے سلسلے میں کیا گیا تھا۔ ہم یہ فرض کرتے ہوئے کہ محترم عدالت کا منشا دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اس مسئلہ پر دونوں حیثیتوں سے گفتگو کریں گے۔

(۱۸) ڈائریکٹ ایکشن سے مراد ہمارے نزدیک (civil disobedience) ہے یعنی ’’پرامن نافرمانی‘‘ یا ’’نافرمانی بلاتشدد‘‘ یا ’’غیر مسلح نافرمانی‘‘ ہندوستان و پاکستان کی تاریخ میں یہ لفظ آج تک انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے اور یہاں کے عوام وخواص اس کا یہی مفہوم سمجھتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک غیر آئینی طریق کار ہے‘ کیونکہ آئین ملکی حکومت کی پالیسی پر اثر انداز ہونے یا اس سے مطالبات تسلیم کرانے کے جو طریقے مقرر کرتا یا جائز رکھتا ہے‘ یہ طریقہ ان میں شامل نہیں ہے اور کوئی آئین احکام کی نافرمانی یا قوانین کی خلاف ورزی کو جائز نہیں رکھتا لیکن صرف یہ بات کہ یہ ایک غیر آئینی طریق کار ہے‘ اس کو حق

اور انصاف کے خلاف کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔انسانی عقل عام حق اور انصاف کے جن تصورات کو ہمیشہ سے قبول کرتی رہی ہے اور آج بھی قبول کرتی ہے' ان کی رو سے ایک حکومت' قطع نظر اس سے کہ وہ جمہوری ہو یا شخصی یا کسی اور قسم کی' اطاعت کا غیر مشروط اور غیر محدود رہنا چاہیے کہ اس کے احکام' ساتھ قوانین' نظریات اور حکمت عملی معقولیت پر مبنی ہوں اور ملک کے عام باشندے ان پر مطمئن ہوں۔کسی حکومت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ لوگوں پر ان کی مرضی کے خلاف ایک نظام یا نظریہ یا حکم مسلط کر دے جو دلیل سے معقول اور جائز ثابت نہ کیا جا سکتا ہو اور جس کا برا اثر لوگوں کے مذہب، یا اخلاق یا نظم تمدن و معاشرت یا مادی مفاد پر پڑتا ہو۔آئین کا احترام اور اس کی پابندی بلاشبہ ملک کے امن و امان کے لیے ضروری ہے اور امن و امان نہایت قیمتی چیز ہے مگر ایک حکومت غیر معقول رویہ اختیار کر کے اور عوام کی مرضی کے خلاف ان پر اپنی مرضی زبردستی ٹھونس کر اور ان کے جائز مطالبات اور اظہار ناراضی کو ٹھکرا کر خود آئین کے بے احترامی کا دروازہ کھولتی ہے اور ایسا رویہ اختیار کرنے کے بعد اسے یہ مطالبہ کرنے کا حق باقی نہیں رہتا کہ لوگ اس کے آئین کا احترام کریں۔اس معاملہ میں حکمرانوں کا نقطہ نظر بالعموم یہ رہا ہے کہ لوگوں کو بہر حال اطاعت امر کرنی چاہیے خواہ حکومت معقول رویہ اختیار کرے یا غیر معقول اور خواہ وہ ظلم کرے یا انصاف۔نمرودیت اور فرعونیت ہمیشہ اسی اصول کا سہارا لیتی رہی ہے مگر انسانیت کے ضمیر نے کبھی اس اصول کو تسلیم نہیں کیا ہے اور اسی بنا پر انسانیت نے ہمیشہ ان لوگوں کو سراہا ہے جنھوں نے ظلم اور جبر اور ناروا استبداد کا مقابلہ کیا ہے۔انسان کی حس انصاف نے ''پر امن نافرمانی'' ہی نہیں بلکہ مسلح بغاوت تک کی ایسے حالات میں حمایت کی ہے جب کہ حکمراں (خواہ وہ ملکی ہوں یا غیر ملکی) باشندوں کی مرضی پر اپنی اور غیر معقول مرضی زبردستی ٹھونسنے پر مصر رہیں اور اصلاح کی معقول اور پر امن تدبیروں کا اثر قبول کرنے سے انکار کیے چلے جائیں۔

اس مختصر بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی ''پر امن نافرمانی'' کے جائز یا ناجائز ہونے

کا فیصلہ کرنے کے لیے اصولاً یہ دیکھنا ضروری ہے کہ:

(الف) مطالبات بجائے خود معقول ہیں یا نامعقول اوران کے مقابلے میں حکومت کا رویہ کسی معقول دلیل پر مبنی ہے یا نہیں۔

(ب) مطالبات کی پشت پر ان لوگوں کی بڑی اکثریت ہے یا نہیں جن کے اخلاقی و روحانی یا مادی مفاد سے وہ مطالبات متعلق ہیں اور

(ج) ان کو تسلیم کرانے کے لیے جائز، پرامن، آئینی تدابیر کا حق پوری طرح ادا کیا جا چکا ہے یا نہیں۔

ان تینوں حیثیتوں سے جو نافرمانی جواز کی تمام شرائط پوری کر چکی ہو اسے حق اور انصاف کے انسانی تصورات بہر حال سند جواز دیں گے، خواہ وقت کے قانون کا فتویٰ اس کے معاملے میں کچھ ہی ہو۔

(۱۹) جو کچھ پیراگراف نمبر ۱۸ میں عرض کیا گیا ہے وہی اس معاملے میں اسلام کا نقطہ نظر ہے۔ اسلام بدنظمی اور بدامنی کو نہایت ناپسند کرتا ہے۔ وہ امن اور نظم کی حمایت میں یہاں تک جاتا ہے کہ اس کے نزدیک ایک برا نظام بھی قابل برداشت ہے، بہ نسبت اس کے کہ اس کی جگہ بدنظمی لے لے۔ مگر اس کے ساتھ وہ یہ اصول بھی مقرر کرتا ہے کہ خدا کی نافرمانی میں کسی کے لیے اطاعت نہیں ہے۔ معصیت کا حکم بہر حال نہیں مانا جا سکتا اور دین کے اصولوں میں ترمیم یا منصوص احکام میں تغیر کی بہر حال مزاحمت کی جائے گی۔ قرآن مجید میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کی اطاعت کو ''فی المعروف'' کی شرط سے مشروط کیا گیا ہے چنانچہ سورہ ممتحنہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کا جو فارمولا بیان ہوا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں:

وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ الممتحنہ 12:60

اور وہ ''معروف'' میں تیری نافرمانی نہ کریں۔

اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کبھی یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ آپ کا حکم ''منکر'' پر بھی مبنی ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اصول حق کی توضیح کے لیے خود آپ کی بیعت کو بھی ''معروف''

سے مشروط کر کے یہ ظاہر کر دیا کہ ''اطاعت فی المنکر'' کسی کے لیے بھی نہیں ہے۔

اسی بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بکثرت ارشادات میں واضح فرمایا ہے' جنانچہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

السمع والطاعته علی المرء المسلم فی ما احب و کرہ مالم یومر بمعصیة فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعته۔

مسلمان پر واجب ہے کہ حکم سنے اور اطاعت کرے، خواہ حکم اسے پسند ہو یا ناپسند، جب تک کہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے، مگر جب معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سنا جائے اور نہ مانا جائے۔

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

لاطاعة فی معصیة انما الطاعته فی المعروف۔ (بخاری و مسلم)

معصیت میں کوئی اطاعت نہیں ہے اطاعت تو صرف معروف میں ہے۔

یہی بات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کی پہلی تقریر میں فرمائی تھی:

اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ فان عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعة لی علیکم (الصدیق۔ محمد حسین ہیکل صفحہ ۶۷)

میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتا رہوں۔ لیکن اگر میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کروں تو میری کوئی اطاعت تم پر واجب نہیں ہے۔

(۲۰) یہی اصول ہے جسے دنیا کی ان تمام بڑی بڑی شخصیتوں نے ہمیشہ اختیار کیا ہے جن کو انسانی تاریخ عظیم الشان لیڈروں کی حیثیت سے پیش کرتی ہے۔ دور کیوں جایئے خود پاکستان کے بانی مسٹر جناح مرحوم، جو متحدہ ہندوستان کے سب سے بڑے آئین پسند (constitutionalised) لیڈر سمجھے جاتے تھے، آخر کار اس کے قائل ہوئے۔ ان کی صدارت میں مسلم لیگ نے جولائی ۱۹۴۶ء میں ڈائریکٹ ایکشن کا ریزولیوشن پاس کیا اور چاہے آج مسلم لیگ کے لیڈر لارڈ ریڈنگ اور سر میلکم ہیلی کی زبان بولنے لگے ہوں مگر ۱۹۴۷ء میں اس وقت جب کہ مسٹر جناح مرحوم اس جماعت کے لیڈر تھے۔ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ اور ملک فیروز خان نون اور نواب صاحب ممدوٹ ایک آئینی طور پر قائم

شدہ وزارت کو توڑنے کے لیے ڈائریکٹ ایکشن کر چکے ہیں اور خواجہ ناظم الدین صاحب اس کی حمایت کر چکے ہیں۔ اس وقت ان میں سے کوئی صاحب بھی اس اصول کے قائل نہ تھے کہ ''مطالبات کے اوصاف'' (merit) خواہ کچھ بھی ہوں، مگر کسی حکومت سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ سول نافرمانی اور غیر قانونی کارروائی کی دھمکی کے آگے جھک جائے گی اور کسی حکومت کو اس کے آگے نہ جھکنا چاہیے۔''

(۲۱) کسی عوامی مطالبے کے جواب میں حکمرانوں کا محض یہ کہہ دینا کہ یہ مطالبات غیر معقول ہیں، یا یہ کہ ان کو قبول کرنا ملک کے لیے نقصان دہ ہے، کوئی وزن نہیں رکھتا، الا یہ کہ وہ سامنے آ کر تفصیلی دلائل کے ساتھ یہ بتائیں کہ مطالبات کیوں نامعقول ہیں اور ان سے ملک کو کیا نقصان پہنچتا ہے؟ ایک جمہوری نظام میں لوگوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ حکمرانوں کے مبہم ارشادات پر ایمان بالغیب لے آئیں گے اور ان کو ایسا عقل کل مان لیں گے کہ ان کا کسی بات کو غیر معقول کہہ دینا بجائے خود اس کو غیر معقول تسلیم کر لینے کے لیے کافی ہو۔ نیز ایک جمہوری نظام میں یہ بات نہیں مانی جاسکتی کہ قوم خود اپنے مفاد کی دشمن ہے اور اس کے مفاد کو چند وزرا یا سیکریٹریٹ کے چند عہدہ دار یا پولیس کے چند افسر زیادہ جانتے ہیں۔ جمہوریت کا تو تقاضا ہی یہ ہے کہ جس بات کو قوم کی اکثریت چاہتی ہے، عمل اسی پر ہونا چاہیے اور جو لوگ اپنے نزدیک اس ملک کے لیے نقصان دہ سمجھ کر اس پر عمل نہ کرنا چاہتے ہوں، وہ پہلے استعفیٰ دے کر حکومت کی کرسیاں چھوڑیں، پھر قوم کی رائے کو اپنے نقطۂ نظر کے مطابق ہموار کرنے کی کوشش فرمائیں۔ لیکن اگر وہ کرسیاں نہ چھوڑنا چاہتے ہوں تو یا قوم کی بات مانیں یا پھر اس کو اپنی پالیسی پر مطمئن کریں۔

(۲۲) اصولی بحث کو ختم کر کے آگے بڑھنے سے پہلے ہم اس بات کو بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جماعت اسلامی نے اپنے دستور کی دفعہ ۱۰ شق (۳) میں اپنے آپ کو آئینی طریق کار کا پابند کیا ہے کیونکہ وہ یہ امید رکھتی ہے کہ یہاں کی حکومت جس جمہوریت کی مدعی ہے۔ اس کے بنیادی اصولوں اور تقاضوں کی وہ بھی پابند رہے گی اور ملک کے نظام میں کسی

ایسے تغیر کولانا غیر ممکن نہ بنادے گی جس کی ضرورت معقول دلائل سے ثابت کردی جائے۔ جس کو باشندوں کی اکثریت چاہتی ہو اور جس کے لیے آئینی تدابیر ایک جمہوری نظام میں بہرحال کافی ہونی چاہئیں۔ مگر ہم حکومت کی ''ظل الٰہی'' پر ایمان نہیں رکھتے کہ اپنے اوپر اس کے خدائی حقوق مان لیں اور خداوند عالم کی قہاری کی طرح اس کی قہاری کو بھی برحق تسلیم کرلیں۔

(۲۳) اب ہم اس خاص ڈائریکٹ ایکشن کو لیتے ہیں جو ختم نبوت کے سلسلے میں کیا گیا۔اس کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ:

الف) یہ ڈائریکٹ ایکشن حق بجانب نہ تھا۔

(ب) مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اس معاملے میں حق حکومت کی جانب تھا۔

اس رائے کے دونوں اجزا ایک دوسرے کے ساتھ منطقی ربط رکھتے ہیں اور محترم عدالت کوایک منصفانہ اور متوازن رائے قائم کرنے میں مدد دینے کے لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ان دونوں اجزا کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کردیں۔ یہ توضیح خصوصیت کے ساتھ اس لیے ضروری ہے کہ اس مسئلے کا گہرا تعلق فسادات کے اسباب سے ہے اور فسادات کے اسباب کا گہرا تعلق ذمہ داری کی تشخیص کے ساتھ ہے۔ لہٰذا اگر اس مسئلے کے متعلق کوئی متوازن اور جامع اور مبنی برحقیقت رائے قائم نہ کی گئی تو ذمہ داری کی تشخیص میں غلطی ہوجانے کا اندیشہ ہے جو لامحالہ انصاف پر اثرانداز ہوگی۔

(۲۳) ہم جن وجوہ سے اس ڈائریکٹ ایکشن کو حق بجانب نہیں سمجھتے، وہ یہ ہے کہ اس میں وہ شرائط تمام وکمال پوری نہیں ہوئی تھیں جو ہمارے نزدیک ایک حق بجانب ڈائریکٹ ایکشن میں پوری ہونی چاہئیں۔ جیسا کہ ہم پیراگراف نمبر ۸ کے آخری حصے میں بیان کرچکے ہیں۔ ''تمام وکمال'' کے لفظ کو خاص طور پر نوٹ فرمایا جائے، اس سے ہمارا منشا یہ ہے کہ وہ شرائط اس میں جزوی طور پر تو ضرور پوری ہوئی ہیں مگر جیسا کہ ان کے پورے

ہونے کا حق ہے اس طرح پوری نہ ہوئی تھیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر جوشیلی اور جذباتی تقریروں اور تحریروں سے کام لینے کے بجائے دلائل کی طاقت سے حکومت کو پوری طرح غیر مسلح کر دیا جاتا، اور اگر پنجاب کی طرح پاکستان کے دوسرے صوبوں کی، خصوصاً بنگال کی رائے عام کو مطالبات کی تائید میں متحرک کر دیا جاتا اور اگر آئینی تدابیر کو محض وزیراعظم سے وفود کی ملاقاتوں تک محدود نہ رکھا جاتا بلکہ دوسری تدابیر بھی اختیار کی جاتیں، تو اغلب یہی تھا کہ ڈائریکٹ ایکشن کی ضرورت ہی نہ پیش آتی۔ یہی بات تھی جو میں اس تحریک کے لیڈروں کو سمجھانا چاہتا تھا۔ اسی غرض کے لیے میں نے جنوری ۱۹۵۳ء کے کنونشن کے آخری اجلاس میں ایک مرکزی مجلس عمل کے سپرد سارا معاملہ کر دینے کی تجویز پیش کی تھی۔ میرے پیش نظر یہ تھا کہ جو بات کنونشن کے گرم ماحول میں عام لوگ نہیں سمجھ سکتے، اسے مرکزی مجلس عمل کے چند معاملہ فہم ارکان بآسانی سمجھ لیں گے اور ان کو ڈائریکٹ ایکشن سے باز رہنے پر آمادہ کیا جا سکے گا۔ مگر افسوس ہے کہ اس مجلس کا اجلاس ہی منعقد نہ ہوا۔

(۲۵) دوسری طرف ہم جن وجوہ سے یہ رائے رکھتے ہیں کہ حکومت اس پورے قضیے میں حق بجانب نہ تھی وہ حسب ذیل ہیں:

الف۔ اس وقت کی حکومت کے ذمہ دار لوگوں نے صاف اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ ان مطالبات کو عوام کی بہت بڑی اکثریت کی تائید حاصل تھی۔ اس موضوع پر متعدد صریح شہادتیں اس محترم عدالت کے سامنے آ چکی ہیں۔ مثال کے طور پر چند شہادتوں کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں۔

خواجہ ناظم الدین صاحب:

’’تقریباً‘‘ تمام علما ان مطالبات کے حق میں متفق تھے، اگرچہ وہ اس امر میں متفق نہ تھے کہ الٹی میٹم دینا یا ڈائریکٹ ایکشن کرنا مناسب ہے۔‘‘

’’ان مطالبات کو رد کر دینے کا فیصلہ اگر کر دیا جاتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کا قتل عام کرنا پڑتا...... بلکہ اگر میں اس معاملہ میں پیش دستی کرتا اور

ملک کو ایک مذہبی جنگ میں جھونک دیتا تو مجھے یقین ہے کہ میں اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مطعون ہوتا۔''

''سیکر وفون کام نہیں کر رہا تھا اور ٹیلی فون ایسے اہل کاروں کے قبضے میں تھا جو صریح طور پر ایجی ٹیشن کے ہمدرد تھے۔''

میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ:

''مطالبات بجا طور پر یا بے جا طور پر، ایک ایسے عقیدے پر مبنی تھے جس کی پشت پر پبلک کی عام تائید تھی۔''

''میں مسلم لیگ کی تنظیم کا ایک کارکن تھا جو باشندگان ملک کے سامنے ایک سخت آزمائش کے مقام پر کھڑی تھی، وہ ایسے مسائل کے معاملے میں سرد مہری کا یا خاموشی کا رویہ اختیار نہ کر سکتی تھی جو باشندوں کی ایک عظیم اکثریت کے جذبات کو بھڑکا رہے تھے۔''

''اس موقع پر مسلم لیگ کے کونسلرز کی بہت بڑی اکثریت یہ رائے رکھتی تھی کہ تحریک ختم نبوت کے مطالبات فوراً تسلیم کیے جانے چاہئیں۔''

''میرے سوا پاکستان بھر میں لیگ کا کوئی ایک کارکن بھی ایسا نہ تھا جو پبلک میں آنے اور ان مطالبات کی صحت کے متعلق شک کا اظہار کرنے کی جرأت کرتا۔''

''یہ بہت ممکن تھا کہ (۲۷ فروری اور چھ مارچ کے درمیان) اگر ہم مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بلاتے تو ممبروں کی رائے پر اثر ڈالنے اور ان کو مطمئن کرنے میں کامیاب نہ ہو سکتے۔''

''صورت حال یہ تھی کہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد مطالبات کے حق میں تھی، اس لیے ایسے مقبول عام مطالبات کا لحاظ کر کے ہم (۶ مارچ کو) اس بات پر تیار تھے کہ ان کو اپنی تائید کے ساتھ مرکزی حکومت کے سامنے پیش کر دیں۔''

میجر جنرل محمد اعظم خاں:

''سیکر یٹریٹ تک نے ہڑتال کر دی۔''

"۹۰ ہزار آدمیوں کا جلوس ان لوگوں کا جنازہ لے کر چلا جنھیں وہ شہید کہتے تھے۔"

خان قربان علی خان (سابق انسپکٹر جنرل پولیس، پنجاب):

"اگر برسر اقتدار حکومت ان مطالبات کو رد کرنے کا فیصلہ صادر کر دے تو مسلمانوں کی اکثریت اس کی مخالف ہو جائے۔ اس صورت حال کے پیش آ جانے میں ذرہ برابر شبہ نہیں۔" (خان صاحب کا نوٹ مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۵۲ء)

میاں انور علی (سابق انسپکٹر جنرل پولیس، پنجاب):

"اس ملک کی پوری تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سیکریٹریٹ کے کلرک دفتروں سے باہر نکل آئیں اور مظاہرہ کریں اور چیف سیکرٹری، ہوم سیکرٹری اور انسپکٹر جنرل پولیس کے ساتھ ناشائستہ برتاؤ کریں جیسا کہ ان فسادات کے زمانہ میں ہوا۔ دوسرے سرکاری ملازمین بھی جو ٹیلی گراف، ریلوے، ٹیلی فون اور اکاؤنٹنٹ جنرل کے محکموں سے تعلق رکھتے تھے، باہر نکل آئے۔ حتیٰ کہ سیکریٹریٹ کے کلرکوں کی یہ جرأت ہوگئی کہ اس امر کا تحریری نوٹس دے دیں کہ وہ مستقل طور پر کام چھوڑ بیٹھیں گے جب تک یہ مطالبات قبول نہ کیے جائیں گے اور سر ظفر اللہ خاں کو وزارت سے الگ نہ کر دیا جائے گا۔"

مسلم لیگیوں کی ایک کثیر تعداد جن میں مسلم لیگ کے ایم ایل اے اور کونسلرز بھی شامل تھے کھلم کھلا اس تحریک کے حامی ہو گئے۔

(سرکاری ملازموں کے متعلق میاں صاحب نے کہا) "پبلک سروس میں سے صرف ایک پولیس ایسی رہ گئی تھی جس نے ایجی ٹیشن کرنے والوں کی ہمدردی میں کوئی مظاہرہ یا کسی اور قسم کا اظہار دلچسپی نہیں کیا۔"

ان شہادتوں سے یہ بات بالکل نا قابل انکار حد تک ثابت ہو جاتی ہے کہ قوم کی بڑی اکثریت ان مطالبات کی نہ صرف حامی بلکہ پرجوش حامی تھی اور صرف مذہبی جماعتیں ہی نہیں بلکہ مسلم لیگ کی اکثریت بھی ان کے حق میں تھی۔ اب یہ سوال عدالت کی توجہ کا مستحق ہے کہ اگر یہ ایک جمہوری نظام ہے تو اس میں ان لوگوں کو قوم کی اکثریت کے خلاف اپنی

مرضی چلانے کا حق کیا تھا؟ کیا پاکستان ان کی ذاتی ملکیت تھا کہ پاکستانیوں کی مرضی کے بجائے ان کی ذاتی رائے چلنی چاہیے؟ واقعات کی ترتیب سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ پہلے عوام کے مطالبات ٹھکرائے گئے تب عوام میں ناراضی پیدا ہوئی اور ڈائریکٹ ایکشن تک نوبت پہنچی، پھر عوامی مظاہروں کو پولیس کے بے تحاشا تشدد سے دبانے کی کوشش کی گئی تب لوگوں کا جوش عام طور پر بھڑک اٹھا، پھر عوام کے غصے کو اندھا دھند گولیاں چلا کر ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی گئی تب فسادات تک نوبت پہنچی اور ان کو فرو کرنے کے لیے مارشل لا کا آخری ہتھیار استعمال کر ڈالا گیا۔ یہ ترتیب واقعات تمام شہادتوں سے قطعی طور پر ثابت ہو چکی ہے۔ اس صورت حال میں کیا کوئی شخص یہ بات انصاف اور دیانت کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ڈائریکٹ ایکشن تو حق بجانب نہ تھا، مگر وہ لوگ حق بجانب تھے جنھوں نے قوم کی بھاری اکثریت کے مطالبات کو ٹھکرایا اور پھر قوم کی جیب سے تنخواہ پانے والے ملازموں کو خود قوم ہی کے خلاف استعمال کیا؟ یہ سوال صرف سابق حکومت پنجاب اور سابق مرکزی حکومت ہی کے معاملے میں پیدا نہیں ہوتا بلکہ پنجاب اور مرکز کی موجودہ حکومتوں کے بارے میں بھی پیدا ہوتا ہے کیونکہ اصل مطالبات کے بارے میں ان کی روش بھی وہی ہے۔

ب۔ اس وقت کے ذمہ داران حکومت کی شہادتوں سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ مطالبات کے حسن و قبح کے بارے میں حکومت نے اپنا نقطۂ نظر پبلک کو سمجھانے اور لوگوں کو اپنی رائے کی صحت پر مطمئن کرنے کی قطعاً کوئی کوشش نہیں کی، بلکہ عوام کو صاف صاف یہ نہیں بتایا کہ حکومت کا نقطۂ نظر ان مطالبات کے بارے میں کیا ہے۔ اس بیان کی تائید میں ہم چند خاص خاص شہادتوں کی طرف محترم عدالت کو توجہ دلاتے ہیں۔

خواجہ ناظم الدین صاحب:

''مرکزی حکومت نے مارشل لا کے اعلان سے پہلے ۱۹۵۳ء میں ان مطالبات کے متعلق کوئی اعلان شائع نہیں کیا۔''

''میں نے کبھی مطالبات کو حتمی طور پر رد نہیں کیا، اگرچہ میں نے وفد لانے والوں کو یہ

مشورہ دیا کہ وہ ان پر زور نہ دیں۔‘‘

میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ:

’’پاکستان بھر میں میرے سوا مسلم لیگ کے کسی سیاسی کارکن نے یہ ہمت نہ کی کہ پبلک میں نکل کر آتا اور ان مطالبات کی صحت کے متعلق کسی شبہ کا اظہار کرتا۔‘‘

حافظ عبدالمجید (سابق چیف سیکرٹری پنجاب گورنمنٹ):

’’صوبہ کی حکومت نے اس ایجی ٹیشن کا مقابلہ کرنے کے لیے کوئی نظریاتی (ideological) کوشش نہیں کی۔‘‘

’’حکومت پنجاب نے اس نظریاتی موقف (ideological stand) کے متعلق اپنی پوزیشن واضح نہیں کی جو ختم نبوت کے متعلق لیا جاتا تھا۔‘‘

’’میں نے اس موضوع کے متعلق کوئی تجویز پیش نہیں کی۔‘‘

’’میں نے یہ تجویز پیش کی کہ احرار اور ان کے ساتھیوں کے خلاف تعزیری کارروائی کی جانی چاہیے۔‘‘

مسٹر غیاث الدین (ہوم سیکرٹری پنجاب گورنمنٹ):

’’مگر اس تحریک سے محض امن و انتظام (law and order) کے دائرہ عمل میں عہدہ براہونے کی کوشش کر کے اس کو فنا کر دینا نہ اس وقت ممکن تھا اور نہ اب ممکن ہے۔‘‘

ان اعترافات کی موجودگی میں یہ سوال عدالت کے لیے قابل توجہ ہو جاتا ہے کہ وہ حکومت کیسے حق بجانب ہوسکتی ہے جو پبلک کے مطالبات کو، یہ جاننے کے باوجود کہ وہ بہت بڑی اکثریت کے مطالبات ہیں، بغیر کوئی معقول وجہ بتائے یونہی ٹھکرا دے۔ اگر انصاف کی نگاہ میں پبلک بے صبر ہو کر ڈائریکٹ ایکشن پر اتر آنے میں حق بجانب نہ تھی، تو حکومت یہ رویہ اختیار کرنے میں کس طرح حق بجانب قرار دی جاسکتی ہے؟

(ج) اس وقت تک حکومت کی جانب سے جتنے عذرات بھی ان مطالبات کو قبول نہ

کرنے کے حق میں ہمارے سامنے آئے ہیں وہ سب کے سب بے وزن اور غیر اطمینان بخش ہیں اور کسی جمہوری ملک میں ایسے عذرات پبلک کو مطمئن نہیں کر سکتے۔

اختصار کے ساتھ یہاں ہم ان تمام عذرات کو بیان کر کے ان پر تنقید کرتے ہیں:

۱۔ یہ کہ یہ مطالبات ملک کے لیے نقصان دہ ہیں۔

۲۔ یہ کہ وہ رواداری کے خلاف ہیں۔

۳۔ یہ کہ اس طرح مزید مسلم فرقوں کی علیحدگی کے مطالبات کا دروازہ کھل جائے گا اور مسلم ملت ہی ختم ہو جائے گی۔

۴۔ یہ کہ اس طرح اسلام دنیا میں مضحکہ بن جائے گا، کیونکہ یہاں جو لوگ کافر قرار دیئے جائیں گے وہ دوسرے مسلم ممالک میں مسلمان ہی سمجھے جاتے رہیں گے۔

۵۔ یہ کہ ایک اقلیت تو اپنے تحفظ کے لیے اپنی علیحدہ ہستی تسلیم کرانے کا مطالبہ کر سکتی ہے، مگر اکثریت کا اپنے تحفظ کے لیے اقلیت کو الگ کرنے کا مطالبہ ایک نرالی بات ہے۔

ان عذرات میں سے پہلا عذر تو محض ایک دعویٰ ہے نہ کہ دلیل۔ اس وقت تک یہ نہیں بتایا گیا کہ اس سے ملک کو کیا نقصان پہنچتا ہے۔ بخلاف اس کے ہم واضح دلائل کے ساتھ یہ بتا چکے ہیں کہ ان کو قبول نہ کرنا ملک کے لیے کیوں نقصان دہ ہے اور اس سے کیا نقصان پہنچتا ہے؟

دوسرا عذر صریح مہمل ہے جسے کوئی صاحب عقل وخرد آدمی نہیں مان سکتا۔ یہ عذر پیش کیا جا سکتا تھا تو اس صورت میں جب کہ کسی نے قادیانیوں کے حقوق شہریت سلب کرنے یا ان کے مذہب میں مداخلت کرنے کا مطالبہ کیا ہوتا۔ مگر رواداری کے نام پر ایک ملت سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ اپنے اندر ایک دوسری ملت کی تشکیل اور پیہم توسیع اور خود اپنی مسلسل تحلیل (disintegration) کو برداشت کرے، لفظ رواداری کا بالکل ایک بے جا استعمال ہے جس کی کسی تعلیم یافتہ اور ذی عقل آدمی سے توقع نہیں کی جا سکتی۔ کیا یہ لوگ پھر اسی اصول پر ریاست کے اندر ایک ریاست کی تشکیل و توسیع کو بھی جائز ٹھہرائیں گے؟ اور پھر رواداری کا

یہ وعظ ان لوگوں کی زبان سے آخر کس طرح اثر انگیز ہوسکتا ہے جو اپنے سیاسی مخالفوں سے انتقام لینے کے لیے سیفٹی ایکٹ جیسے اندھے ہتھیار سے کام لینے پر بھی قناعت نہیں کرتے، بلکہ بدامنی کے بہانے مارشل لا نافذ کرکے اس سے سیاسی حسابات صاف کرنے کا کام لیتے ہیں۔

تیسرا عذر درحقیقت عذر یا دلیل نہیں ہے بلکہ پوری مسلم قوم کے خلاف ایک بدگمانی ہے اور اس کی تاریخ اور اس کے مزاج سے ناواقفیت کا ایک کھلا ثبوت ہے۔ بلاشبہ مسلمانوں میں ایسے عناصر بھی پائے جاتے ہیں جو فروعی باتوں پر ایک دوسرے کی تکفیر کرتے اور مقاطعے پر اتر آتے ہیں۔ لیکن مسلمان قوم کا مزاج بحیثیت مجموعی اس طرح کا نہیں ہے۔ مسلمانوں میں ہمیشہ ایسے سنجیدہ اور معاملہ فہم اہل علم موجود رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں جو بے جا طریقے سے کسی فرقے کو ملت سے جدا کرنے کی ہر تجویز کے مقابلے میں سینہ سپر ہوسکتے ہیں اور ایسے لوگوں کی موجودگی کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلم قوم معقول وجوہ اور مضبوط دلائل کے بغیر کبھی کسی گروہ کی علیحدگی کے مطالبے پر متفق نہیں ہوسکتی۔ تاریخ میں بہت ہی کم ایسا ہوا ہے کہ کسی گروہ کو خارج از ملت قرار دینے پر مسلمانوں میں اتفاق ہوا اور جس گروہ کے مقابلے میں بھی ایسا ہوا ہے، نہایت مضبوط دلائل کی بنا پر ہوا ہے۔ لہٰذا یہ اندیشہ کرنے کے لیے واقعی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے کہ اگر آج قادیانیوں کے الگ کرنے کا فیصلہ کیا گیا (جس کے لیے نہایت معقول وجوہ پائے جاتے ہیں) تو کل دوسرے بہت سے گروہوں کی علیحدگی کا مطالبہ بھی اُٹھ کھڑا ہوگا۔

چوتھا عذر بھی درحقیقت عذر نہیں ہے بلکہ ایک بے بنیاد اندیشہ ہے۔ قادیانیوں کے متعلق ہندوستان ہی نہیں، قریب قریب تمام دنیائے اسلام کے علما کا یہ متفقہ فتویٰ ہے کہ وہ خارج از ملت ہیں۔ دنیا میں کہیں بھی کوئی ایسا مسلمان نہ ملے گا جو اسلام کا کچھ علم رکھتا ہو اور پھر یہ نہ مانتا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا اور اس پر ایمان لانے والا شخص دائرہ اسلام میں نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا یہ گمان کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ قادیانیوں کو اگر پاکستان میں مسلمانوں سے الگ ایک ملت قرار دیا جائے گا تو دنیائے اسلام اس فیصلے کو قبول نہ کرے گی اور انہیں مسلم ملت ہی کا ایک جزو ماننے پر اصرار کرتی رہے گی۔ یہ صورت حال اگر

کہیں پیش آسکتی ہے تو صرف اس جگہ جہاں کے لوگوں کو قادیانیوں کے عقائد کا علم نہ ہو۔

پانچویں عذر کا تفصیلی جواب ہم اپنے شائع کردہ پمفلٹ ''قادیانی مسئلہ'' میں دے چکے ہیں۔ یہ عذر مسٹر دولتانہ نے پیش کیا ہے جن کی ذہانت نے یہ تو محسوس کرلیا کہ دستوری تاریخ میں اکثریت کی طرف سے اقلیت کے مقابلے میں ''تحفظ'' کا مطالبہ ایک نادر بات ہے مگر یہ محسوس نہ کیا کہ ایک ملت کی بنیادوں سے اختلاف بھی کرنا اور پھر اسی ملت کا جزو بھی بنے رہنا اور پھر اس ملت کے اندر ایک ملت بنانے کی کوشش کرنا اور اس کے اندر سے توڑ توڑ کر اپنے اندر نئے اجزا روز شامل کرنے کی سعی کیے چلے جانا اور الگ ملت بن جانے کے باوجود وہ تمام فوائد سمیٹ لینا جو اصل ملت میں شامل رہنے سے حاصل ہو سکتے ہیں، یہ سب کچھ بھی ایک نادر واقعہ ہی ہے اور جہاں یہ نادر واقعہ پیش آ چکا ہو وہاں وہ نادر واقعہ پیش آنا کوئی قابل تعجب بات نہیں ہے۔

د۔ جو سرکاری شہادتیں اس تحقیقات کے دوران میں ہمارے سامنے آئی ہیں، ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے ملک کی حکومت کو پبلک سے اس قدر افسوس ناک طریقے پر جس چیز نے متصادم کرادیا وہ یہ تھی کہ غیر جمہوری طریقوں سے برسر اقتدار آنے اور برسر اقتدار رہنے کی کوششیں کر کے یہ حکومت پبلک تائید سے محروم ہو کر مستقل ملازمتوں (permanent services) کی محتاج و دست نگر ہو چکی تھی اور ان ملازمتوں کے اہم ترین ذمہ دارانہ عہدوں پر ایسے لوگ فائز تھے جو اپنے مخصوص انفرادی رجحانات کی بنا پر ایک ایسی پالیسی حکومت پر ٹھونس رہے تھے جس کا لازمی نتیجہ حکومت اور قوم کا تصادم تھا۔ ان لوگوں کے مخصوص رجحانات کیا تھے، اس کا اندازہ کرنے کے لیے ہم ذیل کی چند شہادتوں کی طرف محترم عدالت کو توجہ دلاتے ہیں:

خان قربان علی خان (سابق انسپکٹر جنرل پولیس، پنجاب):

''یہ بات اکثر لوگ سمجھ چکے ہیں کہ کوئی گورنمنٹ، خواہ وہ کسی پارٹی کی ہو، ان سفارشات (یعنی مطالبات) کو نہیں مان سکتی۔ تاہم قیام پاکستان کے بعد، یہ وہ اہم ترین

مسئلہ ہوگا جس پر اس امید کے ساتھ لیگ کو چیلنج کیا جائے گا کہ برسر اقتدار حکومت ان مطالبات کو رد کرنے کا فیصلہ کر دے تو مسلمانوں کی اکثریت اس کی مخالف ہو جائے گی۔ اس نتیجے کے رونما ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اگر اس دوران میں حکومت اس شرارت کا توڑ کرنے کے لیے ذرائع و وسائل اختیار نہیں کرتی اور یہ شرارت اب پورے زور کے ساتھ شروع ہو چکی ہے۔'' (نوٹ مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۵۲ء)

اس تحریر میں خان قربان علی خان ایک سرکاری ملازم کے بجائے ایک سیاسی آدمی نظر آ رہے ہیں جو حکومت کی پالیسی پر عمل درآمد کرنے والے نہیں بلکہ پالیسی بنانے والے ہیں، جن کو فکر بھی لاحق ہے کہ آئندہ کسی انتخاب میں مسلم لیگ کی حکومت عوامی ناراضی کے سبب سے ہار نہ جائے اور اس کے ساتھ انہیں یہ فکر بھی ہے کہ حکومت ان مطالبات کو تسلیم نہ کرے جو چاہے عوام کو پسند ہوں مگر خود انہیں پسند نہیں ہیں۔ ان کی دلچسپی اس معاملے میں یہاں تک بڑھی ہوئی ہے کہ وہ ان مطالبات کو، یا لیگ کے لیے خطرہ پیدا کرنے والے طریقہ سے انہیں پیش کرنے کو، ایک شرارت (mischeif) قرار دیتے ہیں اور حکومت کو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اکساتے ہیں۔

میاں انور علی (سابق ڈی آئی جی سی آئی ڈی اور بعد میں انسپکٹر جنرل پولیس، پنجاب):

''مسلم لیگ سمیت تمام سیاسی جماعتوں نے صورت حال سے سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ کوئی سیاسی لیڈر یہ کہنے کی طاقت نہ رکھتا تھا کہ یہ مطالبات غیر معقول ہیں۔ اس کے برعکس سب نے اپنے آپ کو ایجی ٹیشن کی لہروں کے حوالے کر دیا۔''

''فی الواقع بہت سے مسلم لیگی لیڈر خود ایجی ٹیشن میں شامل ہو رہے تھے تاکہ ہر دلعزیزی حاصل کریں۔''

''اس وقت کے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین کے ساتھ علما کی بار بار ملاقاتوں نے یہ احساس پیدا کر دیا تھا کہ یہ مطالبات، جو کسی مہذب سلطنت میں پیش نہیں کیے جا سکتے، کلی

طور پر یا جزوی طور پر مانے جانے والے ہیں۔''

اس سوال کے جواب میں کہ ایک اسلامی دستور کی گفتگو اور وزیر اعظم تک علما کی بآسانی پہنچ کا سرکاری ملازمتوں پر کیا اثر پڑ رہا تھا۔ میاں انور علی نے فرمایا کہ ''اس نے اونچے درجہ کے سرکاری ملازموں کے ایک بڑے طبقے کی گرم جوشی کو سرد کر دیا جو دوسری تمام حیثیتوں سے محب وطن، لائق اور وفادار تھے۔''

ان شہادتوں میں اس وقت کی پولیس کے افسر اعلیٰ کی یہ ذہنیت سامنے آتی ہے کہ وہ ایک ملازم سرکار ہونے کے باوجود پبلک کی عظیم الشان اکثریت کے جانے بوجھے مطالبات کے خلاف نہایت سخت رائے رکھنے والے تمام سیاسی لیڈروں کو بے ایمان سمجھتا ہے اور یہ تصور تک کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ کچھ لوگ ایمان داری کے ساتھ بھی ان مطالبات کے حامی ہو سکتے ہیں۔ پھر اس کا سخت نوکر شاہی ذہن یہ تک گوارا نہیں کرتا کہ ایک جمہوری حکومت کا وزیر اعظم، جمہور قوم کے مطالبات پر جمہور کے نمائندوں سے گفت و شنید کرے اور وہ آسانی کے ساتھ اس تک پہنچ سکیں۔ پھر وہ نہ صرف اپنا، بلکہ اپنے طبقے کے سرکاری ملازموں کا یہ عام مخالف مذہب رجحان ہمارے سامنے اعلانیہ بیان کرتا ہے کہ اسلامی ریاست کی گفتگو ان کو یہاں تک ناگوار ہے کہ اسے سن سن کر ہی ان کا جذبہ خدمت وطن سرد ہوا جاتا ہے۔

میاں انور علی صاحب کے تحریری بیان سے ایک دلچسپ حقیقت اور بھی ہمارے علم میں آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ صاحب موصوف کی نگاہ میں قابل وقعت رائے ان لاکھوں، کروڑوں مسلمانوں کی نہیں ہے جن کا مرنا جینا سب کچھ اسی پاکستان کے ساتھ وابستہ ہے، بلکہ ان چند خاندانوں کی ہے جو خطرے کی پہلی علامت دیکھتے ہی کینیڈا بھاگ جانے کے لیے بستر باندھ لیتے ہیں۔

میجر جنرل محمد اعظم خان:

''ہمیں خبر ملی کہ ۹۰ ہزار آدمیوں کا ایک جلوس اب قبرستان کی طرف ان لوگوں کی

لاشیں لے کر جا رہا ہے جن کو وہ شہید کہہ رہے تھے اور حکومت اس جلوس کو محض ایک پر امن جلوس سمجھ رہی تھی۔ میں نے ان لوگوں (یعنی ارباب حکومت) سے التجا کی کہ اس مجمع کو اکٹھا ہونے یا جنازے لے کر جانے نہ دیا جائے۔ وزیر اعلیٰ نے مجھ سے پوچھا، جنرل صاحب آپ کتنی فوج رکھتے ہیں؟ میں نے کہا، جتنی درکار ہو، اگر آپ مجھے ان کو منتشر کرنے کا حکم دیں۔ انھوں نے کہا یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے، آپ ان میں سے کتنوں کو مار سکتے ہیں؟ میں نے کہا یہ ایک امن وانتظام کا مسئلہ ہے اور جونہی سخت کارروائی کی گئی یہ منتشر ہو جائیں گے۔"

اس بیان میں ہم کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ابھی تک ہم انگریزی دور حکومت میں ہیں اور اس دور کا کوئی جنرل ڈائر یا کرنل جانسن ہمارے سامنے بول رہا ہے۔ میجر جنرل صاحب کو یہ تک ناگوار ہے کہ جن مسلمانوں کو حکومت کی پولیس یا فوج مار دے انھیں عام مسلمان "شہید" کہیں یا سمجھیں۔ مسلمانوں کو مار دینے سے بھی ان کا دل ٹھنڈا انھیں ہوتا بلکہ وہ انہیں جہنم بھی بھجوانا چاہتے ہیں۔ انہیں یہ بھی گوارا نہیں کہ مسلمان ایسے لوگوں کا جنازہ قبرستان لے جائیں اور نماز پڑھ کر انہیں دفن کریں۔ چاہے جنازے کا یہ جلوس کوئی بدامنی کا فعل کرے یا نہ کرے، مگر مجرد یہ بات کہ حکومت کے مارے ہوئے چند مسلمانوں کو یہ لوگ شہید سمجھ کر دفن کرنے لے جا رہے تھے۔ میجر جنرل صاحب کے نزدیک اس کو غیر "پر امن" جلوس قرار دینے کے لیے کافی تھی اور ان کی خواہش یہ تھی کہ بس انہیں حکم مل جائے تو وہ ایک فوج لے کر اسے منتشر کر دیں خواہ اس کارروائی میں انھیں کتنے ہی مزید مسلمانوں کو مار دینے کی ضرورت پیش آئے۔ یہ تھا اس شخص کے ذہن کا حال جس کے سپرد اس وقت دیوانی حکومت کو قیام امن کے لیے فوجی مدد دینے کی خدمت تھی۔ اپنی تمام شہادت کے دوران میں وہ اس بات پر سخت ناراض نظر آتے ہیں کہ جمہوری حکومت کے سیاسی حکمران پبلک کو راضی اور ٹھنڈا کر کے امن قائم کرنا مرجح سمجھتے تھے۔ ان کا سارا رجحان اس طرف تھا کہ یہ ہے "لا اینڈ آرڈر" کا مسئلہ اور اس کا حل صرف یہ ہے کہ اس پبلک کو بس کچل ڈالا جائے۔

مسلم لیگ کی حکومت، پبلک تائید سے محروم ہونے کے بعد، اپنے اقتدار کے لیے

اس طرح کے افسروں کی حمایت پر منحصر ہو چکی تھی اور یہ لوگ ان رجحانات اور اس ذہنیت کے مالک تھے۔ ان کے رجحانات کے علی الرغم پبلک کے مطالبات کو ماننا اس حکومت کے بس میں نہ تھا، مگر ان کو رد کر دینے کے نتائج سے بھی وہ ڈرتی تھی، اس لیے وہ ایک مدت تک ان مطالبات کو ٹالتی رہی۔ آخر کار ایک طرف عجلت پسند عناصر ایک موقع ڈائریکٹ ایکشن شروع کر بیٹھے اور دوسری طرف یہ شدید نوکر شاہی ذہن اور مذہب دشمن رجحان رکھنے والے افسر حکومت کا گلا پکڑ کر اسے عوام کے مقابلے میں کھینچ لائے۔ اس کشمکش کا نتیجہ اس تباہی کی صورت میں ظاہر ہوا جو پنجاب پر عموماً اور لاہور پر خصوصاً نازل ہوئی۔ اب یہ کہنا کسی طرح مبنی بر انصاف نہیں ہوسکتا کہ صرف وہی لوگ غیر حق بجانب تھے جنھوں نے ڈائریکٹ ایکشن کیا۔ نہیں، بلکہ اتنے ہی اور شاید ان سے زیادہ غیر حق بجانب وہ سیاسی لیڈر ہیں جنھوں نے ایک جمہوری نظام کو غیر جمہوری طریقوں پر چلا کر اپنی گردن نوکر شاہی کے قبضے میں دے دی ہے۔ اور ان سب سے بڑھ کر غیر حق بجانب وہ عالی مقام افسر ہیں جو ملازم ہونے کے باوجود سیاسی لیڈر اور پالیسی مقرر کرنے والے بھی بنتے ہیں اور ایک شدید مذہبی رجحان رکھنے والی قوم میں ریاست کی طاقت کو مخالف مذہب راستے پر زبردستی لے جانے پر مصر ہیں۔ اور اپنے ملک کی پبلک کو اسی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس سے کوئی غیر ملکی نوکر شاہی اسے دیکھ سکتی ہے۔ اس طرح کی نوکر شاہی ایک جمہوری نظام اور ایک قومی حکومت کے لیے انتہائی غیر موزوں ہے۔ خدانخواستہ اگر یہی نوکر شاہی ہمارے ملک پر مسلط رہی تو ۱۹۵۳ء کے حوادث محض چند وقتی و ہنگامی حوادث نہیں بلکہ بہت سے مزید حوادث کی تمہید ثابت ہوں گے اور یہاں جمہوریت کا چلنا سخت مشکل ہو جائے گا۔ اس ملک کو تباہ کن انقلابات سے بچانے کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ یہاں کے حکام عالی مقام اگر اپنے کچھ مضبوط سیاسی و مذہبی افکار رکھتے ہیں تو نوکری چھوڑ کر سیدھی طرح سیاسیات میں داخل ہو جائیں، ورنہ پھر اس طرح نوکری کریں جس طرح انگلستان کے مستقل سرکاری ملازمین کرتے ہیں۔ بہر حال انہیں کسی طرح بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ پبلک کے ملازم ہونے کی حیثیت سے جو اختیارات ان کو دیئے گئے ہیں ان کو خود پبلک کے خلاف اپنے ذاتی افکار و تصورات کی حمایت میں استعمال کریں۔

ضمیمہ نمبرا

احادیث درباب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات

(۱) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر ویضع الحرب ویفیض المال حتی لایقلبہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیرا من الدنیا ومافیھا۔

(مشکوۃ کتاب الفتن، باب نزول عیسیٰ، بحوالہ بخاری ومسلم)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور اتریں گے تمہارے درمیان ابن مریم حاکم عادل بن کر، پھر وہ توڑ دیں گے صلیب کو اور قتل کر دیں گے سور کو اور ختم کر دیں گے جنگ کو (دوسری روایت میں حرب کے بجائے جزیہ کے الفاظ ہیں، یعنی ختم کر دیں گے جزیہ کو) اور کثرت ہو جائے گی مال کی یہاں تک کوئی قبول نہ کرے گا اور لوگوں کے نزدیک ایک دفعہ (خدا کے حضور) سجدہ کرنا دنیا مافیہا کی دولت سے زیادہ بہتر ہوگا۔"

(۲) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کیف انتم اذانزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم۔ (مشکوۃ، باب مذکور بحوالہ بخاری ومسلم)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیسے ہو گے تم اس وقت جب کہ تمہارے درمیان ابن مریم اتریں گے اور تمہارا امام اس وقت خود تم میں سے ہوگا۔"

(۳) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ینزل عیسی ابن مریم فیقتل الخنزیر ویمحوا الصلیب وتجمع لہ الصلوۃ ویعطی المال حتیٰ لایقبل ویضع الخراج وینزل الروحا فیحج منھا اویعتمر یجمعھما۔

(مسند احمد، بسلسلہ مرویات ابو ہریرہ رضی اللہ۔ مسلم نے بھی اس مضمون کی ایک روایت کتاب الحج میں نقل کی ہے۔)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عیسیٰ ابن مریم اتریں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور صلیب کو مٹا دیں گے، ان کے لیے نماز جمع کی جائے گی (یعنی ان کی امامت میں نماز پڑھی جائے گی) وہ اتنا مال تقسیم کریں گے کہ اسے قبول کرنے والا کوئی نہ رہے گا، خراج ساقط کر دیں گے اور روحا کے مقام پر منزل کر کے وہاں سے وہ حج کریں گے (راوی کو شک ہے کہ عمرہ الگ کریں گے یا حج اور عمرہ ایک ساتھ ادا کریں گے)۔

(۴) عن ابی ھریرۃ (بعد ذکر خروج الدجال) فبیناھم یعدون للقتال یسوون الصفوف اذا قیمت الصلوٰۃ فینزل عیسی ابن مریم فامھم فاذا راہ عدو اللہ یذوب کما یذوب الملح فی الماء فلو ترکہ لانناب حتی یھلک ولکن یقتلہ اللہ بیدہ فیریھم دمتہ فی حربتہ۔

(مشکوۃ کتاب الفتن، باب الملاحم، بحوالہ مسلم)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروری ہے (انھوں نے دجال کے خروج کا ذکر کرتے ہوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کا یہ ارشاد بیان کیا) کہ اس اثنا میں کہ مسلمان جنگ کی تیاری کر رہے ہوں گے، صفیں باندھ رہے ہوں گے، اور نماز کے لیے تکبیر اقامت کہی جا چکی ہوگی کہ عیسیٰ ابن مریم نازل ہو جائیں گے، پھر وہ مسلمانوں کی امامت کریں گے اور اللہ کا دشمن (یعنی دجال) ان کو دیکھتے ہی اس طرح گھل جائے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں تب بھی مر جائے، مگر اللہ اس کو ان کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور وہ اپنے نیزے میں اس کا خون مسلمانوں کو دکھائیں گے۔"

(۵) عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس بینی وبینہ نبی یعنی عیسیٰ) وانہ نازل فاذا رایتموہ فاعرفوہ رجل مربوع الی الحمرۃ والبیاض بین ممصرتین کان راسہ یقطروان لم یصبہ بلل فیقاتل الناس علی الاسلام فیدق الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویھلک اللہ فی زمان الملل کلھا الا الاسلام ویھلک المسیح الدجال فیمکث فی الارض اربعین سنۃ ثم یتوفی فیصلی علیہ المسلمون۔

(ابوداؤد، کتاب الملاحم، مسند احمد بسلسلہ مرویات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرے اوران کے یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں اور یہ کہ وہ اترنے والے ہیں۔ پس جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا' وہ ایک میانہ قد آدمی ہیں' ان کا رنگ مائل بسرخی وسپیدی ہے' دو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے جو زردرنگ کے ہوں گے' ان کے سر کے بال ایسے ہوں گے کہ گویا اب ان سے پانی ٹپکنے والا ہے حالانکہ وہ بھیگے ہوئے نہ ہوں گے۔ وہ اسلام پر (یعنی اسلام کے لیے یا اس کی حمایت میں) لوگوں سے جنگ کریں گے' صلیب کو پاش پاش کردیں گے' خنزیر کو قتل کردیں گے' جزیہ ختم کردیں گے اوران کے زمانے میں اللہ اسلام کے سوا تمام ملتوں کو مٹادے گا اور وہ مسیح دجال کو (یعنی اس دجال کو جس نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہوگا) ہلاک کردیں گے اور زمین میں چالیس سال رہیں گے' پھر ان کا انتقال ہوجائے گا اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔''

جابر عبداللہ رضی اللہ عنہ:

(۶) عن جابر بن عبداللہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ... فینزل عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام فیقول امیرھم تعال فصل فیقول لا ان بعضکم علی بعض امراء تکرمته اللہ ھذہ الامته۔

(مسند احمد، بسلسلہ روایات جابر ابن عبداللہ۔ مسلم نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے)

ترجمہ: جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا...... پھر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے، مسلمانوں کا امیر ان سے کہے گا آیئے! آپ نماز پڑھایئے، مگر وہ کہیں گے کہ نہیں، تم لوگ ایک دوسرے کے امیر ہو۔ یہ وہ اس عزت کا لحاظ کرتے ہوئے کہیں گے جو اللہ نے اس امت کو دی ہے۔''

(۷) عن جابر بن عبداللہ (فی قصة ابن صیاد) فقال عمر بن الخطاب ائذن لی فاقتله یارسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یکن ھو فلست صاحبهٔ انما صاحبه عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام وان یکن فلیس لك ان تقتل رجلا من اھل العھد۔

(مشکوٰۃ، کتاب الفتن، باب قصہ ابن صیاد، بحوالہ شرح السنہ بغوی)

ترجمہ: جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ (ابن صیاد کا قصہ بیان کرتے ہوئے انھوں نے کہا) تب حضرت عمر بن خطابؓ بولے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اجازت دیجیے کہ میں اسے قتل کردوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر یہ وہی ہے (یعنی دجال ہے) تو اس کے قتل کرنے والے تم نہیں ہو بلکہ عیسیٰ ابن مریم ہیں، اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو تمھیں اہل عہد (یعنی ذمیوں) میں سے ایک شخص کو قتل کردینے کا کوئی حق نہیں ہے۔''

(۸)عن جابر بن عبداللہ (فی قصۃ الدجال) فاذاھم بعیسیٰ بن مریم علیہ السلام فتقام الصلوٰۃ فیقال لہ تقدم یاروح اللہ فیقول لیتقدم امامکم فلیصل بکم فاذا صلی صلوٰۃ الصبح خرجوا الیہ۔ قال فحین یری الکذاب ینماث کما ینماث الملح فی الماء فیمشی الیہ فیقتلہ حتیٰ ان الشجر والحجر ینادی یاروح اللہ ھذا الیھودی، فلایترک ممن کان یتبعہ احد الاقتلہ۔ (مسند احمد، بسلسلہ روایات جابرؓ)

ترجمہ: جابر بن عبداللہؓ (دجال کا قصہ بیان کرتے ہوئے) روایت کرتے ہیں کہ اس اثنا میں مسلمانوں کے درمیان عیسیٰ علیہ السلام آجائیں گے پھر نماز کھڑی ہوگی اور ان سے کہا جائے گا کہ اے روح اللہ، آپ آگے بڑھیں، مگر وہ کہیں گے کہ نہیں تمھارے ہی امام کو آگے بڑھنا چاہیے، وہی نماز پڑھائیں۔ پھر جب صبح کی نماز پڑھ چکیں گے تو مسلمان دجال کے مقابلے پر نکلیں گے۔ فرمایا جب وہ کذاب (یعنی دجال) ان کو دیکھے گا تو اس طرح گھل جائے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ پھر وہ اس کی طرف بڑھیں گے اور اسے قتل کردیں گے اور نوبت یہ آجائے گی کہ درخت اور پتھر پکار اٹھیں گے کہ اے روح اللہ، یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ دجال کے پیروؤں میں سے کوئی نہ بچے گا جو قتل نہ کردیا جائے۔''

نواس بن سمعان الکلابی رضی اللہ عنہ:

(۹) عن نواس بن سمعان (فی قصۃ الدجال) فبینما ھو کذالک اذ بعث اللہ المسیح ابن مریم فینزل عندالمنارۃ البیضاء شرقی دمشق بین مھروذتین واضعا کفیہ علی اجنحۃ ملکین اذا طاطاء راسہ قطرو اذا رفعہ تحدر منہ جمان کاللولوء فلایحل لکافر یجد ریح نفسہ الامات ونفسہ ینتھی الی حیث ینتھی طرفہ فیطلبہ حتیٰ یدرکہ بباب لد فیقتلہ۔

(مشکوٰۃ، کتاب الفتن، باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال، بحوالہ مسلم وترمذی، ابوداؤد، کتاب الملاحم)

ترجمہ: نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ (قصہ دجال بیان کرتے ہوئے) روایت کرتے ہیں کہ اس اثنا میں کہ وہ (یعنی دجال) یہ کچھ کر رہا ہوگا، اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم کو بھیج دے گا اور وہ دمشق کے مشرقی حصے میں سفید مینار کے پاس اتریں گے۔ وہ دو زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے۔ دو فرشتوں کے پروں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے۔ جب وہ سر جھکائیں گے تو ایسا محسوس ہوگا کہ قطرے ٹپک رہے ہیں۔ جب سر اٹھائیں گے تو موتی کی طرح قطرے ٹپکتے ہوئے محسوس ہوں گے۔ ان کے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی، اور وہ ان کی حدِ نظر تک جائے گی، وہ زندہ نہ بچے گا۔ وہ دجال کا پیچھا کریں گے اور لد (lydda) کے دروازے پر اسے جا پکڑیں گے اور قتل کر دیں گے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ:

(۱۰) عن عبداللہ ابن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج الدجال فی امتی فیمکث اربعین (لاادری اربعین یوما او اربعین شھرا اواربعین عاما) فیبعث اللہ عیسیٰ ابن مریم کانہ عروۃ بن مسعود فیطلبہ فیھلکہ ثم یمکث الناس سبع سنین لیس بین اثنین عداوۃ۔

(مشکوٰۃ، کتاب الفتن، باب لاتقوم الساعۃ الاعلی شرار الناس، بحوالہ مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں دجال نکلے گا اور چالیس (مجھے، یعنی حضرت عبداللہ کو نہیں معلوم کہ چالیس دن، یا چالیس مہینے، یا چالیس سال) رہے گا۔ پھر اللہ عیسیٰ ابن مریم کو بھیجے گا، ان کا حلیہ عروہ بن مسعود (ایک صحابی) سے مشابہ ہوگا وہ اس کا پیچھا کریں گے اور اسے ہلاک کر دیں گے، پھر سات سال تک لوگ اس حال میں رہیں گے کہ دو آدمیوں کے درمیان بھی عداوت نہ ہوگی۔"

حذیفہ رضی اللہ عنہ بن اسید غفاری:

(۱۱) عن حذیفۃ بن اسید الغفاری قال اطلع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علینا ونحن نتذاکر فقال ماتذکرون قالوا نذکر الساعتہ قال انھا لن تقوم حتیٰ ترون قبلھا عشر ایات فذکر الدخان والدجال والدابتہ وطلوع

الشمس من مغربها ونزول عیسیٰ ابن مریم ویاجوج وماجوج و ثلثة خسوف خسف بالمشرق وخسف بالمغرب و بجزیرة العرب واخرذالك نار تخرج من الیمن تطرد الناس الیٰ محشر هم۔

(مشکوٰۃ، کتاب الفتن، باب العلامات بین یدی الساعہ، بحوالہ مسلم)

ترجمہ: حذیفہ رضی اللہ عنہ بن اسید غفاری کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری مجلس میں تشریف لائے اور ہم باہم بات چیت کررہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہو رہی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم قیامت کا ذکر کررہے تھے۔ فرمایا وہ ہرگز قائم نہ ہوگی جب تک کہ اس سے پہلے دس نشانیاں ظاہر نہ ہوجائیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ دس نشانیاں یہ بتائیں۔ ۱۔ دھواں۔ ۲۔ دجال۔ ۳۔ دابہ (جانور)۔ ۴۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔ ۵ عیسیٰ ابن مریم کا نزول۔ ۶۔ یاجوج، ماجوج۔ ۷۔ تین بڑے خسوف (landslides) ایک مشرق میں۔ ۸۔ دوسرا مغرب میں۔ ۹۔ تیسرا جزیرۃ العرب میں۔ ۱۰۔ سب سے آخر میں ایک زبردست آگ ہوگی جو یمن سے اُٹھے گی اور لوگوں کو ہانکتی ہوئی ان کو محشر کی طرف لے جائی گی۔

ثوبان رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

(۱۲) عن ثوبان مولی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن النبی صلی الله علیه وسلم عصابتان من امتی احزرهما الله تعالیٰ من النار، عصابة تغزوا الهند، وعصابة تکون مع عیسیٰ ابن مریم علیه السلام۔

(نسائی، کتاب الجهاد، مسند احمد، بسلسلہ روایات ثوبان)

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزادکردہ غلام ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت کے دو لشکر ایسے ہیں جن کو اللہ نے آتش دوزخ سے بچالیا، ایک وہ لشکر جو ہندوستان پر حملہ کرے گا دوسرا وہ جو عیسیٰ ابن مریم کے ساتھ ہوگا''۔

مجمع بن جاریہ انصاری رضی اللہ عنہ:

(۱۳) سمعت رسول الله علیه وسلم یقول یقتل ابن مریم الدجال بباب لد۔

(امام احمد نے مسند میں یہ حدیث چار طریقوں (یعنی چار سندوں) سے روایت کی ہے۔ نیز ترمذی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ ابن مریم لد کے دروازے پر دجال کو قتل کریں گے۔

ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ:

(۱۴) عن ابی امامة الباهلی (فی حدیث من ذکر الدجال)فبینما امامهم قدتقدم یصلی بهم الصبح اذنزل علیهم عیسیٰ ابن مریم فرجع ذٰلك الامام ینکص یمشی قهقری لیقدم عیسیٰ فیضع عیسیٰ یده بین کتفیه ثم یقول له تقدم فصل فانهالك اقیمت فیصلی بهم امامهم فاذا انصرف قال عیسیٰ علیه السلام افتحوا الباب فیفتح وورأه الدجال و معه سبعون الف یهودی کلهم ذوسیف محلی وساج فاذانظر الیه الدجال ذاب کمایذوب الملح فی الماء وینطلق هاربا ویقول عیسیٰ ان لی فیك ضربة لن تسبقنی بهافیدرکه عندباب لد الشرقی فیهزم الله الیهودوتملا الارض من المسلم کمایملاء الاناء من الماء وتکون الکلمة واحدة فلایعبدالا الله تعالیٰ۔ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

ترجمہ: ابوامامہ باہلی رضی اللہ علیہ (ایک طویل حدیث میں دجال کا ذکر کرتے ہوئے) روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اس اثنا میں کہ مسلمانوں کا امام صبح کی نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھ چکا ہوگا، یکایک عیسیٰ ابن مریمؑ اتر آئیں گے۔ امام پیچھے پلٹے گا تاکہ عیسیٰ علیہ السلام آگے بڑھیں، مگر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اس کے دونوں شانوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہیں گے تم ہی آگے بڑھ کر نماز پڑھاؤ کیونکہ یہ تمہارے ہی لیے قائم کی گئی ہے۔ چنانچہ ان کا امام نماز پڑھائے گا۔ سلام پھیرنے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ دروازہ کھولو، چنانچہ وہ کھولا جائے گا۔ باہر دجال ۷۰ ہزار مسلح یہودیوں کے ساتھ موجود ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی دجال اس طرح گھل جائے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے، اور وہ بھاگ نکلے گا۔ عیسیٰؑ کہیں گے میرے پاس تیرے لیے ایک ایسی ضرب ہے جس سے تو بچ کر نہ جا سکے گا۔ پھر وہ اسے لد کے مشرقی دروازے پر جالیں گے۔ اور اللہ یہودیوں کو شکست دے گا...... اور زمین مسلمانوں

سے اس طرح بھر جائے گی جیسے برتن پانی سے بھر جائے اور سب دنیا کا کلمہ ایک ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہوگی۔

عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ:

(۱۵)سمعت رسول الله علیه وسلم یقول...وینزل عیسیٰ ابن مریم علیه السلام عنه صلوٰة الفجر فیقول له امیرهم یاروح الله تقدم صل فیقول هذه الامة لامراء بعضهم علی بعض فیقدم امیرهم فیصلی فاذاقضی صلوته اخذعیسیٰ حربته فیذهب نحوالدجال فاذایراه الدجال ذاب کمایزوب الرصاص فیضح حربته بین شندوبته فیقتله وینهزوم اصحابه لیس یومئذشئی یواری منهم احداحتیٰ ان الشجرة لتقول یامومن هذاکافر ویقول الحجر یامومن هذاکافر۔

(مسند احمد بسلسلہ روایات عثمان بن ابی العاص، نیز طبرانی اور حاکم نے بھی اسے نقل کیا ہے)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے......اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام فجر کی نماز کے وقت اتریں گے۔ مسلمانوں کا امیران سے کہے گا کہ اے روح اللہ آگے بڑھیے 'نماز پڑھائیے' وہ کہیں گے کہ اس امت کے لوگ خود ہی ایک دوسرے پر امیر ہیں' تب مسلمانوں کا امیر آگے بڑھ کر نماز پڑھائے گا۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر عیسیٰ علیہ السلام اپنا نیزہ لے کر دجال کی طرف چلیں گے۔ دجال جب ان کو دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جیسے سیسہ پگھلتا ہے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام نیزہ مار کر اس کو قتل کر دیں گے اور اس کے ساتھی شکست کھا جائیں گے۔ اس روز ان لوگوں کے لیے کہیں چھپنے کو جگہ نہ ہوگی' درخت پکاریں گے کہ اے مومن یہ کافر یہاں موجود ہے اور پتھر پکاریں گے کہ اے مومن یہ کافر یہاں موجود ہے۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ:

(۱۶) عن سمرة بن جندب عن النبی صلی الله علیه وسلم (فی حدیث طویل)فیصبح فیهم عیسیٰ ابن مریم فیهزمه الله وجنوده حتیٰ ان اجزم الحائط واصل الشجر ینادی یامومن هذاکافر یستتربی فتعال اقتله۔

(مسند احمد' مرویات سمرہ بن جندب میں' نیز حاکم نے مستدرک میں بھی اسے نقل کیا ہے)

ترجمہ: سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ (ایک طویل حدیث میں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ پھر صبح کے وقت مسلمانوں میں عیسیٰ ابن مریم آجائیں گے اور اللہ تعالیٰ دجال اور اس کے لشکر کو شکست دے گا یہاں تک کہ دیواریں اور درختوں کی جڑیں پکار اٹھیں گی کہ اے مومن یہ کافر یہاں چھپا ہوا ہے آ اور اسے قتل کر۔"

عمران بن حصین رضی اللہ علیہ:

(۱۷) عن عمران بن حصین ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لاتزال طائفۃ من امتی علی الحق ظاھرین علی من ناؤاھم حتی یاتی امر اللہ تبارک وتعالیٰ وینزل عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام۔ (مسند احمد، مرویات عمران بن حصینؓ)

ترجمہ: عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے ایک گروہ ایسا ضرور رہے گا جو حق پر قائم اور مخالفوں پر بھاری رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

(۱۸) عن عائشۃ (فی قصۃ الدجال) فینزل عیسیٰ علیہ السلام فیقتلہ ثم یمکث عیسیٰ علیہ السلام فی الارض اربعین سنۃ اماما عادلا وحکما مقسطا۔ (مسند احمد، مرویات عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (دجال کے قصے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے) روایت کرتی ہیں "پھر عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور اسے قتل کریں گے۔ پھر عیسیٰ السلام زمین میں چالیس سال تک ایک امام عادل اور حاکم منصف کی حیثیت سے رہیں گے۔

سفینہ رضی اللہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

عن سفینۃ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فی قصۃ الدجال) فینزل عیسیٰ علیہ السلام فیقتلہ اللہ تعالیٰ عند عقبۃ افیق۔ (مسند احمد، مرویات سفینہ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام سفینہ رضی اللہ عنہ (دجال کے قصے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں) پھر عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور اللہ تعالیٰ دجال کو افیق کی

گھاٹی کے قریب ہلاک کردے گا۔

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ:

(۲۰) عن حذیفة (فی ذکر الدجال) فلما قاموا یصلون نزل عیسیٰ ابن مریم امامهم فصلی بهم فلما انصرف قال هکذا فرجوا بینی وبین عدو الله ...یسلط الله علیهم المسلمین فیقتلونهم حتی ان الشجر والحجر لینادی یاعبدالله یاعبدالرحمن یامسلم هذا الیهودی فاقتله فیفنیهم الله تعالیٰ ویظهر المسلمون فیکسرون الصلیب ویقتلون الخنزیر ویضعون الجزیته۔

(مستدرک حاکم۔ مسلم میں بھی یہ روایت اختصار کے ساتھ آئی ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۴۵۰۰ میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان (دجال کے ذکر میں روایت کرتے ہیں) پھر جب مسلمان نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوں گے تو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ان کے سامنے آئیں گے اور ان کو نماز پڑھائیں گے۔ پھر سلام پھیرنے کے بعد وہ ہاتھ کے اشارے سے کہیں گے کہ ہٹ جاؤ میرے اور اس دشمن خدا کے درمیان سے.....اور اللہ تعالیٰ دجال کے ساتھیوں پر مسلمانوں کو مسلط کردے گا اور وہ انہیں خوب ماریں گے یہاں تک کہ درخت اور پتھر پکار اٹھیں گے کہ اے عبداللہ' اے عبدالرحمن' اے مسلمان' یہ یہاں ایک یہودی موجود ہے' مار اسے' اس طرح اللہ تعالیٰ ان کو فنا کردے گا اور مسلمان غالب ہوں گے اور صلیب توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کردیں گے اور جزیہ ساقط کردیں گے۔

ضمیمہ نمبر (۲)

احادیث درباب ظہور مہدی

اس باب میں دو قسم کی احادیث ہیں۔ ایک وہ جن میں مہدی کا ذکر لفظ ''مہدی'' کی صراحت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ دوسری وہ جن میں لفظ مہدی استعمال کیے بغیر ایک خلیفہ عادل کے ظہور کی خبر دی گئی ہے اور چونکہ ان احادیث کا مضمون پہلی قسم کی احادیث سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس لیے محدثین نے یہ سمجھا کہ ان میں بھی اس خلیفہ سے مراد مہدی ہی ہے۔

قسم اول کی احادیث:

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رایتم الرایات السود قد جائت من قبل خراسان فاتوھا فان فیھا خلیفۃ اللہ المھدی۔

(مسند احمد، بسلسلہ مرویات ثوبان، بیہقی، دلائل النبوۃ۔ اسی مضمون کی ایک روایت ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب خروج المہدی میں بھی ہے۔)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ خراسان کی طرف سے کالے جھنڈے آرہے ہیں تو ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ کیونکہ ان میں اللہ کا خلیفہ ''المہدی'' ہوگا۔

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المھدی منا اھل البیت یصلحہ اللہ فی لیلتہ۔ (مسند احمد، مرویات علی رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''المہدی'' ہم اہل بیت میں سے ہوگا۔ اللہ اس کو ایک رات میں تیار کردے گا۔''

(۳) عن ام سلمۃ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول المھدی من عترتی من ولد فاطمۃ۔ (ابوداؤد، کتاب الفتن والملاحم۔ ذکر المہدی)

ترجمہ: ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ''المہدی'' میری نسل سے، فاطمہ کی اولاد میں سے ہوگا۔

(۴) قالت ام سلمة سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم نحن ولد عبد المطلب سادة اهل الجنته انا وحمزة وعلی وجعفروالحسن و الحسین والمهدی۔ (ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب خروج المہدی)

ترجمہ: ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ہم اولاد عبدالمطلب جنت کے سردار ہیں، میں اور حمزہ اور علی اور جعفر اور حسن اور حسین اور المہدی۔

(۵) قال النبی صلی الله علیه وسلم یکون فی امتی المهدی ان قصر فسبع والافتسع فتنعم فیه امتی۔ (ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب خروج المہدی)

ترجمہ: ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، میری اُمت میں المہدی ہوگا، اگر کم مدت ہوئی تو سات ورنہ نو (غالباً سات یا نو سال) اس زمانے میں میری اُمت خوش حال ہوگی۔''

(۶) عن ابی سعید الخدری قال رسول الله صلی الله علیه وسلم المهدی منی اجلی الجبهه، اقنی الانف، یملا الارض قسطا وعدلاً کما ملئت ظلما وجورا ویملك سبع سنین۔ (ابوداؤد، کتاب الفتن والملاحم، ذکر المہدی)

ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا المہدی مجھ سے ہوگا۔ روشن اور چوڑی پیشانی والا، اونچی ناک والا، زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر گئی ہوگی اور سات سال حکمران رہے گا۔

(۷) عن ابی سعید فی قصة المهدی قال فیجی الرجل فیقول یا مهدی اعطنی فیحثی له فی ثوبه ما استطاع ان یحمله۔ (مشکوٰۃ، باب اشراط الساعہ، بحوالہ ترمذی)

ترجمہ: ''ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مہدی کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک شخص آئے گا اور کہے گا کہ اے مہدی مجھے دے، مجھے دے، تو لپیں بھر بھر کر اس کے کپڑے میں اتنا ڈال دے گا جسے وہ اٹھا سکے۔''

(۸) عن جعفر الصادق عن ابیه عن جده قال قال رسول الله ... کیف تهلك امة انا اولها والمهدی وسطها والمسیح اخرها۔

(مشکوٰۃ، باب ثواب ہذہ الامۃ، بحوالہ رزین)

ترجمہ: ''امام جعفر صادق اپنے والد (امام محمد باقر) سے اور وہ اپنے والد (امام زین العابدین) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کیسے ہلاک ہو سکتی ہے وہ اُمت جس کے

آغاز میں مَیں ہوں اور جس کے وسط میں مہدی ہے اور جس کے آخر میں مسیح ہے۔‘‘

قسم دوم کی احادیث:

(۹) لولم یبق من الدنیا الا یوم لیبعث اللہ عزوجل رجلا منا یملأھا عدلا کما ملئت جورا۔ (مسند احمد، بسلسلہ روایت علیؓ)

ترجمہ: اگر دنیا کے ختم ہونے میں صرف ایک ہی دن باقی ہوا، پھر بھی اللہ تعالیٰ ہم میں سے ایک ایسا شخص اٹھائے گا جو دنیا کو اسی طرح عدل سے بھردے گا جس طرح کہ وہ جور سے بھری ہوگی۔

(۱۰) عن علی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لولم یبق من الدھر الا یوم لبعث اللہ رجلا من اھل بیتی یملأھا عدلا کما ملئت جورا۔

(ابوداؤد، کتاب الفتن والملاحم، ذکر المہدی)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر دنیا کی مدت میں صرف ایک ہی دن باقی ہو پھر بھی اللہ تعالیٰ میرے اہل بیت سے ایک ایسا شخص اٹھائے گا جو اس کو عدل سے اسی طرح بھردے گا جس طرح وہ ظلم سے بھری ہوگی۔

(۱۱) قال علی رضی اللہ عنہ ونظر الی ابنہ الحسن فقال ان ابنی ھذا سید کما سماہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسیخرج من صلبہ رجل یسمی باسم نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم یشبھہ فی الخُلق ولا یشبھہ فی الخَلق، ثم ذکر قصۃ یملأ الارض عدلا۔ (ابوداؤد، کتاب الفتن ذکر المہدی)

ترجمہ: علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کو موسوم فرمایا اور اس کے صلب سے ایک شخص نکلے گا جس کا نام تمہارے نبی کا نام ہوگا (یعنی محمد) وہ نبی اکرم ﷺ سے اخلاق میں مشابہ ہوگا مگر شکل وصورت میں مشابہ نہ ہوگا۔‘‘ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ وہ زمین کو عدل سے بھردے گا۔

(۱۲) عن علی قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج رجل من وراء النھر یقال لہ الحارث حراث علی مقدمۃ رجل یقال لہ منصور یوطی او یمکن لآل محمد کما مکنت قریش لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجب علی کل

مومن نصرہ، او قال اجابتہ۔ (ابوداؤد، کتاب الفتن ذکر المہدی)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص ماوراء النہر سے نکلے گا جس کا نام حارث ہوگا اس کے ہراول پر ایک شخص ہوگا جس کو منصور کے نام سے یاد کیا جاتا ہوگا۔ وہ (یعنی منصور) آل محمد کے لیے اس طرح زمین ہموار کرے گا (یا اسباب اقتدار فراہم کرے گا) جس طرح قریش نے اللہ کے رسول ﷺ کے لیے کیا۔ واجب ہے ہر مومن پر اس کی مدد کرنا، یا فرمایا اس کی دعوت پر لبیک کہنا۔

(۱۳) لاتقوم الساعتہ حتی یلی (وفی روایتہ لا تنقضی الایام حتی یملک العرب) رجل من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی۔

(مسند احمد، بسلسلہ مرویات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: ''قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ فرماں رواں نہ ہوجائے (اور ایک دوسری روایت میں ہے زمانہ ختم نہ ہوگا جب تک عرب کا فرماں روا نہ ہو جائے) ایک ایسا شخص جو میرے اہل بیت میں سے ہوگا اور جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا۔''

(۱۴) عن عبداللہ بن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لولم یبق من الدنیا الا یوم و فی روایۃ (لطول اللہ ذلک الیوم) حتی یبعث اللہ فیہ رجلامن اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی (وفی روایۃ) یملا الارض قسطاوعدلا کما ملئت ظلماوجورا۔ (وفی روایۃ) یملا الارض قسطاوعد لا کما ملئت ظلماوجورا۔ (وفی روایۃ اخری) لا تذھب اولا تنقضی الدنیا حتی یملک العرب من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی۔

(ابوداؤد، کتاب الفتن والملاحم، ذکر المہدی، آخری روایت (لاتذھب الدنیا)

ترمذی میں بھی ابن مسعودؓ سے مروی ہے)

ترجمہ: ''عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر دنیا کی زندگی میں صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے (ایک روایت میں یہ فقرہ زائد ہے۔ تو اللہ اس دن کو طول دے گا) یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک ایسے شخص کو اٹھائے گا جس کا نام میرے نام کے اور جس کے باپ کا نام میرے والد کے نام کے مطابق ہوگا۔'' ایک اور روایت میں اس پر اتنا

اضافہ اور ہے ''جو زمین کو اسی طرح عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی'' ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں ''دنیا ختم نہ ہوگی جب تک کہ میرے خاندان میں سے ایک شخص، جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا، عرب کا فرماں روانہ ہوجائے۔''

(۱۵)عن ابی سعید الخدری قال ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاء یصیب ھذہ الامته حتی لایجد الرجل ملجاء الیه من الظلم، فیبعث اللہ رجلامن عترتی واھل بیتی فیملابه الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلماوجورا یرضی عنه ساکن السماء وساکن الارض لاتدع السماء من قطرھا شیئاً الا صبة مدرارا ولاتدع الارض من نبھاتھا شیئاً الا اخرجته حتی یتمنی الاحیاء الاموات یعیش فی ذٰلك سبع سنین او ثمان سنین اوتسع سنین۔ (مشکوٰۃ، باب اشراط الساعہ، بحوالہ مستدرک حاکم)

ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بلا کا ذکر کیا جو اس اُمت پر آئے گی۔ یہاں تک کہ آدمی کو ظلم سے کہیں پناہ نہ ملے گی۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''پھر اللہ میرے خاندان اور اہل بیت سے ایک شخص کو اٹھائے گا اور اس کے ذریعہ سے زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی ہوگی۔ اس سے آسمان والے بھی خوش ہوں گے اور زمین والے بھی۔ نہ آسمان اپنا ایک قطرہ برسائے بغیر رہے گا اور نہ زمین اپنی روئیدگی نکالنے میں کوئی کسر اٹھا رکھے گی، یہاں تک کہ زندہ لوگ تمنا کریں گے کہ کاش ان کے وہ عزیز اور دوست جو مر چکے ہیں، یہ زمانہ دیکھیں۔ اس حالت میں وہ سات برس رہے گا، یا آٹھ برس، یا نو برس۔

(۱۶) عن جابر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی اخر الزمان خلیفة یقسم المال ولایعدہ (وفی روایته)یکون فی اخر امتی خلیفة یحثی المال حثیا ولایعدہ عدا۔ (مشکوٰۃ، باب اشراط الساعہ، بحوالہ مسلم)

ترجمہ: جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آخری زمانے میں ایک خلیفہ ہوگا جو بے شمار مال تقسیم کرے گا۔'' دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں ''میری امت کے آخری زمانے میں ایک خلیفہ ہوگا جو لپیں بھر بھر کر مال دے گا اور شمار نہ کرے گا۔

(۱۷)عن ام سلمة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یکون اختلاف

عند موت خلیفة فیخرج رجل من اهل المدینة هاربا الی مکة فیاتیه ناس من اهل مکة فیخرجونه وهو کاره فیبایعونه بین الرکن والمقام یبعث الیه بعث من الشام فیخسف بهم بالبیداء فاذا رای الناس ذٰلك اتاه ابدال الشام وعصائب اهل العراق فیبایعونه ینشا رجل من قریش اخواله کلب فیبعث الیهم بعثا فیظهرون علیهم وذٰلك بعث الکلب و الخیبة لمن لم یشهد غنیمة کلب فیقسم المال ویعمل فی الناس بسنة نبیهم صلی الله علیه وسلم ویلقی الاسلام بجیرانه الی الارض فیلبث سبع سنین ثم یتوفی ویصلی علیه المسلمون۔

(ابوداؤد، کتاب الفتن والملاحم، ذکر المہدی)

ترجمہ: ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک خلیفہ کی موت کے بعد اختلاف برپا ہوگا۔ اس موقع پر ایک شخص اہل مدینہ سے نکل کر مکہ بھاگ جائے گا (اس اندیشہ سے کہ کہیں اسے خلیفہ نہ بنالیا جائے) مکہ مکرمہ کے لوگ اس کے پاس آئیں گے اور اس کو نکال لائیں گے۔ اور اس کو مجبور کر کے رکن اور مقام کے درمیان اس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے۔ پھر اس کے مقابلہ پر ایک لشکر شام کی طرف بھیجا جائے گا، مگر وہ لشکر بیدا میں (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک علاقہ) زمین دوز ہو جائے گا۔ جب لوگ اس لشکر کا یہ انجام دیکھیں گے تو شام سے ابدال اور اہل عراق کے دستے اس کے پاس آئیں گے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ پھر ایک شخص قریش کے خاندان سے اٹھے گا جس کی ننھیال قبیلہ کلب کی ہوگی۔ وہ اس کے خلاف لشکر بھیجے گا مگر یہ لشکر (یعنی بنی کلب کا لشکر) بھی شکست کھائے گا۔ نامراد ہے وہ جو اس وقت قبیلہ کلب کا مال غنیمت تقسیم ہونے پر موجود نہ ہو۔ پھر وہ خوب مال تقسیم کرے گا اور لوگوں کے درمیان سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق عمل کرے گا اور اسلام زمین پر خوب پھیل جائے گا اور وہ سات سال رہے گا، پھر اس کا انتقال ہو جائے گا اور اس پر مسلمان نماز جنازہ پڑھیں گے۔

(۱۸) عن ابی هریرة مرفوعا یا عم ان الله تعالیٰ ابتداء الاسلام بی وسیختمه بغلام من ولدك وهو الذی یتقدم عیسیٰ ابن مریم۔

(کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۸۸)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے بیان کرتے

ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ چچا جان' اللہ نے اسلام کو مجھ سے شروع کیا اور ایک ایسے لڑکے پر اس کو ختم کرے گا جو آپ کی اولاد سے پیدا ہوگا اور وہی ہوگا جس کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم نماز پڑھیں گے۔

(۱۹) عن عمار بن یاسر مرفوعا یاعباس ان اللہ تعالیٰ بدابی هذا الامر وسیختمه بغلام من ولدك یملاها عدلا کما ملئت جورا وهو الذی یصلی بعیسیٰ علیه السلام۔ (کنز العمال حوالہ مذکور)

ترجمہ: ''عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں کہ اے عباس رضی اللہ عنہ' اللہ تعالیٰ نے اس دین کو مجھ سے شروع کیا اور ایک ایسے لڑکے پر ختم ہوگا جو تمہاری اولاد سے ہوگا' زمین کو اسی طرح عدل سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم سے بھری ہوگی اور اسی کے پیچھے عیسیٰ علیہ السلام نماز پڑھیں گے۔''

ایک منفرد روایت جو دونوں قسم کی روایتوں سے مختلف ہے۔

(۲۰) عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال ولا یزداد الامر الا شدة ولا الدنیا الا ادبارا ولا الناس الا شحا ولا تقوم الساعة الا علی شرار الناس ولا مهدی الا عیسیٰ بن مریم۔ (ابن ماجہ' کتاب الفتن' باب شدۃ الزمان)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حالات بگڑتے جائیں گے اور دنیا پیچھے ہی پلٹتی جائے گی اور لوگوں میں تنگ نظری بڑھتی چلی جائے گی اور قیامت قائم نہ ہوگی مگر بدترین لوگوں پر۔ نیز آپ نے فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے سوا کوئی مہدی نہیں ہے۔

تشریح: یہ روایت ان تمام روایات کے خلاف ہے جو مہدی اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں تمام کتب حدیث میں وارد ہوئی ہیں اور کوئی دوسری روایت اس کی تائید میں بھی موجود نہیں ہے۔ اس حدیث پر محدثین کی تنقیدات حسب ذیل ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ تمام صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ (فتح الباری' جلد ۶' ص ۳۵۸)

علامہ قرطبی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ''تذکرہ'' میں لکھا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے

اور مزید براں جو دوسری احادیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہوئی ہیں، وہ تصریح کرتی ہیں کہ مہدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت سے اور اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوگا۔ یہ احادیث اس حدیث سے صحیح تر ہیں اس لیے اس کے بجائے انہی کو مانا جائے گا......ایک احتمال یہ ہے کہ شاید لا مہدی الا عیسیٰ کہنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد یہ ہو کہ مہدی (معنی ہدایت یافتہ) کامل طور پر اور معصومانہ شان کے ساتھ صرف عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے۔

(الحادی للفتاویٰ صفحہ ۸۵۔۸۲)

علامہ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''یہ حدیث'' جیسا کہ صاف نظر آتا ہے تمام ان احادیث کے خلاف ہے جو یہ بتاتی ہیں کہ مہدی اور ہوں گے اور عیسیٰ ابن مریم اور۔ تاہم غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس قول سے مراد یہ ہے کہ پورے ہدایت یافتہ' جیسا کہ ہونا چاہیے' عیسیٰؑ ہی ہوں گے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا مہدی نہ ہو۔'' (الحادی للتفاوی صفحہ ۸۶)

امام سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے ابن ماجہ کی شرح ''مصباح الزجاجہ'' میں مفصل تنقید کر کے اس کو ناقابل قبول قرار دیا ہے۔

ضمیمہ نمبر (۳)

فقہا، محدثین اور مفسرین کی تصریحات اس باب میں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول نبی ہونے کی حیثیت سے نہ ہوگا بلکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیرو کی حیثیت سے آئیں گے، اس لیے ان کا نزول ختم نبوت کے منافی نہیں ہے۔

اس مسئلے کے متعلق زمخشری، بیضاوی، حافظ الدین نسفی، سیوطی اور شیخ اسماعیل کی تصریحات ضمیمہ نمبر ۵ میں درج کی گئی ہیں (ملاحظہ ہو ضمیمہ ۵ نمبر ۳، ۵، ۶، ۹، ۱۰۔ باقی اقوال درج ذیل ہیں۔

(۱) علامہ ابن حزم ۳۸۴ھ، ۹۹۴ء۔ ۴۵۶ھ، ۱۰۶۴ء:

لایقدح فی کونہ خاتم الانبیاء والمرسلین نزول عیسیٰ بعدہ لانہ یکون علی دینہ مع ان المراد انہ اخر من نبی (المحلی، جلد ۵، ص: ۲۶۷)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم الانبیا والمرسلین ہونے میں حضرت عیسیٰؑ کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نازل ہونا قادح نہیں ہے کیونکہ وہ آپ کے ہی دین پر ہوں گے۔ علاوہ اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ آخری شخص ہوں گے جو نبی بنا دیئے گئے۔

(۲) امام رازی ۵۴۳ھ، ۱۱۴۹ء۔ ۶۰۶، ۱۲۰۹ء:

قال بعض المتکلمین انہ لا یمنع نزولہ من السماء الی الدنیا، الا انہ انما ینزل عنہ ارتفاع التکالیف اوبحیث لایعرف، اذلونزل مع بقاء التکالیف علی وجہ یعرف انہ عیسیٰ لکان اما ان یکون نبیا ولانبی بعد محمد علیہ الصلوۃ والسلام اوغیرنبی وذٰلک غیرجائز علی الانبیاء وھذا الاشکال عندی ضعیف، لان انتھاء الانبیاء الی مبعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم فعنہ مبعث انتھت تلک المدۃ فلایبعد ان یصیر بعد نزولہ تبع المحمد۔ (تفسیر کبیر جلد ۳۔ ص ۳۴۳)

بعض متکلمین کہتے ہیں کہ ''عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے دنیا کی طرف نازل ہونے سے تو ہمیں انکار نہیں ہے مگر ہمارے نزدیک وہ یا تو اس وقت اتریں گے جب کہ انسان کی ذمہ داری ختم ہو چکی ہوگی' یعنی توبہ وایمان کے مطالبے کا سوال ہی ختم ہو چکا ہوگا' یا اس طرح اُتریں گے کہ پہچانے نہ جائیں گے۔ کیونکہ اگر وہ ایسی حالت میں نازل ہوں جب کہ انسان ابھی مکلف ہو اور اس طرح نازل ہوں کہ ان کا عیسیٰ ہونا پہچان لیا جائے' تو دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت لامحالہ ہوگی۔ یا تو وہ نبی ہوں گے' حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔ یا وہ غیر نبی ہوں گے' حالانکہ انبیا کے معاملہ میں ایسا ہونا جائز نہیں (کہ ایک شخص نبی ہونے کے بعد نبی نہ رہے۔)''لیکن یہ اشکال میرے نزدیک کمزور ہے۔ کیونکہ انبیا کا زمانہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت تک ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہو گئے تو زمانہ انبیا ختم ہو گیا۔ اب عیسیٰ نازل ہوں گے تو یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہوں۔

(۳) امام نووی ۶۳۱ھ'۱۲۳۳ء۔ ۶۷۶ھ' ۱۲۷۷ء:

ینزل عیسیٰ ابن مریم حکما ای حاکما بھذہ الشریعة ولا ینزل برسالة مستقلة وشریعة ناسخة بل ھو حاکم بن حکام ھذا الامته۔

(شرح مسلم جلد ۲'ص ۱۸۹)

عیسیٰ ابن مریم حکم بن کر نازل ہوں گے' یعنی اس شریعت کے مطابق حکم کرنے والے۔ وہ کسی مستقل رسالت اور کسی ایسی شریعت کے ساتھ نازل نہ ہوں گے جو موجودہ شریعت کو منسوخ کرنے والی ہو' بلکہ وہ اس اُمت کے حاکموں میں سے ایک حاکم ہوں گے۔''

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ امام نووی لکھتے ہیں:

وانکر ذلك بعض المعتزلة الجھمیة ومن وافقھم وزعموا ان ھذہ الاحادیث مردودة بقوله تعالی وخاتم النبیین وبقوله صلی اللہ علیه وسلم لا نبی بعدی وباجماع المسلمین انه لا نبی بعد نبینا وان شریعته موبدة الی یوم القیامته لا تنسخ ۔وھذا استدلال فاسد لانه لیس

المرادبنزول عیسیٰ انه ینزل نبیابشرع ینسخ شرعنا ولافی هذه الاحادیث ولافی غیرهاشیء من هذابل صحت هذه الاحادیث هناوماسبق فی کتاب الایمان وغیرهاانه ینزل حکمامقسطابحکم شرعناویحیی من امورشرعناماهجره الناس۔ (شرح مسلم جلد ۱۸،ص ۷۵)

بعض معتزلہ اور جہمیہ اور ان کے ہم خیال لوگوں نے اس کا (یعنی نزول عیسیٰ کا) انکار کیا ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ حدیثیں نا قابل قبول ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قول خاتم النبیین اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول ''لا نبی بعدی'' اور مسلمانوں کے اس اجماع کے خلاف پڑتی ہیں کہ ہمارے نبی کے بعد کوئی نبی نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت قیامت تک رہنے والی ہے، منسوخ ہونے والی نہیں ہے۔ مگر یہ استدلال غلط ہے' کیونکہ عیسیٰؑ کے نزول سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ نبی کی حیثیت سے ایک ایسی شریعت لے کر نازل ہوں گے جو ہماری شریعت کو منسوخ کر دے۔ یہ بات نہ اس باب کی احادیث میں کہیں ہے اور نہ دوسری احادیث میں۔ بلکہ ان احادیث اور کتاب الایمان وغیرہ میں گزری ہوئی دوسری احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہماری شریعت کے مطابق حکم کرنے والے حاکم منصف بن کر اتریں گے اور ہماری شریعت کے ایسے امور کو زندہ و تازہ کریں گے جن کو لوگوں نے چھوڑ دیا۔

(۴) علاؤالدین بغدادی' صاحب تفسیر ''خازن'' ۷۲۵ھ:

فان قلت قدصح ان عیسیٰ علیه السلام ینزل فی آخر الزمان بعده وهو نبی، قلت انی عیسیٰ علیه السلام ممن نبی قبله وحین ینزل فی اخر الزمان ینزل عاملابشریعة محمدصلی الله علیه وسلم ومصلیا الی قبلته کان بعض امته۔ (ص ۱۷۴-۴۷۲)

اگر کہو کہ آپ کے بعد آخر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ثابت ہے اور وہ نبی ہیں' تو میں کہوں گا کہ عیسیٰ علیہ السلام تو ان لوگوں میں سے ہیں جو آپ سے پہلے نبی بنائے جا چکے تھے اور جب وہ آخر زمانے میں نازل ہوں گے تو اس حیثیت سے نازل ہوں گے کہ شریعت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عامل ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبلے کی طرف نماز پڑھیں گے اور آپ کی امت کے افراد میں سے ایک فرد ہوں گے۔

(۵) علامہ تفتازانی ۷۲۲ھ، ۱۳۲۲ء۔ ۷۹۲ھ، ۱۳۹۰ء:

فان قیل قدورد فی الحدیث نزول عیسیٰ بعدہ قلنا نعم لکنه یتابع محمد علیه والسلام لان شریعته قد نسخت فلا یکون الیه وحی ونصب الاحکام بل یکون خلیفة رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

(شرح عقائد نسفی نمبر ۱)

پھر اگر کہا جائے کہ حدیث میں آپ کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کا ذکر آیا ہے تو میں کہوں گا کہ ہاں، مگر وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہوں گے، کیونکہ ان کی شریعت تو منسوخ ہو چکی ہے، اس لیے ان کی طرف نہ وحی ہوگی اور نہ وہ احکام مقرر کریں گے، بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ہوں گے۔

(۶) علامہ ابن حجر عسقلانی ۱۴۴۹ء:

ینزل فیکم حکما ای حاکما والمعنی انه ینزل حاکما بھذہ الشریعة فان ھذہ الشریعة باقیة لا تنسخ بل یکون عیسیٰ حاکما من حکام ھذہ الامته۔

(فتح الباری جلد ۶، ص ۳۱۵)

حدیث کے الفاظ ینزل فیکم حکما کا مطلب یہ ہے کہ وہ حاکم بن کر اتریں گے، یعنی اس شریعت کے مطابق یہ شریعت باقی رہنے والی ہے، منسوخ ہونے والی نہیں ہے بلکہ اس امت کے حاکموں میں سے ایک حاکم ہوں گے۔

دوسری جگہ اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

عند احمد فی قصة الدجال اذ یقال بعیسیٰ تقدم یاروح الله فیقول لیتقدم امامکم فلیصل بکم...فقال ابوالحسن الخسعی فی مناقب الشافعی "تواترات الاخبار بان عیسیٰ یصلی خلف المھدی۔" ذکرہ رد الحدیث عن انس وفیه لا مھدی الا عیسیٰ...وقال ابن الجوزی لو تقدم عیسیٰ امام لوقع فی النفس اشکال ولقیل اتراہ تقدم نائبا او مبتدا شرعا فصلی ماموراً لئلا یتدنس بغبار الشبه وجه قوله صلی الله

علیہ وسلم لانبی بعدی۔ (فتح الباری جلد ۶، ص ۱۱۷)

مسند احمد میں قصہ دجال کے سلسلے میں یہ حدیث آئی ہے کہ ”جب عیسیٰ سے کہا جائے گا کہ آگے بڑھیے اے روح اللہ تو وہ کہیں گے کہ نہیں، تمہارا امام ہی آگے بڑھے اور نماز پڑھائے“...... ابوالحسن خسعی مناقب شافعی میں کہتے ہیں کہ ”متواتر روایات اس بارے میں آئی ہیں کہ عیسیٰ مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔“ ابوالحسن نے یہ ذکر اس حدیث کی تردید کے سلسلے میں کیا ہے جو انس بن مالک سے مروی ہے کہ ”عیسیٰ کے سوا کوئی مہدی نہیں“......اور ابن جوزی لکھتے ہیں کہ اگر عیسیٰ امام کی حیثیت سے آگے بڑھ جائیں تو آدمی کے دل میں یہ الجھن پیدا ہو سکتی ہے کہ یہ نائب کی حیثیت سے آگے بڑھے ہیں۔ یا ایک نئی شریعت لانے والے کی حیثیت سے۔ اس لیے وہ متقدی کی حیثیت سے نماز پڑھیں گے تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول لانبی بعدی کسی شبہ کے غبار سے آلودہ نہ ہونے پائے۔

(۷) علامہ بدرالدین عینی ۸۵۵ء۔ ۱۴۵۱ء:

وفی کتاب الفتن لابی نعیم ”ینزل ابن مریم فیجد خلیفتھم یصلی بھم فیتاخر فیقول للخلیفتہ صل فقد رضی اللہ عنك فانی انما بعثت وزیر ولم ابعث امیرا...لاینزل بشریعۃ متجددۃ بل ینزل علی شریعتہ نبینا محمد ویکون من اتباعہ۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۶، ص ۴۰)

ابونعیم کی کتاب الفتن میں جو حدیث آئی ہے اس میں ہے کہ ”ابن مریم جب اتریں گے تو مسلمانوں کا خلیفہ اس وقت ان کو نماز پڑھا رہا ہوگا۔ خلیفہ پیچھے ہٹنے لگے گا مگر ابن مریم اس سے کہیں گے کہ نہیں تم ہی پڑھاؤ، اللہ تم سے راضی ہے، میں وزیر بنا کر بھیجا گیا ہوں نہ کہ امیر“...... ابن مریم کوئی نئی شریعت لے کر نہ اتریں گے بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر اتریں گے اور آپ کے پیروؤں میں سے ہوں گے۔

(۸) علامہ قسطلانی ۸۵۱ھ/۱۴۴۸ء۔ ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء:

خاتم النبیین ای اخرھم الذی ختمھم اوختموا بہ ولایقدح فیہ نزول عیسیٰ بعدہ لانہ اذا انزل یکون علی دینہ صلی اللہ علیہ وسلم مع ان المراد انہ اخر من نبی۔ (ارشاد الساری جلد ۶، ص ۱۸)

خاتم النبیین، یعنی آخری نبی جس نے سلسلہ انبیا پر مہر لگادی۔ اور اس میں عیسیٰ علیہ السلام کا آپ کے بعد نازل ہونا قادح نہیں ہے کیونکہ جب وہ اتریں گے تو آپ ہی کے دین پر ہوں گے علاوہ بریں خاتم النبیین سے مراد یہ ہے کہ آپ وہ آخری شخص ہیں جسے نبی بنایا گیا۔

(۹) ابن حجر ہتیمی ۹۰۹ھ، ۱۵۰۴ء۔ ۹۷۳ھ، ۱۵۶۵ء:

الذی نص علیه العلماء بل اجمعوا علیه انه یحکم بشریعة محمد صلی الله علیه وسلم وعلی ملته...وفی حدیث ابن عساکر الاان ابن مریم لیس بینی وبینه نبی ولا رسول الاانه خلیفة فی امتی من بعدی وقد صرح السبکی بانه یحکم بشریعة نبینا صلی الله علیه وسلم بالقران والسنة۔

(فتاوی حدیثیہ، ص ۱۲۸۔۱۲۹)

جس بات کو علما نے بصراحت بیان کیا ہے بلکہ جس پر تمام علما کا اجماع ہے وہ یہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے مطابق حکم کریں گے اور آپ ہی کی ملت پر ہوں گے......اور ابن عساکر کی روایت کردہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ "البتہ میرے اور ابن مریم علیہ السلام کے درمیان کوئی رسول اور نبی نہیں ہے اور ابن مریم علیہ السلام جب آئیں گے تو میرے بعد میری امت میں خلیفہ ہوں گے" اور سبکی نے تصریح کی ہے کہ وہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر حکم کریں گے، یعنی قرآن اور سنت کے مطابق۔

(۱۰) شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۹۵۸ھ، ۱۵۵۱ء۔ ۱۰۵۲ھ، ۱۶۴۲ء:

بتحقیق ثابت شدہ است باحادیث صحیحہ کہ عیسیٰ فرود می آید و می باشد تابع دین محمد و حکم می کند، بشریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ جلد ۴۔ صفحہ ۳۷۳)

احادیث صحیحہ سے بتحقیق ثابت ہو چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے مطابق حکم کریں گے۔

(۱۱) علامہ زرقانی ۱۱۶۲ھ:

وعیسیٰ اذانزل یحکم بشرعه...وارادة الله ان لا ینسخ شریعته بل من شرفه نسخها لجمیع الشرائع ولهذا اذا نزل عیسیٰ انما یحکم بها۔

(شرح مواہب اللدنیہ جلد ۳، ص ۱۱۶)

اور عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو آپ ہی کی شرع کے مطابق حکم کریں گے......اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ آپ کی شریعت کو منسوخ نہ کرے' بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کی شریعت تمام شریعتوں کی ناسخ ہے۔اسی لیے جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو اسی کے مطابق حکم کریں گے۔

(۱۲) علامہ شوکانی ۱۲۵۵ھ:

وقدثبت فی الاحادیث الصحیحۃ ان عیسیٰ علیہ السلام ینزل فی اخر الزمان...ویحکم بین العباد بالشریعۃ المحمدیۃ۔ (فتح القدیر)

احادیث صحیحہ میں ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانے میں نازل ہوں گے......اور لوگوں کے درمیان شریعت محمدیہ کے مطابق حکم کریں گے۔

(۱۳) علامہ آلوسی ۱۲۷۰ھ۔ ۱۸۵۳ء:

ثم انہ علیہ السلام حین ینزل باق علیٰ نبوت السابقۃ لم یعزل عنہا بحال لکنہ لایتعبد بہا لنسخہا فی حقہ وحق غیرہ وتکلیفہ باحکام ہذہ الشریعۃ اصلاوفرعافلایکون الیہ علیہ السلام وحی ولانصب احکام بل یکون خلیفۃ الرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحاکمامن حکام ملتہ بین امتہ۔ (روح المعانی' جلد ۲۲' ص ۳۲)

پھر عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو اپنی نبوت پر باقی ہوں گے جو ان کو پہلے مل چکی تھی' بہر حال اس سے معزول نہ ہو جائیں گے مگر وہ اپنی پچھلی شریعت کے پیرو نہ ہوں گے کیونکہ وہ ان کے اور دوسرے سب لوگوں کے حق میں منسوخ ہو چکی ہے اور اب وہ اصول اور فروع میں اسی شریعت کی پیروی پر مکلف ہیں۔لہٰذا ان پر نہ تو وحی ہوگی اور نہ ان کو احکام مقرر کرنے کا اختیار ہوگا بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلیفہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ملت کے حکام میں سے ایک حاکم ہوں گے۔

ضمیمہ نمبر ۴

احادیث درباب ختم نبوت

(۱) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلك نبی خلفہ نبی وانہ لانبی بعدی وسیکون خلفاء۔

(بخاری، کتاب المناقب، باب ماذکر عن بنی اسرائیل)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا حال یہ تھا کہ ان کی قیادت کیا کرتے تھے، جب کوئی نبی مرجاتا تو دوسرا نبی اس کی جانشینی کرتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے بلکہ خلفا ہوں گے۔

(۲) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنیٰ بیتافاحسنہ واجملہ الاموضع لبنۃ من زاویۃ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون ھلاوضعت ھذہ اللبنۃ فاناللبنۃ واناخاتم النبیین۔ (بخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیا کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے تھے مگر کہتے تھے کہ اس اینٹ کی جگہ پُر کیوں نہ کر دی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔''

اسی مضمون کی چار حدیثیں مسلم، کتاب الفضائل، باب خاتم النبیین میں ہیں اور آخری حدیث میں یہ الفاظ زائد ہیں، فجئت وختمت الانبیاء (پس میں آیا اور میں نے انبیا کے سلسلے پر مہر لگا دی) یہی حدیث انہی الفاظ میں ترمذی کتاب المناقب، باب فضل النبی اور کتاب الاداب، باب الامثال میں بھی موجود ہے۔ مسند ابوداؤد وطیالسی میں بھی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایات کے سلسلے میں یہ حدیث درج کی گئی ہے اور اس کے آخری الفاظ یہ ہیں: ختم بی الانبیا (مجھ سے انبیا کے سلسلے پر مہر لگا دی گئی) مسند احمد میں

حضرت ابی بن کعبؓ کی روایات کے سلسلے میں بھی اس مضمون کی ایک حدیث موجود ہے، اگرچہ اس کے الفاظ مختلف ہیں، مگر مضمون یہی ہے (اسی مضمون کی ایک اور حدیث امام احمد نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے روایات میں بھی نقل کی ہے جس کا مضمون یہی ہے۔)

(۳) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجداً وطھوراً وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون۔

(مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ میں یہ حدیث صرف مسلم کے حوالہ باب فضائل سید المرسلین میں درج کی گئی ہے۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے چھ باتوں میں انبیا پر فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جامع و مختصر بات کہنے کی صلاحیت دی گئی۔ رعب کے ذریعے سے میری نصرت فرمائی گئی۔ میرے لیے غنیمت کو حلال کیا گیا۔ میرے لیے زمین کو مسجد بھی بنادیا گیا اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی (یعنی وضو کی جگہ تیمم جائز کیا گیا۔) مجھے تمام دنیا کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ سے انبیا کے سلسلے پر مہر لگادی گئی۔

(۴) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی۔

(ترمذی، کتاب الرویا، باب ذہاب النبوۃ) مسند احمد میں بھی یہ حدیث بسلسلہ مرویات انس بن مالک رضی اللہ عنہ موجود ہے۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رسالت اور نبوت کا سلسلہ اب منقطع ہو چکا ہے۔ میرے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ رسول۔

(۵) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا محمد، وانا احمد، وانا الماحی الذی یمحیٰ بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علیٰ عقبی وانا العاقب، والعاقب الذی لیس بعدہ نبی۔

(بخاری۔ مسلم۔ کتاب الفضائل۔ باب اسماء النبی۔ ترمذی۔ کتاب ال آداب۔ باب اسماء النبی۔ المستدرک للحاکم، کتاب التاریخ، باب اسماء النبی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعے سے کفر کو محو کیا جائے گا، میں حاشر ہوں کہ میرے بعد حشر برپا ہوگا اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔''

(۶) ان اللہ لم یبعث نبیا الا حذر امتہ الدجال وانا اخر الانبیاء وانتم اخر

الامم وھو خارج فیکم لامحالة۔ (ابن ماجہ' کتاب الفتن' باب الدجال)

اللہ نے کوئی نبی نہیں بھیجا جس نے اپنی امت کو دجال کے فتنے سے نہ ڈرایا ہو اور میں نبیوں میں سب سے آخری ہوں اور تم امتوں میں سب سے آخری ہو، لہٰذا اب وہ (یعنی فجال) لامحالہ تمہارے ہی اندر نکلے گا۔

یعنی مجھ سے پہلے انبیا کی امتوں میں سے وہ نہیں نکلا تو اب اس کو تم ہی میں نکلنا ہے۔

(۷) عن عبدالرحمن بن جبیر قال سمعت عبداللہ بن عمرو یقول خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما کالمودع فقال آنا محمد النبی الامی ثلاثا ولا نبی بعدی۔" (مسند احمد' بسلسلہ مرویات عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص)

عبدالرحمن بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مکان سے نکل کر ہمارے سامنے تشریف لائے اور اس انداز سے کہ گویا آپ ہم سے رخصت ہو رہے ہیں، پس یہ فرمایا ''میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی اُمی ہوں (تین بار یہ فقرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دہرایا) اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

(۸) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نبوة بعدی الا المبشرات' قیل وما المبشرات یا رسول اللہ؟ قال الرویا الحسنة او قال الرویا الصالحة۔

(مسند احمد بسلسلہ مرویات ابوالطفیل رضی اللہ عنہ۔ اسی مضمون کی احادیث نسائی اور ابوداؤد میں بھی ہیں۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرے بعد نبوت نہیں ہے صرف بشارت دینے والی باتیں ہیں۔'' عرض کیا گیا وہ بشارت دینے والی باتیں کیا ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ فرمایا ''اچھا خواب'' یا فرمایا ''صالح خواب''

(۹) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب۔

(ترمذی' کتاب المناقب)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتا۔

(۱۰) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انت منی بمنزلة ھارون من موسی الا انه لا نبی بعدی حین خلفه فی غزوة تبوك۔

(مسلم' کتاب فضائل الصحابہ۔ بخاری' کتاب فضائل الصحابہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑتے وقت فرمایا میرے ساتھ تمہاری نسبت وہی ہے جو ہارون کی موسیٰ کے ساتھ تھی' مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

بخاری اور مسلم نے غزوہ تبوک کے سلسلے میں بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ مسند احمد میں اس مضمون کی دو حدیثیں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی مرویات میں درج ہیں جن میں سے ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔ الا انہ لا نبوۃ بعدی یعنی مگر میرے بعد کوئی نبوت نہیں ہے۔

تشریح: محمد بن اسحاق، ابن ہشام، ابوداؤد طیالسی اور امام احمد بن حنبل نے اس سلسلے میں جو روایات نقل کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عورتوں اور بچوں کی خبر گیری کے لیے مدینے میں چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو منافقین نے طرح طرح کی باتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہنی شروع کر دیں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ رہے ہیں؟'' تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''یا علی اما ترضی ان تکون منی بمنزلت ھارون من موسیٰ''

اے علی کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ مجھ سے تم کو وہی نسبت ہو جو موسیٰ علیہ السلام سے ہارونؑ کو تھی۔ یعنی جس طرح حضرت موسیٰؑ نے کوہ طور پر جاتے وقت حضرت ہارونؑ کو بنی اسرائیل کی نگرانی وحفاظت کے لیے چھوڑا تھا اسی طرح میں تم کو مدینے کی حفاظت کے لیے چھوڑ رہا ہوں۔ مگر ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اندیشہ ہوا کہ کہیں بعد میں حضرت ہارون کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تشبیہ دینا کسی فتنے کا موجب نہ بن جائے۔ اس لیے فوراً آپ نے یہ فقرہ ارشاد فرمایا کہ الا انہ لا نبی بعدی یا لا نبوۃ بعدی۔

اس ساتھ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت ہارونؑ کی تشبیہ کے ساتھ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لا نبی بعدی یا لا نبوت بعدی فرمایا تو اس سے یہ اشارہ بھی نکلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تشریعی ہی نہیں بلکہ غیر تشریعی نبوت کا دروازہ بھی بند ہے، کیونکہ حضرت ہارونؑ غیر تشریعی نبی تھے۔ شریعت ان کو نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔

(۱۱) عن ثوبان قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم...وانہ سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔

(ابوداؤد، کتاب الفتن)

ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا......اور یہ کہ میری امت میں تیس بڑے جھوٹے ہوں گے جن میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ابوداؤد نے کتاب الملاعم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے۔ترمذی نے بھی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہؓ کی یہ دونوں حدیثیں روایت کی ہیں اور دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں حتی یبعث دجالون کذابون قریب من ثلثین کلھم یزعم انہ رسول اللہ۔"یہاں تک کہ اٹھیں گے تیس کے قریب دجال جن میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔"

(۱۲)قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقد کان فیمن کان قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیران یکونوا انبیاء فان یکن من امتی احد فعمر۔ (بخاری، کتاب المناقب)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو بنی اسرائیل گزرے ہیں ان میں ایسے لوگ تھے جن سے کلام کیا جاتا تھا بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں۔اگر میری امت میں سے کوئی ہوا تو عمر ہوگا۔

مسلم میں اس مضمون کی جو حدیث ہے اس میں یکلمون کے بجائے محدثون کا لفظ ہے مگر مکلم اور محدث کے معنی ایک ہی ہیں۔)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی ہی نہیں مکلم اور محدث بھی اب کوئی نہیں ہوسکتا۔اگر ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوتے یا ہوئے ہوں گے۔

(۱۳)قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نبی بعدی ولا امتہ بعد امتی۔
(بیہقی، کتاب الرویا، طبرانی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کوئی امت (یعنی کسی نبی کی امت) نہیں۔

(۱۴)فانی اخر الانبیاء وان مسجدی اخر المساجد۔ (شرح مسلم نووی، جلد ۹، ص ۱۶۴)
میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد آخری مسجد (یعنی آخری مسجد نبوی ہے۔)

ضمیمہ نمبر(۵)

(آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کی تفسیر میں تیسری صدی ہجری سے تیرھویں صدی ہجری تک کے تمام اکابر مفسرین کے اقوال)

(۱) علامہ ابن جریر طبری (۲۲۴ھ/۸۳۹ء۔۳۱۰ھ/۹۲۳ء)

ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین الذی ختم النبوۃ فطبع علیھا فلا تفتح لا حد بعدہ الی قیام الساعۃ...واختلفت القراء فی قراۃ قولہ وخاتم النبیین فقرا ذٰلک قراء الامصار سوی الحسن وعاصم بکسر التاء من خاتِم النبیین...وقراء ذلک فیما یذکر الحسن وعاصم خاتَم النبیین بفتح التاء بمعنی انہ اخر النبیین۔ (جلد ۲۲، صفحہ ۱۲۔۱۳)

مگر وہ اللہ کا رسول ہے اور خاتم النبیین ہے۔''یعنی جس نے نبوت کو ختم کر دیا اور اس پر مہر لگا دی کہ اس کے بعد قیامت تک وہ کسی کے لیے نہ کھلے گی......اور لفظ خاتم النبیین کی قرات میں قاریوں کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔حسن اور عاصم کے سوا تمام ممالک کے قاریوں نے اس کو خاتِم النبیین بالکسر پڑھا ہے اس معنی میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیوں کے سلسلے پر مہر لگا دی......اور جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے حسن اور عاصم نے اس کو خاتَم النبیین بالفتح پڑھا ہے اس معنی میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔

(۲) محی السنہ بغوی، صاحب ''معالم التنزیل'' متوفی ۵۱۰ء۔

ختم اللہ بہ النبوۃ فھو خاتمھم...وتروی عن ابن عباس ان اللہ تعالیٰ حکم ان لا نبی بعدہ۔ (جلد ۳، صفحہ ۳، ص ۱۵۸)

اللہ نے آپ کے ذریعہ سے نبوت کو ختم کیا پس آپ انبیا کے خاتم ہیں......اور ابن عباس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۳) علامہ زمخشری صاحب

تفسیر کشاف ۴۶۷ھ/۱۰۷۵ء۔۵۳۸ھ/۱۱۴۴ء

فان قلت کیف کان اخر الانبیاء وعیسیٰ ینزل فی اخر الزمان قلت معنیٰ کونہ اخر الانبیاء انہ لاینبا احد بعدہ وعیسیٰ ممن نبی قبلہ وحین ینزل ینزل عاملا علی شریعۃ محمد مصلیا الیٰ قبلتہ کانہ بعض امتہ۔ (جلد ۲،ص ۲۱۵)

اگر تم کہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی کیسے ہوئے جب کہ عیسیٰ آخری زمانے میں نازل ہوں گے؟ تو میں کہوں گا کہ آپ کا آخری نبی ہونا اس معنی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ بنایا جائے گا اور عیسیٰ ان لوگوں میں سے ہیں جو آپ سے پہلے نبی بنائے جا چکے تھے' اور جب وہ نازل ہوں گے تو شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنے والے اور آپ کے قبلے کی طرف نماز پڑھنے والے بن کر نازل ہوں گے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے ایک فرد ہیں۔''

(۴) امام رازی' صاحب تفسیر کبیر ۵۴۳ھ/ ۱۱۴۹ء۔ ۶۰۶ھ/ ۱۲۰۹ء۔

وخاتم النبیین وذلک لان النبی الذی یکون بعدہ نبی ان ترک شیئًا من النصیحۃ والبیان یستدرکہ من یاتی بعدہ واما من لانبی بعدہ یکون اشفق علیٰ امتہ واھدی لھم واجدی اذھو کالدلولدہ لیس لہ غیرہ من احد۔

(جلد ۶،ص ۵۸۱)

اس سلسلہ بیان میں ''اور خاتم النبیین'' اس لیے فرمایا کہ جس نبی کے بعد کوئی دوسرا نبی ہو وہ اگر نصیحت اور توضیح احکام میں کوئی کسر چھوڑ جائے تو اس کے بعد آنے والا نبی اس کسر کو پورا کر دیتا ہے' مگر جس کے بعد کوئی نبی آنے والا نہ ہو وہ اپنی امت پر زیادہ شفیق ہوتا ہے اور اس کو زیادہ واضح ہدایات دیتا ہے، کیونکہ اس کی مثال ایسے باپ کی ہوتی ہے جو ایسے بیٹے کا باپ ہے جس کا کوئی ولی وسرپرست اس باپ کے سوا نہیں ہے۔

(۵) قاضی بیضاوی' صاحب تفسیر ''انوار التنزیل'' متوفی ۶۸۵ھ/ ۱۲۸۲ء۔

ای اخرھم الذی ختمھم اوختموا۔ ولایقدح فیہ نزول عیسیٰ بعدہ لانہ اذانزل کان علی دینہ۔ (جلد ۴'صفحہ ۱۶۴)

یعنی آپ انبیا میں سب سے آخری ہیں جس نے ان پر مہر کر دی یا جس سے وہ مہر کیے گئے اور عیسیٰ کا آپ کے بعد نازل ہونا اس میں قادح نہیں ہے، کیونکہ جب وہ نازل ہوں گے تو آپ ہی کے دین پر ہوں گے۔

(۶) حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی

صاحب ''مدارک التنزیل'' متوفی ۷۱۰ھ/ ۱۳۱۰ء۔

وخاتم النبیین...ای اخرھم یعنی لاینبأ احد بعدہ وعیسیٰ ممن نبی قبلہ وحین ینزل عاملاً علیٰ شریعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانہ بعض امتہ۔ (ص ۴۷۱)

وخاتم النبیین ......یعنی انبیا میں سب سے آخری نبی یعنی آپ کے بعد کوئی اور شخص نبی نہ بنایا جائے گا۔ رہے عیسیٰ تو وہ آپ سے پہلے نبی بنائے جاچکے تھے اور جب وہ نازل ہوں گے تو شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر عامل ہوں گے' گویا کہ وہ آپ کی امت ہی کے ایک فرد ہیں۔

(۷) علاؤ الدین علی بن محمد بغدادی صاحب تفسیر ''خازن''

وخاتم النبیین ختم اللہ بہ النبوۃ فلا نبوۃ بعدہ ولا معہ...وکان اللہ بکل شیءٍ علیما ای دخل فی علمہ ان لانبی بعدہ۔ (ص ۴۷۱-۴۷۲)

وخاتم النبیین' یعنی اللہ نے آپ ﷺ سے نبوت ختم کردی' پس نہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبوت ہے اور نہ آپ کے ساتھ کسی اور کی نبوت...... وکان اللہ بکل شیءٍ علیما یعنی یہ بات اللہ کے علم میں ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۸) علامہ ابن کثیر دمشقی' صاحب تفسیر شہور' متوفی ۷۷۴ھ۔

فھٰذہ الایۃ نص فی انہ لانبی بعدہ واذا کان لانبی بعدہ فلا رسول بالطریق الاولیٰ والاخریٰ لان مقام الرسالۃ اخص من مقام النبوۃ فان کل رسول نبی ولا ینعکس۔ (جلد ۳-ص ۴۹۳)

پس یہ آیت اس باب میں نص ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں تو رسول تو بدرجہ اولیٰ نہیں ہے۔ کیونکہ مقام رسالت بہ نسبت مقام نبوت کے اخص ہے، ہر رسول نبی ہوتا ہے اور اس کے برعکس ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔

(۹) علامہ جلال الدین سیوطی' صاحب ''تفسیر جلالین'' متوفی ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء

وکان اللہ بکل شئی علیما ای علیما بان لانبی بعدہ واذا نزل عیسیٰ یحکم

بشریعتہ۔ (ص ۷۶۸)
یعنی اللہ اس بات کو جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، اور عیسیٰؑ جب نازل ہوں گے تو آپ کی شریعت کے مطابق حکم کریں گے۔

(۱۰) شیخ اسماعیل حقی، صاحب تفسیر ''روح البیان'' متوفی ۱۱۳۷ھ۔

وخاتم النبیین قراء عاصم بفتح التاء وھو آلۃ الختم بمعنی مایختم بہ کالطابع بمعنی مایطبع بہ والمعنی وکان اخرھم الذی ختموا بہ وبالفارسیۃ مہر پیغمبراں یعنی بدو مہر کردہ شد در نبوت وپیغمبراں را بدو ختم کردہ اند وقرا الباقون بکسر التاء ای کان خاتمھم ای فاعل الختم بالفارسیہ مہر کنندہ پیغمبر اناست وھو بالمعنی الاول...فکانت علماء امۃ ورثۃ علیہ السلام من جھۃ الولایۃ وانقطع ارث النبوۃ بختمیۃ ولایقدح فی کونہ خاتم النبیین نزول عیسیٰ بعدہ لان معنی کونہ خاتم النبیین انہ لاینبأ بعدہ احد کما قال لعلی انت منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ الا انہ ''لانبی بعدی'' وعیسیٰ ممن تنبا قبلہ وحین ینزل انما ینزل علی شریعۃ محمد علیہ السلام مصلیا الیٰ قبلتہ کانہ بعض امتہ فلایکون الیہ وحی ولا نصب احکام بل یکون خلیفۃ رسول اللہ (جلد ۲۲، صفحہ ۱۸۸)

وخاتم النبیین، عاصم نے اس کو ''ت'' کی فتح کے ساتھ پڑھا ہے جس کے معنی ہیں آلہ ختم کے جس سے مہر کی جاتی ہے جیسے طابع اس چیز کو کہتے ہیں جس سے ٹھپہ لگایا جائے، مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیا میں سب سے آخر تھے جن سے نبیوں پر مہر لگائی گئی۔ فارسی میں اسے ''مہر پیغمبراں'' کہیں گے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نبوت کے دروازے پر مہر لگا دی گئی اور پیغمبروں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ باقی قاریوں نے اس لفظ کو ''ت'' کی کسر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی آپ خاتم بمعنی فاعل ختم تھے۔ فارسی میں اس کو ''مہر کنندۂ پیغمبراں'' کہیں گے۔ اس طرح یہ لفظ بھی خاتم ہی کا ہم معنی ہے......پس آپ کی اُمت کے علما ولایت کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہیں۔ اور آپ کی غنیمت سے نبوت کی میراث منقطع ہو چکی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد عیسیٰ (علیہ السلام) کا نزول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے میں قادح نہیں ہے، کیونکہ آپ کے

خاتم النبیین ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ بنایا جائے گا جیسا کہ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا ''تم میرے ساتھ وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارونؑ کی موسیٰؑ کے ساتھ تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔'' اور عیسیٰؑ ان لوگوں میں سے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے نبی ہوئے تھے۔ اور جب وہ نازل ہوں گے تو شریعت محمد علیہ السلام پر نازل ہوں گے اور آپ کے قبلے کی طرف نماز پڑھیں گے، گویا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے افراد میں سے ہیں پس ان کی طرف نہ وحی ہوگی نہ وہ نئے احکام قائم کریں گے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ہوں گے۔

(۱۱) علامہ شوکانی، صاحب تفسیر ''فتح القدیر'' متوفی ۱۲۵۵ھ

قراء الجمهور خاتم بكسر التاء وقراء عاصم بفتح تاومعنى القراة الاولىٰ انه ختمهم اى جاء اخرهم ومعنى القراة الثانية انه صار كالخاتم لهم الذى يختمون به ويتزينون بكونه منهم (جلد ۴، ص ۲۷۵)

جمہور نے اس لفظ کو خاتم ''ت'' کی کسر کے ساتھ پڑھا ہے اور عاصم نے ''ت'' کے فتح کے ساتھ (خاتم) پہلی قرات کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انبیا پر مہر کردی، یعنی سب کے آخر میں آئے اور دوسری قرات کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لیے مہر کی طرح ہوگئے جس کے ذریعہ سے ان پر مہر کی گئی اور جس کے شمول سے انبیا کا گروہ مزین ہوا۔

(۱۲) علامہ آلوسی بغدادی

صاحب تفسیر ''روح المعانی'' متوفی ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۳ء

والمراد بالنبى ماهواعم من الرسول فيلزم من كونه صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين كونه خاتم المرسلين والمراديكون عليه السلام خاتمهم انقطاع حدوث وصف النبوة فى احد من الثقلين بعد تحليه عليه السلام بها فى هذه النشاة (جلد ۲۲، ص ۲۳)

لفظ نبی بہ نسبت رسول کے عام ہے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے سے لازم آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم المرسلین بھی ہوں اور ان کے خاتم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس زندگی میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبوت سے آراستہ ہوجانے کے بعد اب جن وانس میں سے کسی شخص کے اندر ازسرنو وصف نبوت پیدا نہ ہوگا۔

☆......☆......☆......☆......☆

ضمیمہ نمبر ٦

عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت اور مدعی نبوت کی تکفیر کے باب میں علما اُمت کے اقوال

(١) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (٨٠ھ۔١٥٠ھ)

وتنبارجل فی زمن ابی حنیفة وقال امهلونی حتیٰ اجی بالعلامات فقال ابوحنیفة من طلب منه علامة فقد كفر لقوله علیه السلام لانبی بعدی۔

روح البیان (جلد ٢٢،ص ١٨٨ومناقب الامام اعظم لابن احمد مکی،متوفی ٥٦٨ھ)

ایک شخص نے امام ابوحنیفہؒ کے زمانے میں نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ مجھے موقع دو کہ میں اپنی نبوت کی علامات پیش کروں۔اس پر امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ جو شخص اس سے علامات کا مطالبہ کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(٢) علامہ ابن حزمؒ (٣٨٤ھ ٩٩٤ء۔٤٥٦ھ۔١٠٦٤ء)

وان الوحی قد انقطع مذمات النبی صلی الله علیه وسلم، برهان ذٰلك ان الوحی لا یکون الا الی نبی وقد قال عزوجل ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبیین۔ (المحلی جلد ا ص ٢٦)

اور یقیناً وحی کا سلسلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سے منقطع ہو چکا ہے۔دلیل اس کی یہ ہے کہ وحی نہیں ہوتی مگر ایک نبی کی طرف اور اللہ عزوجل فرما چکا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں تم میں سے کسی کے باپ مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم ہیں نبیوں کے۔

(٣) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (٤٥٠ھ۔١٠٥٨ء۔٥٠٥ھ۔١١١١ء)

ان الامة فهمت بالاجماع من هذا اللفظ انه افهم عدم نبی بعده ابدا اوعدم رسول بعده ابداوانه لیس فی تاویل ولا تخصیص ومن اوله بتخصیص فکلامه من انواع الهذیان لا یمنع الحکم بتکفیر لانه مکذب هذا النص اجمعت الامة علی انه غیر ماؤل ولا مخصوص۔

(الاقتصاد فی الاعتقاد،ص ١١٣)

امت نے اس لفظ (لا نبی بعدی) سے بالاجماع یہ سمجھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ بتادیا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کبھی نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول۔ اور یہ کہ اس میں کسی تاویل اور تخصیص کی گنجائش نہیں ہے جو شخص اس کی تاویل کر کے اسے خاص معنی کے ساتھ مخصوص کرے اس کا کلام مجنونانہ بکواس کی قسم سے ہے اور یہ تاویل اس پر تکفیر کا حکم لگانے میں مانع نہیں ہے کیونکہ وہ اس نص کو جھٹلا رہا ہے جس کے متعلق تمام امت کا اجماع ہے کہ اس کی تاویل و تخصیص نہیں کی جاسکتی۔

(۴) قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ۔۱۱۴۹ء)

ومن ادعی النبوۃ لنفسه اوجوز اکتسابها والبلوغ بصفاء القلب الی مرتبتها کالفلاسفة وغلاۃ والمتصوفة و کذٰلك من ادعی منهم انه یوحیٰ الیه وان لم یدعی النبوۃ...فهولاء کلهم کفار مکذبون للنبی صلی الله علیه وسلم لانه اخبر صلی الله علیه وسلم انه خاتم النبیین لانبی بعده واخبر عن الله تعالیٰ انه خاتم النبیین وانه ارسل کافة للناس واجمعت الامة علی حمل هذا الکلام علی ظاهره وان مفهومه والمراد به دون تاویل ولا تخصیص فلاشك فی کفر هولاء الطوائف کلها قطعا اجماعا وسمعا... و کذٰلك من ادعی نبوۃ احد مع نبینا صلی الله علیه وسلم اوبعده

(شفاء جلد ۲، صفحہ ۲۷۰،۲۷۱)

جو شخص خود اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرے یا جو نبوت کے اکتساب اور صفائی قلب کے ذریعہ سے مرتبہ نبوت تک پہنچ جانے کو جائز رکھے جیسا کہ فلسفی لوگ اور غالی متصوفین کہتے ہیں اور اسی طرح جو دعویٰ کرے کہ اس پر وحی آتی ہے اگرچہ نبی ہونے کا دعویٰ نہ کرے ...... ایسے سب لوگ کافر ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی تکذیب کرنے والے ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں کوئی نبی آپ ﷺ کے بعد آنے والا نہیں اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں جنھیں تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے اور تمام اُمت کا اس بات پر اجتماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس مفہوم و مراد میں تاویل و تخصیص کی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا ان تمام لوگوں کے کفر میں شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، بربنائے اجماع بھی اور بربنائے نقل بھی...... اور اسی طرح وہ بھی کافر ہے جو نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کی نبوت کا قائل و مدعی ہو۔

(۵) علامہ شہرستانی (۵۴۸ھ۔ ۱۱۵۳ء)

و کذالك من قال ...او ان بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا غیر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام فانہ لا یختلف اثنان فی تکفیرہ

(الملل والنحل، جلد ۳، ص ۲۴۹)

اور اسی طرح جو کہے...... یا یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد عیسیٰ ابن مریم کے سوا کوئی نبی ہے تو اس کی تکفیر میں دو آدمیوں کے درمیان بھی اختلاف نہیں ہے۔

(۶) علامہ ابن کثیر (۷۷۴ھ۔ ۱۳۷۳ء)

ان کل من ادعی هذا المقام بعدہ فهو کذاب افاك دجال ضال مضل۔

(تفسیر القرآن جلد ۳، ص ۴۹۴)

ہر وہ شخص جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس مقام (نبوت) کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا، مفتری، دجال، گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔

(۷) علامہ ابن نجیم (۹۷۰ھ۔ ۱۵۶۲ء)

اذالم یعرف ان محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات (الاشباہ والنظائر، کتاب السیر، باب الردۃ) (ص ۱۷۹)

اگر آدمی یہ نہ سمجھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ان باتوں میں سے ہے جن کا جاننا اور ماننا دین میں ضروری ہے۔

(۸) ملا علی قاری (۱۰۱۶ھ)

ودعویٰ النبوۃ بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع۔

(شرح فقہ اکبر، ص ۲۰۲)

اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کفر ہے باجماع اُمت۔

شیخ اسماعیل حقی (۱۱۳۷ھ۔ ۱۷۲۴ء)

وقال اهل السنة والجماعت لا نبی بعد نبینا لقولہ تعالیٰ ولکن رسول اللہ

و خاتم النبیین وقوله علیه السلام لانبی بعدی ومن قال بعد نبینانبی یکفر ولانه انکرالنص و کذلك لوشك فیه لان الحجة تبین الحق من الباطل ومن ادعی النبوة بعدموت محمدلایکون دعوٰه الاباطلا۔

(روح البیان جلد ۲۲، ص ۱۸۸)

اہل سنت والجماعۃ اس بات کے قائل ہیں کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اب جو کوئی کہے کہ ہمارے نبی کے بعد کوئی نبی ہے تو اس کی تکفیر کی جائے گی کیونکہ اس نے نص کا انکار کیا۔ اسی طرح اس شخص کی تکفیر بھی کی جائے گی جو اس میں شک کرے۔ کیونکہ حجت نے حق کو باطل سے الگ کر دیا ہے اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے اس کا دعویٰ باطل کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

(۱۰) فتاویٰ عالمگیری (بارھویں صدی ہجری):

اذا لم یعرف الرجل ان محمدصلی الله علیه وسلم اخر الانبیاء فلیس بمسلم ولو قال انا رسول الله اوقال بالفارسیته من پیغمبرم یریدبه من پیغمبرم می برم یکفر۔ (جلد ۲، ص ۲۶۳)

اگر آدمی یہ نہ جانے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ اور اگر کہے کہ میں رسول اللہ ہوں یا فارسی میں کہے کہ من پیغمبرم اور اس کی مراد یہ ہو کہ وہ پیغام لانے والا ہے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔

(۱۱) علامہ آلوسی (۱۲۷۰ھ۔ ۱۸۵۳ء)

و کونه صلی الله علیه وسلم خاتم النبیین مما نطق به الکتاب وصدعت به السنة واجمعت علیه الامته فیکفر مدعی خلافه ویقتل ان اصر۔

(روح المعانی جلد ۲۲، ص ۳۹)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا ان باتوں میں سے ہے جن کی کتاب اللہ نے تصریح کی اور سنت نے واشگاف بیان کیا اور اُمت نے اس پر اجماع کیا، لہٰذا اس کے خلاف دعویٰ کرنے والے کی تکفیر کی جائے گی اور اگر اصرار کرے تو قتل کیا جائے گا۔

ضمیمہ نمبر(۷)

(مرزا غلام احمد صاحب کی تحریک کے مختلف مراحل، ان میں مرزا صاحب کے مختلف دعوے اور قادیانی عقیدہ وعمل پر ان دعووں کے اثرات)

مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۸۰ء میں ایک مبلغ اور مناظر اسلام کی حیثیت سے مسلمانوں میں نمودار ہوئے۔ اس وقت سے لے کر اپنی وفات (۲۶ مئی ۱۹۰۸ء) تک اپنی زندگی کے مختلف مراحل میں انھوں نے جن عقائد اور خیالات کا اظہار کیا ان کو بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان مراحل کو تاریخی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کر دیں تا کہ ہر مرحلے کے بیانات سے ان کا فرق اچھی طرح سمجھا جا سکے۔

تاریخی ترتیب:

(۱) ۱۸۸۰ء تا ۱۸۸۸ء: اس دور میں مرزا صاحب محض ایک مبلغ اسلام اور غیر مسلم حملہ آوروں کے مقابلے میں اسلام کی مدافعت کرنے والے مناظر تھے۔ ان کو پورا اصرار تھا کہ ان کے عقائد تمام مسائل میں وہی ہیں جو عام مسلمانوں کے ہیں۔ اگرچہ ان کی تحریروں میں طرح طرح کے مخفی دعوے دیکھ کر مسلمان کھٹکتے تھے، مگر مرزا صاحب اپنے اقوال کی توجیہات کر کے مسلمانوں کو مطمئن کر دیتے تھے۔

(۲) دسمبر ۱۸۸۸ء میں انھوں نے بیعت کے لیے اشتہار دیا اور ۱۸۸۹ء کے آغاز سے بیعت لینی شروع کی۔ اس وقت انھوں نے صرف ''مجدد وقت'' اور ''مامور من اللہ'' ہونے کا دعویٰ کیا اور مسیح علیہ السلام سے اس بنا پر اپنی مماثلت ظاہر کی کہ جس فروتنی اور مسکینی کی حالت میں وہ تھے، اسی حالت میں مرزا صاحب بھی دعوت وتبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں عام مسلمان مرزا صاحب کے متعلق اچھے خیالات رکھتے تھے۔ البتہ یہ دیکھ کر کھٹکتے تھے کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو تمام اولیائے اُمت سے افضل کہتے تھے۔

(سیرۃ المہدی مصنف صاحب زادہ بشیر احمد صاحب حصہ اول صفحہ ۱۴۔۳۱۔۸۹، تبلیغ رسالت جلد اول ص ۱۱۔ ۱۲ و ۱۵)

(۳) ۱۸۹۱ء میں انھوں نے مسیح علیہ السلام کی موت کا اعلان اور خود مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا دعویٰ کیا جس سے مسلمانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ (سیرۃ المہدی صفحہ ۳۱، ۸۹) اس دور کے آغاز میں مرزا صاحب خود لکھتے ہیں کہ ''پھر میں تقریباً بارہ برس تک جو ایک زمانہ دراز ہے، بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شد و مد سے براہین (یعنی براہین احمدیہ) میں مسیح موعود قرار دیا ہے اور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کے رسمی عقیدے پر جما رہا۔ جب بارہ برس گزر گئے تب وہ وقت آیا کہ میرے پر اصل حقیقت کھول دی جائے۔ تب تواتر سے اس بارے میں الہامات شروع ہوئے کہ تو ہی مسیح موعود ہے۔'' (اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح صفحہ ۷) دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''اگر چہ خدا نے براہین احمدیہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور یہ بھی مجھے فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دی تھی مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اس اعتقاد پر جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر سے نازل ہوں گے اس لیے میں نے خدا کی وحی کے ظاہر پر عمل کرنا نہ چاہا بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اپنا اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اسی کو براہین احمدیہ میں شائع کیا۔ لیکن بعد اس کے اس بارے میں بارش کی طرح وحی نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا ہے تو ہی ہے۔'' (حقیقۃ الوحی، ص ۱۴۹)

(۴) ۱۹۰۰ء میں مرزا صاحب کے خاص خاص مریدوں نے ان کو صاف صاف نبی کہنا شروع کیا اور ان کو وہی حیثیت دینی شروع کر دی جو قرآن کی رو سے انبیا علیہم السلام کی ہے۔ مرزا صاحب کبھی ان کے اس قول کی تصدیق و تائید کرتے تھے اور کبھی نبوت کے الفاظ کی توجیہ ناقص نبی، جزوی نبی، محدث وغیرہ الفاظ سے کر کے ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے تھے جو نبوت کے دعوے پر ایمان لانے میں متامل تھے۔ اس دور میں ۷/ اگست ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب کے ایک مرید خاص مولوی عبدالکریم صاحب نے خود مرزا صاحب کی موجودگی میں ایک خطبہ جمعہ پڑھا جس میں انھوں نے احمدیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ''اگر تم مسیح موعود کو ہر ایک امر میں حکم نہیں ٹھہراؤ گے اور اس پر ایمان نہیں لاؤ گے

جیسا کہ صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے تو تم بھی ایک گونہ غیر احمدیوں کی طرح اللہ کے رسولوں میں تفریق کرنے والے ہو گے۔'' مرزا صاحب نے جمعہ کے بعد ان الفاظ میں اس کی توثیق کی کہ ''یہ بالکل میرا مذہب ہے جو آپ نے بیان کیا۔'' (کلمۃ الفصل، صاحبزادہ بشیر احمد صاحب، صفحہ ۱۶۷) مگر اس توثیق کے باوجود مرزا صاحب خود نبوت کے صریح دعوے سے مجتنب رہے۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے بقول اس زمانہ میں مرزا صاحب کا عقیدہ یہ تھا کہ آپ کو حضرت مسیح پر جزوی فضیلت ہے اور آپ کو جو نبی کہا جاتا ہے تو یہ ایک قسم کی جزوی نبوت ہے اور ناقص نبوت۔ (القول الفصل، ص ۲۴)۔ نیز مزید توضیح کے لیے ملاحظہ ہو۔ (منکرین خلافت کا انجام از جلال الدین صاحب شمس، ص ۱۹)

(۵) ۱۹۰۱ء میں مرزا صاحب نے اپنے نبی اور رسول ہونے کا صاف صاف اعلان کیا اور اپنی اکثر تحریروں میں اس نبوت و رسالت کو ''ناقص''، ''جزوی'' اور ''محدثیت'' وغیرہ الفاظ سے محدود کرنا ترک کر دیا۔ (سیرۃ المہدی حصہ اول، ص ۳۱) جلال الدین شمس اپنی کتاب ''منکرین خلافت کا انجام'' میں اس کے متعلق یہ تشریح کرتے ہیں کہ ''۱۹۰۱ء سے پہلے کی بعض تحریرات میں حضرت اقدس (یعنی مرزا صاحب) نے اپنے نبی ہونے سے انکار کیا اور لکھا کہ آپ نبی نہیں بلکہ محدث ہیں لیکن ۱۹۰۱ء کے بعد کی تحریرات میں آپ نے اپنی نبوت کو نہ جزئی قرار دیا نہ ناقص، نہ محدثیت والی نبوت، بلکہ صاف الفاظ میں اپنے آپ کو نبی لکھتے رہے۔'' (صفحہ ۱۹) اسی کے متعلق مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب فرماتے ہیں ''۱۹۰۱ء میں اپنے عقیدے میں تبدیلی کی ہے اور ۱۹۰۰ء ایک درمیانی عرصہ ہے جو دونوں خیالات کے درمیان برزخ کے طور پر حد فاصل ہے...... پس یہ ثابت ہے کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کے حوالے، جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے، اب منسوخ ہیں اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے۔'' (حقیقۃ النبوت، ص ۱۲۱)

(۶) ۱۹۰۴ء میں مرزا صاحب نے منجملہ اور دعاوی کے ایک دعویٰ یہ بھی کیا کہ وہ کرشن ہیں۔ (لیکچر سیالکوٹ از مرزا صاحب، مورخہ ۲ نومبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۳۴)

ان مختلف مراحل میں مرزا صاحب نے ان مسائل کے متعلق جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان مابہ النزاع رہے ہیں، کیا بیانات دیئے اور ان کی جماعت کا کیا موقف رہا، اس کو ہم علیحدہ علیحدہ عنوانات کے تحت ذیل میں درج کرتے ہیں۔

ابتدائی عقیدہ ختم نبوت:

(۷) ختم نبوت کے متعلق مرزا صاحب کا ابتدائی عقیدہ وہی تھا جو تمام مسلمانوں کا ہے، یعنی یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، چنانچہ وہ اپنی متعدد کتابوں میں اس کی یوں تصریح کرتے ہیں:

۱۔ ''کیا تو نہیں جانتا کہ پروردگار رحیم و صاحب فضل نے ہمارے نبیؐ کا بغیر استثنا کے خاتم النبیین نام رکھا اور ہمارے نبی نے اہل طلب کے لیے اس کی تفسیر اپنے قول لا نبی بعدی میں واضح طور پر فرمادی اور اگر ہم اپنے نبی اکرمؐ کے بعد کسی نبی کا ظہور جائز قرار دیں تو گویا ہم باب وحی بند ہو جانے کے بعد اس کا کھلنا جائز قرار دیں گے اور یہ صحیح نہیں جیسا کہ مسلمانوں پر ظاہر ہے اور ہمارے رسول اللہؐ کے بعد نبی کیونکر آسکتا ہے درآنحالیکہ آپؐ کی وفات کے بعد وحی منقطع ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر نبیوں کا خاتمہ فرمادیا۔''

(حمامۃ البشریٰ، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۳۴)

۲۔ ''آنحضرتؐ نے بار بار فرمایا تھا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور حدیث لا نبی بعدی ایسی مشہور تھی کہ کسی کو اس کی صحت میں کلام نہ تھا اور قرآن شریف جس کا لفظ لفظ قطعی ہے، اپنی آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین سے بھی اس بات کی تصدیق کرتا تھا کہ فی الحقیقت ہمارے نبیؐ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔''

(کتاب البریہ، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۱۷۴)

۳۔ ''کوئی شخص بحیثیت رسالت ہمارے نبی اکرمؐ کے بعد ہرگز نہیں آسکتا۔''

(ازالہ اوہام، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۵۷۷)

۴۔ ''قرآن کریم بعد خاتم النبیین کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا، خواہ وہ نیا ہو یا

پرانا۔“　　(ازالہ اوہام، ص ۷۶۱)

۵۔ ”پس یہ کس قدر جرأت اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالات رکیکہ کی پیروی کر کے نصوص صریحہ قرآن کو عمداً چھوڑ دیا جائے اور خاتم الانبیا کے بعد ایک نبی کا آنا مان لیا جائے۔“　　(ایام الصلح، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۱۴۶)

۶۔ ”میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے، ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا ومولانا محمد ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت ورسالت کو کافر اور کاذب جانتا ہوں۔“ (اشتہار مورخہ ۲/۱ اکتوبر ۱۸۹۱ء از مرزا صاحب مندرجہ تبلیغ رسالت، جلد دوم ص ۲)

۷۔ ”اب میں مفصلہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ خدا (جامع مسجد دہلی) میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیا کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔“

(تحریری بیان از مرزا غلام احمد صاحب جو ۲۳ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو جامع مسجد دہلی میں پڑھا گیا۔
مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ ۴۴)

(ب) ابتدائی دعوؤں کی توجیہات:

(۸) مرزا صاحب کی جن تحریرات سے مسلمانوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہوا تھا کہ وہ نبوت کے مدعی ہیں یا دعویٰ کرنے والے ہیں، ان کی حسب ذیل توجیہات کر کے ابتداًوہ مسلمانوں کو مطمئن کرتے رہے۔“

۱۔　ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اور آنحضرتؐ کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور وحی نبوت نہیں بلکہ وہ وحی ولایت، جو زیر سایہ نبوت محمدیہ اور باتباع آں حضرت محمدؐ اولیاء اللہ کو ملتی ہے، اس کے ہم قائل ہیں...... غرض نبوت کا دعویٰ اس طرف بھی نہیں صرف ولایت اور مجددیت کا دعویٰ ہے۔

(اشتہار از مرزا غلام احمد صاحب، مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ۶ ص ۳۰۲)

۲۔ ''یہ عاجز نہ نبی ہے اور نہ رسول ہے، صرف اپنے نبی معصوم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ادنیٰ خادم اور پیرو ہے۔''

(ارشاد مرزا غلام احمد صاحب مندرجہ قمر الہدیٰ، مولفہ قمر الدین صاحب جہلمی، ص ۵۸)

۳۔ ''یہ سچ ہے کہ وہ الہام جو خدا نے اس بندے پر نازل فرمایا اس میں اس بندے کی نسبت نبی اور رسول اور مرسل کے لفظ بکثرت موجود ہیں۔ سو یہ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں ......ہم اس بات کے قائل اور معترف ہیں کہ نبوت کے حقیقی معنوں کی رو سے بعد آنحضرتؐ نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے اور نہ پرانا۔ قرآن ایسے نبیوں کے ظہور سے مانع ہے۔ مگر مجازی معنوں کی رو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یا رسول کے لفظ سے یاد کرے۔

(سراج منیر، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۳۰۲)

۴۔ ''اگرچہ عرصہ بیس سال سے متواتر اس عاجز کو الہام ہوا ہے اکثر دفعہ ان میں رسول یا نبی کا لفظ آگیا ہے، لیکن وہ شخص غلطی کرتا ہے جو ایسا سمجھتا ہے کہ اس نبوت اور رسالت سے مراد حقیقی نبوت اور رسالت ہے......سو چونکہ ایسے لفظوں سے جو محض استعارے کے رنگ میں ہیں، اسلام میں فتنہ پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ سخت بد نکلتا ہے، اس لیے اپنی جماعت کی معمولی بول چال اور دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں آنے چاہییں۔

مرزا صاحب کا خط مندرجہ اخبار۔ الحکم قادیان، مورخہ ۱۷/ اگست ۱۸۹۹ء۔ منقول از مسیح موعود اور ختم نبوت، مولوی محمد علی صاحب ایم اے، ص ۴)

۵۔ ''میں نبی نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے محدث اور اللہ کا کلیم ہوں۔''

(آئینہ کمالات اسلام، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۳۸۳)

۶۔ میں نے ہرگز نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ میں نے انہیں کہا ہے کہ میں نبی ہوں لیکن ان لوگوں نے جلدی کی اور میرے قول کے سمجھنے میں غلطی کی ......میں نے لوگوں سے سوائے اس کے جو میں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور کچھ نہیں کہا کہ میں محدث ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے اسی طرح کلام کرتا ہے جس طرح محدثین سے۔

(حمامتہ البشریٰ، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۹۶)

۷۔ ”محدث جو مرسلین میں سے اُمتی بھی ہوتا ہے اور ناقص طور پر نبی بھی۔“

(ازالہ اوہام، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۵۶۹)

۸۔”محدث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے، گو اس کے لیے نبوت تامہ نہیں، مگر جزئی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے۔ امور غیبیہ اس پر ظاہر کیے جاتے ہیں اور نبیوں کی وحی کی طرح اس کی وحی کو بھی دخل شیطان سے منزہ کیا جاتا ہے۔“ (توضیح مرام، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۱۸)

۹۔ ”اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت بھی حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں، مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اس میں عام مسلمانوں کو دھوکا لگ جانے کا احتمال ہے۔“ (انجام آتھم، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۲۷)

۱۰۔”پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی، یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ ومخاطبہ رکھتے ہیں، اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں، ولکل ان یصطلع“

(تتمہ حقیقۃ الوحی، مرزا غلام احمد، ص ۶۸)

۱۱۔ ”تمام مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ فتح الاسلام و توضیح المرام و ازالہ اوہام میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدث ایک معنی میں نبی ہوتا ہے، یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوت ہے یا یہ کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے، یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں میں محمول نہیں ہیں بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رو سے بیان کیے گئے ہیں، ورنہ حاشاوَ کلاَّ مجھے نبوت حقیقی کا ہرگز دعویٰ نہیں ہے ......سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرما کر بجائے اس کے محدث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں، کیونکہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں ہے......بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اور اس کو یعنی لفظ نبی کو کاٹا ہوا

خیال فرمالیں۔‘‘

(تحریری بیان مورخہ ۳فروری ۱۸۹۲ء جو جلسہ عام میں پڑھا گیا۔مندرجہ تبلیغ رسالت، جلد ۲،ص ۹۵)

(ج) نبوت کے مختلف دعوے:

۶۔ پھر مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس دعوے کی بھی ایک شکل نہ تھی بلکہ مختلف مواقع پر متعدد شکلیں تھیں۔

ا۔اُمتی نبی:

’’بعد میں خدا کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔اس نے مجھے اس عقیدے پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی۔‘‘　(حقیقۃ الوحی‘ مرزا غلام احمد صاحب‘ ص ۱۴۹)

۲۔غیر صاحب شریعت:

’’اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو نہیں سکتا مگر وہی جو پہلے سے امتی ہے‘ پس اس بنا پر میں امتی بھی ہوں اور نبی بھی۔‘‘　(تجلیات الٰہیہ‘ مرزا غلام احمد صاحب‘ ص ۲۴)

۳۔صاحب شریعت:

’’یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا......میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی...... اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰیo صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰیo الاعلیٰ 87:19-18 یعنی قرآنی تعلیم تورات میں بھی موجود ہے۔‘‘

(اربعین نمبر ۴‘ مرزا غلام احمد صاحب ص ۷۔۸۳)

ظلی و بروزی نبی:

’’جس طرح حقیقی اور مستقل نبوتیں، نبوت کی اقسام ہیں اسی طرح ظلی اور بروزی نبوت بھی نبوت کی ایک قسم ہے......مسیح موعود کا ظلی نبی ہونا مسیح موعود سے نبوت کو نہیں چھینتا بلکہ صرف نبوت کی قسم ظاہر کرتا ہے......اور جو حقیقی اور مستقل نبیوں کو حقوق حاصل ہیں ظلی نبی کو بھی حاصل ہیں، کیونکہ نفس نبوت میں کوئی فرق نہیں۔ (کلمۃ الفصل، ص ۱۱۸)

۵۔ بروز محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

’’میں بموجب آیت واخرین منھم لما یلحقوا بھم بروزی طور پر وہی خاتم الانبیا ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرتؐ کا ہی وجود قرار دیا ہے۔‘‘ (ایک غلطی کا ازالہ، مرزا غلام احمد صاحب)

۶۔ تمام انبیا کا مجموعہ:

’’دنیا میں کوئی نبی نہیں گزرا جس کا نام مجھے نہیں دیا گیا۔ سو جیسا کہ براہین احمدیہ میں خدا نے فرمایا ہے میں آدم ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں، میں یعقوب ہوں، میں اسماعیل ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ ابن مریم ہوں، میں محمدؐ ہوں، یعنی بروزی طور پر۔‘‘ (تتمہ حقیقۃ الوحی، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۸۴)

(ز) نبوت مرزا صاحب پر ختم:

(۱) اس امت میں نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں ہیں۔ (حقیقۃ الوحی، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۳۹۱)

(۲) امت محمدیہ میں ایک سے زیادہ نبی کسی صورت میں بھی نہیں آ سکتے، چنانچہ نبی اکرمؐ نے اپنی امت میں سے صرف ایک نبی اللہ کے آنے کی خبر دی ہے جو مسیح موعود ہے اور اس کے سوا قطعاً کسی کا نام نبی اللہ یا رسول اللہ نہیں رکھا اور نہ کسی اور کے آنے کی آپ نے خبر دی ہے بلکہ لا نبی بعدی فرما کر اوروں کی نفی کر دی اور کھول کر بیان فرما دیا کہ مسیح موعود کے سوا

میرے بعد قطعاً کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔'' (تشحیذ الاذہان، جلد ۹ نمبر ۳، ص ۳۰ تا ۳۲)

(د) ختم نبوت کی مختلف تاویلیں:

(۱۰) ان مختلف دعوؤں کو نبھانے کے لیے مرزا صاحب نے اور ان کی جماعت نے مختلف مواقع پر ختم نبوت کی جو مختلف تاویلیں کی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

پہلی تاویل:

۱۔ ''اگر ایک امتی کو، جو محض پیروی آنحضرتؐ سے درجہ وحی اور الہام اور نبوت کا پاتا ہے، نبی کے نام کا اعزاز دیا جائے تو اس سے مہر نبوت نہیں ٹوٹتی، کیونکہ وہ اُمتی ہے ......مگر کسی ایسے نبی کا آنا جو اُمتی نہیں ہے ختم نبوت کے منافی ہے۔''

(چشمہ مسیحی، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۴۱)

۲۔ (آنحضرتؐ) ''ان معنوں سے خاتم الانبیا ہیں کہ ایک تو تمام کمالات نبوت ان پر ختم ہیں اور دوسرے یہ کہ ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں ہے اور نہ کوئی ایسا نبی ہے جو ان کی امت سے باہر ہو۔'' (چشمہ معرفت، مرزا غلام احمد صاحب، ضمیمہ، ص ۹)

دوسری تاویل:

۳۔ ''اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا، یعنی آپ کو افاضہ کمال کے لیے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اس وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔ یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوی بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش نہیں ہے۔'' (حقیقۃ الوحی، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۹۶)

۴۔ خاتم النبیین کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی مہر کے بغیر کسی کی نبوت تصدیق نہیں ہوسکتی۔ جب مہر لگ جاتی ہے تو وہ کاغذ سند ہوجاتا ہے اور مصدقہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرتؐ کی مہر اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے۔'' (ملفوظات احمدیہ، محمد منظور الٰہی، حصہ پنجم، ص ۲۹۰)

تیسری تاویل:

۵۔ ’’خدا نے ایسا کیا کہ اپنی حکمت اور لطف سے آپ کے (یعنی محمدؐ کے) بعد تیرہ سو برس تک اس لفظ (یعنی نبوت) کو آپ کی امت سے اٹھا دیا تا کہ آپ کی نبوت کی عظمت کا حق ادا ہو جائے (یعنی آپ کے بعد ہی دوسرے لوگوں کے نبی کہلانے سے آپ کی نبوت کی ہتک نہ ہو) اور پھر چونکہ اسلام کی عظمت چاہتی تھی کہ اس میں بھی بعض ایسے افراد ہوں جن پر آنحضرتؐ کے بعد لفظ نبی اللہ بولا جائے اور پہلے سلسلے سے (یعنی موسوی انبیا کے سلسلے) مماثلت پوری ہو، آخری زمانے میں مسیح موعود کے واسطے آپ کی زبان سے نبی اللہ کا لفظ نکلوا دیا۔‘‘

(ارشاد مرزا غلام احمد صاحب مندرجہ اخبار الحکم قادیان، مورخہ ۷/ اپریل ۱۹۰۳ء
منقول از رسالہ ختم نبوت از فخر الدین ملتانی، ص ۱۰)

چوتھی تاویل:

۶۔ ’’میں ظلی طور محمدؐ ہوں، پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمدؐ کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی، یعنی بہر حال محمدؐ ہی نبی رہا نہ اور کوئی۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرتؐ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔‘‘

(ایک غلطی کا ازالہ، مرزا غلام احمد صاحب)

وحی

(۱۱) ختم نبوت کی طرح وحی اور نزول جبرئیل کے متعلق مرزا صاحب کا موقف مختلف مراحل میں پیہم بدلتا رہا ہے جس کی کیفیت ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

ابتدائی موقف:

ا۔ ’’اگر ہم اپنے نبیؐ کے بعد کسی نبی کا ظہور جائز قرار دیں تو گویا ہم باب وحی بند ہو

جانے کے بعد اس کا کھلنا جائز قرار دیں گے اور یہ صحیح نہیں، جیسا کہ مسلمانوں پر ظاہر ہے۔ اور ہمارے رسول اللہؐ کے بعد نبی کیونکر آ سکتا ہے درآنحالیکہ آپ کی وفات کے بعد وحی منقطع ہوگئی۔'' (حمامتہ البشریٰ مرزا غلام احمد صاحب، ص ۳۴)

۲۔ ''ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ جبرئیل لادیں اور پھر چپ ہو جائیں، یہ امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے کیونکہ جب ختمیت کی مہر ہی ٹوٹ گئی اور وحی رسالت پھر نازل ہونی شروع ہوگئی تو پھر تھوڑا یا بہت نازل ہونا برابر ہے...... اب جبرئیل کو بعد وفات رسول اللہؐ ہمیشہ کے لیے وحی نبوت لانے سے منع کیا گیا ہے۔'' (ازالہ اوہام، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۵۷۷)

۳۔ ''قرآن کریم بعد خاتم النبیین رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ وہ نیا ہو یا پرانا کیونکہ رسول کا علم دین بتوسط جبرئیل ملتا ہے اور باب نزول جبرئیل بہ پیرایہ وحی رسالت مسدود ہے اور یہ بات ممتنع ہے کہ رسول تو آوے مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو۔''

(ازالہ اوہام، ص ۷۶۱)

۴۔ ''رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم کو...... بذریعہ جبرئیل حاصل کرے اور ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تا قیامت منقطع ہے۔''

(ازالہ اوہام، ص ۶۱۴)

۵۔ ''پس یہ کس قدر جرأت اور دلیری اور گستاخی ہے کہ خیالات رکیکہ کی پیروی کر کے نصوص صریحہ قرآن کو عمداً چھوڑ دیا جائے اور خاتم الانبیا کے بعد ایک نبی کا آنا مان لیا جائے اور بعد اس کے جو وحی نبوت منقطع ہو چکی تھی پھر سلسلہ وحی نبوت کا جاری کر دیا جائے۔ کیونکہ جس میں شان نبوت باقی ہے اس کی وحی بلاشبہ نبوت کی وحی ہوگی۔''

(ایام صلح، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۱۴۶)

دوسرا موقف:

۶۔ ''ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل

ہیں اور آنحضرتؐ کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور وحی نبوت نہیں بلکہ وحی ولایت جو زیر سایہ نبوت محمدیہ اور باتباع آنحضرتؐ اولیاء اللہ کو ملتی ہے، اس کے قائل ہیں۔‘‘

(اشتہار مرزا غلام احمد صاحب تبلیغ رسالت، جلد ۶، ص ۳۰۲)

۷۔ ’’کیا یہ ضروری ہے کہ جو الہام کا دعویٰ کرتا ہے وہ نبی بھی ہو جائے۔‘‘

(جنگ مقدس، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۶۷)

۸۔ ’’میں نبی نہیں ہوں بلکہ اللہ کی طرف سے محدث اور اللہ کا کلیم ہوں۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۳۸۳)

تیسرا موقف:

۹۔ ’’یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضورؐ کے وحی الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا اور آئندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں۔ صرف قصوں کی پوجا کرو۔ پس کیا ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے جس میں براہ راست خدا تعالیٰ کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، صفحہ ۱۸۳۔ واضح رہے کہ براہین احمدیہ کا حصہ پنجم ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا تھا۔)

۱۰۔ ’’اور میں جیسا کہ قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں جو مجھے، جس کی سچائی اس کے متواتر نشانوں سے مجھ پر کھل گئی ہے اور میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔‘‘ (ایک غلطی کا ازالہ، مرزا غلام احمد صاحب)

۱۲۔ ’’مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ تورات اور انجیل اور قرآن کریم پر۔‘‘

(اربعین نمبر ۴، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۲۵)

۱۳۔ ’’آمد نزد من جبرئیل علیہ السلام و مرا برگزید و گردش داد انگشت خود را و اشارہ کرو خدا ترا از دشمناں نگہ خواہد داشت۔‘‘ (مواہب الرحمان، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۲۳)

مسیح اور نزول مسیح کا مسئلہ

مسیح علیہ السلام اوران کی آمدثانی اورخوداپنے مسیح موعودہونے کے باب میں مرزاصاحب کاموقف مختلف مراحل میں مختلف رہاہے۔اس کانقشہ ذیل میں ملاحظہ ہو۔

پہلاموقف:

۱۔ ’’اس عاجزنے جومثیل موعودہونے کادعویٰ کیاہے‘جس کوکم فہم لوگ مسیح موعودخیال کربیٹھے ہیں‘یہ کوئی نیادعویٰ نہیں ہے جوآج ہی میرے منہ سے سناگیاہو...... میں نے یہ دعویٰ ہرگزنہیں کیاکہ میں مسیح ابن مریم ہوں‘جوشخص میرے پرالزام لگائے وہ سراسرمفتری اورکذاب ہے۔بلکہ میری طرف سے عرصہ سات آٹھ سال سے برابریہی شائع ہورہاہے کہ میں مثیل ہوں۔‘‘ (ازالہ اوہام‘مرزاغلام احمدصاحب‘ص ۱۹۰)

۲۔ ’’ممکن اوربالکل ممکن ہے کہ کسی زمانے میں کوئی ایسامسیح بھی آجائے جس پرحدیثوں کےبعض ظاہری الفاظ صادق آسکیں۔‘‘ (ازالہ اوہام‘مرزاغلام احمدصاحب‘ص۱۹۹)

۳۔ ’’اس عاجزپرظاہرکیاگیاہے کہ یہ خاکساراپنی غربت اورانکساراورتوکل اورایثاراورآیات وانوارکی روسے مسیح کی پہلی زندگی کانمونہ ہےاوراس عاجزکی فطرت اورمسیح کی فطرت باہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی ہے۔‘‘ (براہین احمدیہ‘مرزاغلام احمدصاحب‘ص۴۹۹)

۴۔ ’’مصنف کواس بات کابھی علم دیاگیاہے کہ وہ مجددوقت ہے اورروحانی طورپراس کےکمالات مسیح ابن مریم کےکمالات سے مشابہ ہیں۔‘‘

(اشتہارمرزاغلام احمدصاحب‘تبلیغ رسالت‘جلداول‘ص ۱۵)

۵۔ ’’اگریہ اعتراض پیش کیاجائے کہ مسیح کامثل بھی نبی (ہونا) چاہیے کیونکہ مسیح نبی تھا‘ تواس کااول جواب تویہی ہے کہ آنے والے مسیح کے لیے ہمارے سیدومولیٰ نے نبوت شرط نہیں ٹھہرائی بلکہ صاف طورپریہی لکھاہے کہ وہ ایک مسلمان ہوگااورعام مسلمانوں کے موافق شریعت فرقانی کاپابندہوگااوراس سے زیادہ کچھ بھی ظاہرنہیں کرے گا۔‘‘

(توضیح المرام‘مرزاغلام احمدصاحب‘ص۱۹)

دوسرا موقف:

۶۔ ''اور یہی عیسیٰ ہے جس کا انتظار تھا' اور الہامی عبارتوں میں مریم اور عیسیٰ سے میں ہی مراد ہوں۔ میری نسبت ہی کہا گیا کہ ہم اس کو نشان بنا دیں گے اور نیز کہا گیا کہ یہ وہی عیسیٰ ابن مریم ہے جو آنے والا تھا جس میں لوگ شک کرتے ہیں یہی حق ہے اور آنے والا یہی ہے اور شک محض نافہمی سے ہے۔'' (کشتی نوح' مرزا غلام احمد صاحب' ص ۴۸)

۷۔ ''اس نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصے میں میرا نام مریم رکھا' پھر جیسا براہین احمدیہ سے ظاہر ہے' دو برس تک صفت مریمیت میں، میں نے پرورش پائی اور پردہ میں نشوونما پاتا رہا پھر.......... مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارے کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا' اور آخر کئی مہینے کے بعد' جو دس مہینے سے زیادہ نہیں' بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر براہین احمدیہ کے حصہ چہارم میں درج ہے' مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا اور خدا نے براہین احمدیہ کے وقت میں اس سر خفی کی مجھے خبر نہ دی۔'' (کشتی نوح' ص ۴۶)

۸۔ ''سو یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والا ابن مریم یہی ہے جس نے عیسیٰ ابن مریم کی طرح اپنے زمانے میں کسی ایسے شخص والد روحانی کو نہ پایا جو اس کی روحانی پیدائش کا موجب ٹھہرتا۔ تب خدا تعالیٰ خود اس کا متولی ہوا اور تربیت کی کنار میں لیا اور اپنے بندے کا نام ابن مریم رکھا...... پس مثالی صورت کے طور پر یہی عیسیٰ ابن مریم ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا۔ کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ اس کا کوئی والد روحانی ہے؟ کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تمہارے سلاسل اربع میں سے کسی سلسلے میں یہ داخل ہے؟ پھر یہ ابن مریم نہیں تو کون ہے؟''

(ازالہ اوہام مرزا غلام احمد صاحب، ص ۶۵۹)

۹۔ ''اب یہ بھی جاننا چاہیے کہ دمشق کا لفظ جو ''مسلم'' کی حدیث میں وارد ہے' یعنی صحیح مسلم میں یہ جو لکھا ہے کہ حضرت مسیح دمشق کے منارہ سفید مشرقی کے پاس اتریں گے۔ یہ لفظ

ابتدا سے محقق لوگوں کو حیران کرتا چلا آیا ہے۔[۱] واضح ہو کہ دمشق کے لفظ کی تعبیر میں میرے پر منجانب اللہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جگہ ایسے قصبے کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو یزیدی الطبع اور یزید پلید کی عادات اور خیالات کے پیرو ہیں ...... خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ ظاہر فرمادیا ہے کہ یہ قصبہ قادیان بوجہ اس کے کہ اکثر یزیدی الطبع لوگ اس میں سکونت رکھتے ہیں، دمشق سے ایک مناسبت اور مشابہت رکھتا ہے۔''

(حاشیہ ازالہ اوہام' صفحہ ۶۳ تا ۷۳)

۱۰۔ ''مجھے اس خدا کی قسم جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر افترا کرنا لعنتیوں کا کام ہے کہ اس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے۔'' (ایک غلطی کا ازالہ' تبلیغ رسالت جلد ۱۰' ص ۱۸)

قادیانی جماعت کا ایک ''امت'' ہونا

مرزا صاحب نے خود یہ اصول بھی بصراحت بیان کیا ہے کہ ایک نبی ایک امت وجود میں لاتا ہے اور پھر انھوں نے خود ہی اپنی جماعت کو امت کہا بھی ہے۔ اس کے ثبوت میں چند عبارات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ''جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا اس دعوے میں ضروری ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرے اور نیز یہ بھی کہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے پر وحی نازل ہوتی ہے اور نیز خلق اللہ کو وہ کلام بھی سنا دے جو اس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور ایک امت بنادے جو اس کو نبی سمجھتی ہو اور اس کی کتاب کو کتاب اللہ جانتی ہو۔''

(آئینہ کمالات اسلام' مرزا غلام احمد صاحب' ص ۳۴۴)

۲۔ ''یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا............

(۱) واضح رہے کہ دمشق کے لفظ پر مرزا صاحب سے پہلے کسی صاحب علم کو حیرانی نہیں پیش آئی۔ علم حدیث کے جتنے شارحین ہیں ان میں سے کسی کے کلام میں بھی حیرانی کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا۔ البتہ مرزا صاحب کو ضرور یہ حیرانی لاحق رہی ہو گی کہ حدیث میں ایک مشہور و معروف مقام کی تصریح ہونے کے باوجود وہ کس طرح مسیح موعود بنیں۔

میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔‘‘ (اربعین نمبر ۴ ‘مرزا غلام احمد صاحب‘ص ۷ / ۸۳)

۳۔’’پہلا مسیح صرف مسیح تھا‘ اس لیے اُس کی امت گمراہ ہوگئی اور موسوی سلسلے کا خاتمہ ہوگیا۔ اگر میں بھی صرف مسیح ہوتا تو ایسا ہی ہوتا۔ لیکن میں مہدی اور محمدؐ کا بروز بھی ہوں اس لیے میری امت کے دو حصے ہوں گے۔ ایک وہ جو مسیحیت کا رنگ اختیار کریں گے اور یہ تباہ ہوجائیں گے اور دوسرے وہ جو مہدیت کا رنگ اختیار کریں گے۔‘‘

(ارشادِ مرزا غلام احمد صاحب‘ مندرجہ الفضل، ۲۶ جنوری ۱۹۱۶ء)

مرزا صاحب کو نہ ماننے کے نتائج‘ اعتقادی حیثیت سے:

اس امر میں بھی مرزا صاحب کا موقف مختلف رہا ہے کہ جو لوگ ان کو نہ مانیں ان کی پوزیشن کیا ہے۔ اس سلسلے میں مختلف مراحل پر انھوں نے اور ان کی جماعت کے اکابر نے جو مختلف موقف اختیار کیے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

ابتدائی موقف:

۱۔’’یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لیے محدث ہوکر آیا ہے اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے۔ گو اس کے لیے نبوت نامہ نہیں مگر تاہم جزئی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے......اور انبیا کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں با آواز بلند ظاہر کرے اور اس سے انکار کرنے والا ایک حد تک مستوجب سزا ٹھہراتا ہے۔‘‘

(توضیح مرام، مرزا غلام احمد صاحب صفحہ ۱۸)

۲۔’’ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوسکتا، ہاں ضال اور جادہ صواب سے منحرف ضرور ہوگا (۱) اور میں اس کا نام بے ایمان نہیں رکھتا۔ (تریاق القلوب، مرزا غلام احمد صاحب، صفحہ ۱۳۰)

۳۔’’اور ہر ایک مسلمان جس کو میری تبلیغ کی گئی ہے، گو وہ مسلمان ہے، مگر مجھے اپنا حکم

---

(۱) یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے سے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدید لاتے ہیں۔ لیکن صاحب شریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں، گو وہ جناب الٰہی میں کیسی ہی اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں، ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن سکتا۔

نہیں ٹھہراتا اور نہ مجھے مسیح موعود مانتا ہے اور نہ میری وحی کو خدا کی طرف سے جانتا ہے، وہ آسمان پر قابل مواخذہ ہے۔'' (تحفہ الندوہ، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۴)

۴۔''جو شخص مسیح موعود کو نہیں مانتا، یا ماننے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ وہ بھی حقیقت اسلام اور غایت نبوت اور غرض رسالت سے بے خبر محض ہے اور وہ اس بات کا حق دار نہیں ہے کہ اس کو سچا مسلمان، خدا اور اس کے رسول کا سچا تابع دار اور فرماں بردار کہہ سکیں ......اس کے نہ ماننے والوں اور اس سے انحراف کرنے والوں کا نام فاسق رکھا ہے۔''

(حجۃ اللہ، تقریر لاہور از مرزا غلام احمد صاحب، منقول از النبوۃ فی الاسلام مولوی محمد علی ایم اے، ص ۲۱۴)

آخری موقف:

۵۔''جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا، وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے۔''

(اشتہار معیار الاخیار از مرزا غلام احمد صاحب، مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۰۰ء، منقول از کلمۃ الفصل، صاحب زادہ بشیر احمد صاحب، ص ۱۲۹)

۶۔''اب جب کہ یہ مسئلہ بالکل صاف ہے کہ مسیح موعود کے ماننے کے بغیر نجات نہیں ہوسکتی تو کیوں خواہ مخواہ غیر احمدیوں کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔''

(کلمۃ الفصل، ص ۱۲۹)

۷۔''حضرت (مرزا صاحب) نے جہاں کہیں بھی غیر احمدیوں کو مسلمان کہہ کر پکارا ہے وہاں صرف یہ مطلب ہے کہ وہ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، ورنہ آپ حسب حکم الٰہی اپنے منکروں کو مسلمان نہ سمجھے۔'' (کلمۃ الفصل، ص ۱۲۶)

۸۔''حضرت مسیح موعود کی اس تحریر سے بہت سی باتیں حل ہوجاتی ہیں۔ اول یہ کہ حضرت صاحب کو اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ اطلاع دی کہ تیرا انکار کرنے والا مسلمان نہیں اور نہ صرف یہ اطلاع دی بلکہ حکم دیا کہ تو اپنے منکروں کو مسلمان نہ سمجھ۔ دوسرے یہ کہ حضرت صاحب نے عبدالحکیم خان کو جماعت سے اس واسطے خارج کیا کہ وہ غیر احمدیوں کو

مسلمان کہتا تھا۔ تیسرے یہ کہ مسیح موعود کے منکروں کو مسلمان کہنے کا عقیدہ ایک خبیث عقیدہ ہے۔ چوتھے یہ کہ جو ایسا عقیدہ رکھے اس کے لیے رحمت الٰہی کا دروازہ بند ہے۔"

(کلمۃ الفصل، صفحہ ۱۲۵)

۹۔ "کفر دو قسم پر ہے۔ ایک کفر یہ کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرتؐ کو رسول نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے...... اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔" (حقیقۃ الوحی، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۱۷۹)

۱۰۔ "کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے۔ خواہ انھوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا۔ وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔"

(آئینہ صداقت، مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، ص ۳۵)

۱۱۔ "ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمدؐ کو نہیں مانتا یا محمد کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔" (کلمۃ الفصل ص ۱۱۰)

۱۲۔ "قادیان میں اللہ تعالیٰ نے پھر محمدؐ کو اتارا تاکہ وہ اپنے وعدے کو پورا کرے۔"

(کلمۃ الفصل ص ۱۰۵)

۱۳۔ "پس مسیح موعود خود رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے۔" (کلمۃ الفصل، ص ۱۸۵)

۱۴۔ "اب معاملہ صاف ہے اگر نبی کریمؐ کا انکار کفر ہے تو مسیح موعود کا انکار بھی کفر ہونا چاہیے۔ کیونکہ مسیح موعود نبی کریمؐ سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہی ہے۔"

(کلمۃ الفصل ص ۱۴۷)

۱۵۔ "جو شخص ظاہر کرتا ہے کہ میں نہ ادھر کا ہوں نہ ادھر کا ہوں، اصل میں وہ بھی ہمارا مکذب ہے اور جو ہمارا مصدق نہیں اور کہتا ہے کہ میں ان کو اچھا جانتا ہوں، وہ بھی مخالف ہے۔"

(ارشاد مرزا غلام احمد صاحب، مندرجہ اخبار بدر مورخہ ۲۴/اپریل ۱۹۰۳ء منقول از منکرین خلافت کا انجام ص ۸۲)

مرزا صاحب کو نہ ماننے کے نتائج، عملی حیثیت سے:

۱۶۔ ''اس کے بعد حضرت مسیح موعود نے صاف حکم دیا کہ غیر احمدیوں کے ساتھ ہمارے کوئی تعلقات ان کی غمی اور شادی کے معاملات میں نہ ہوں۔ جب ان کے غم میں ہم نے شامل ہی نہیں ہونا تو پھر جنازہ کیسا۔'' (کلمۃ الفصل ۱۸ جون ۱۹۱۶)

۱۷۔ ''حضور مرزا صاحب فرماتے ہیں غیر احمدیوں کی لڑکی لینے میں حرج نہیں ہے کیونکہ اہل کتاب عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے۔'' (کلمۃ الفصل، ۱۶ دسمبر ۱۹۲۰)

۱۸۔ ''یہ اعلان بغرض آ گاہی عام شائع کیا جاتا ہے کہ احمدی لڑکیوں کے نکاح غیر احمدیوں سے کرنے ناجائز ہیں۔ آئندہ احتیاط کی جائے۔''

(اعلان ناظر امور عامہ قادیان، الفضل، ۱۴ فروری ۱۹۳۳ء)

۱۹۔ ''حضرت مرزا صاحب نے اپنے بیٹے (مرزا فضل احمد مرحوم) کا جنازہ محض اس لیے نہیں پڑھا کہ وہ غیر احمدی تھا۔'' (الفضل، ۱۵ دسمبر ۱۹۲۱ء)

۲۰۔ ''پس یاد رکھو کہ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے، تمہارے پر حرام ہے کہ کسی کافر اور مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔ بلکہ چاہیے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔'' (اربعین نمبر ۳، مرزا غلام احمد صاحب، ص ۳۴)

۲۱۔ ''میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو لوگ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان کا جنازہ جائز نہیں۔ کیونکہ میرے نزدیک وہ احمدی نہیں ہیں، اسی طرح جو لوگ غیر احمدیوں کو لڑکی دے دیں اور وہ اپنے اس فعل سے توبہ کیے بغیر فوت ہو جائیں، ان کا جنازہ بھی جائز نہیں۔''

(مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا خط، الفضل، ۱۳ اپریل ۱۹۲۶ء)

۲۲۔ ''حضرت مسیح موعود نے غیر احمدیوں کے ساتھ صرف وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریمؐ نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں۔ ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں؟ دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں ایک دینی

دوسرے دنیوی۔ دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے۔ اور دنیوی تعلق کا بھاری ذریعہ رشتہ وناطہ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لیے حرام قرار دیئے گئے۔ اگر کہو کہ ہم کو ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں کہتا ہوں نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت ہے اور اگر یہ کہو کہ غیر احمدیوں کو سلام کیوں کیا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اوقات نبی کریمؐ نے یہود تک کو سلام کا جواب دیا ہے۔‘‘

(کلمۃ الفصل، ص۱۶۹)

ضمیمہ نمبر (۸)

(۱) ''بنیادی اصولوں کی رپورٹ میں علماء کی طرف سے پیش کردہ ترامیم''

پاکستان کے مختلف مکاتیب فکر کی نمائندگی کرنے والے تینتیس نامور علماء دستور پاکستان کی ''بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ'' پر غور کرنے کے لیے جنوری ۱۹۵۳ء میں کراچی میں جمع ہوئے، جہاں انھوں نے کافی غور وخوض کے بعد اس رپورٹ میں متعدد ترامیم اور کچھ نئی تجاویز پیش کیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے قادیانیوں ...... کے متعلق جو تجویز متفقہ طور پر پیش کیں اس کی تفصیلات درج ذیل ہیں:۔

ا۔ ''اس ضمیمہ میں ''مسلم نشستوں'' کے عنوان کے کالم میں پنجاب کے بالمقابل ۸۸ کی جگہ ۸۷ درج کیا جائے اور ایک نئے کالم کا اضافہ کیا جائے۔ جس کا عنوان ''قادیانیوں کے لیے مخصوص نشستیں'' ہو۔ اس کالم میں پنجاب کے بالمقابل ایک کا عدد درج کیا جائے۔''

نیز اس ضمیمہ کی تشریحات میں حسب ذیل دفعات کا اضافہ کیا جائے۔

''پنجاب میں قادیانیوں کی ایک نشست پر کرنے کے لیے پاکستان کے دیگر علاقوں کے قادیانی بھی ووٹ دینے اور مذکورہ نشست کے لیے رکن منتخب ہوسکنے کے مستحق ہوں گے۔''

قادیانی کی تشریح اس طرح کی جائے:

''قادیانی سے مراد وہ شخص ہوگا جو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو اپنا مذہبی پیشوا مانتا ہو۔''

یہ ایک نہایت ضروری ترمیم ہے جسے ہم پورے اصرار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ملک کے دستور سازوں کے لیے یہ بات کسی طرح موزوں نہیں ہے کہ وہ اپنے ملک کے حالات اور مخصوص اجتماعی مسائل سے بے پرواہ ہوکر محض اپنے ذاتی نظریات کی بنا پر دستور

بنانے لگیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ملک کے جن علاقوں میں قادیانیوں کی بڑی تعداد مسلمانوں کے ساتھ ملی جلی آباد ہے وہاں اس قادیانی مسئلہ نے کس قدر نازک صورت حال پیدا کردی ہے۔ ان کو پچھلے دور کے بیرونی حکمرانوں کی طرح نہ ہونا چاہیے، جنھوں نے ہندو مسلم مسئلہ کی نزاکت کو اس وقت تک محسوس نہ کیا جب تک متحدہ ہندوستان کا گوشہ گوشہ دونوں قوموں کے فسادات سے خون آلود نہ ہوگیا۔ جو دستور ساز حضرات اسی ملک کے رہنے والے ہیں، ان کی یہ غلطی بڑی افسوس ناک ہوگی کہ وہ جب تک پاکستان میں قادیانی مسلم تصادم کو آگ کی طرح بھڑکتے ہوئے نہ دیکھ لیں، اس وقت تک انہیں اس بات کا یقین نہ آئے کہ یہاں ایک قادیانی مسلم مسئلہ بھی موجود ہے جسے حل کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ اس مسئلہ کو جس چیز نے نزاکت کی آخری حد تک پہنچا دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قادیانی ایک طرف مسلمان بن کر مسلمانوں میں گھستے ہیں اور دوسری طرف عقائد و عبادات اور اجتماعی شیرازہ بندی میں مسلمانوں سے نہ صرف الگ بلکہ ان کے خلاف صف آرا رہتے ہیں اور مذہبی طور پر تمام مسلمانوں کو اعلانیہ کافر قرار دیتے ہیں۔ اس خرابی کا علاج آج بھی یہی ہے اور پہلے بھی یہی تھا (جیسا کہ علامہ اقبال مرحوم نے آج سے بیس سال پہلے فرمایا تھا) کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ اسی طرح اقلیتی کمیٹی کی رپورٹ دفعہ نمبر ا کے اختتام پر ''اور قادیانی'' کے الفاظ کا اضافہ کیا جائے۔

ضمیمہ نمبر (۹)

قادیانیت ۔ علامہ محمد اقبالؒ کی نظر میں

۱۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کی تقاریر اور بیانات سے چند اقتباسات

''تاریخی طور پر اسلام کے اندر سے اٹھنے والا ہر وہ مذہبی گروہ جس کی بنیاد ایک نئی نبوت کے دعوے پر رکھی گئی ہو اور جو اس نبوت کے نام نہاد الہامات پر ایمان نہ لانے والے تمام مسلمانوں کو کھلم کھلا کافر قرار دیتا ہو، ہر مسلمان کی نظر میں اسلام کی سالمیت کے لیے ایک زبردست خطرہ سمجھا جاتا ہے ...... اور ایسا لازماً ہونا ہی چاہیے۔ اس لیے کہ مسلم معاشرہ کا اتحاد و سالمیت صرف ایک ہی عقیدے، ختم نبوت سے محفوظ ہے۔'' (ص ۹۴)

''پس جدید عمرانیات کا ایک طالب علم اس شدت جذبات کو جس کا مظاہرہ ہندی مسلمانوں نے قادیانی تحریک کی مخالفت میں کیا ہے بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ ایک عام مسلمان کی طرف سے، جس پر پچھلے دن سول اینڈ ملٹری گزٹ میں ایک صاحب نے ''ملازدہ'' کی پھبتی کسی ہے، قادیانی تحریک کی مخالفت میں اتنا دخل عقیدہ ختم نبوت کے مختلف پہلوؤں کے تفصیلی ادراک کو نہیں جتنا کہ تحفظ کے احساس کو ہے، ہمارے ''نام نہاد، روشن خیال'' مسلمان نے عقیدہ ختم نبوت کی حقیقی تہذیبی اہمیت کو سمجھنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اس پر مستزاد یہ کہ مغرب زدگی کے خاموش اور غیر محسوس عمل نے انہیں تحفظ ذات کے احساس سے محروم کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ ان روشن خیال حضرات میں سے بعض حضرات تو اب اپنے ہم مذہبوں کو رواداری کا درس بھی دینے لگے ہیں۔ گورنر پنجاب سر ہربرٹ ایمرسن اگر مسلمانوں کو رواداری کی تلقین کریں تو میں انہیں معذور سمجھ سکتا ہوں، کیونکہ ایک جدید یورپین جس نے بالکل مختلف تہذیبی ماحول میں آنکھ کھولی ہو اور نشوونما پائی ہو، نہ وہ بصیرت رکھتا ہے اور نہ لا سکتا ہے جس کے ذریعے سے وہ ایک ایسے اہم مسئلہ کے مضمرات سمجھ سکے جو

اس کی اپنی قوم سے بالکل مختلف، تمدنی نظریات رکھنے والی ایک دوسری قوم کے نظام میں بنیادی اہمیت رکھتا ہو۔‘‘ (ص ۹۶)

’’حکومت کو موجودہ صورت حالات پر پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے اور اگر ممکن ہو تو اس مسئلہ پر جسے ایک عام مسلمان اپنی ملت کی سالمیت کے لیے انتہائی اہم سمجھتا ہے عوام کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر کسی ملت کی سالمیت ہی کو خطرہ پیش ہو جائے تو اس کے لیے انتشار پیدا کرنے والی قوتوں کے مقابلے میں اپنی مدافعت کرنا ہی آخری چارۂ کار رہ جاتا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مدافعت کے لیے کون سے ذرائع مؤثر ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ سواد اعظم جس شخص کو ایک مذہبی طالع آزما سمجھتا ہو، اس کے دعاوی کی تردید قلم وزبان کے ذریعہ سے کی جائے۔ اس صورت میں کیا یہ مناسب ہوگا کہ سواد اعظم کو جس کی یک جہتی اور سالمیت خطرہ میں ہو، رواداری کی تلقین کی جائے اور اس باغی گروہ کو اپنے پراپیگنڈے کی کھلی چھٹی دے دی جائے۔ خصوصاً اس حالت میں بھی جب کہ یہ پروپیگنڈا انتہائی دشنام طرازی سے پر ہو۔ اگر کوئی گروہ جو سواد اعظم کے نقطۂ نظر سے باغی ہو، حکومت کے لیے کسی خاص افادیت کا حامل ہو، تو حکومت اس کو اس کی خدمات کا بہترین معاوضہ دینے میں آزاد ہے۔ دوسرے فرقے اس پر خفا نہیں ہوں گے۔ لیکن یہ توقع کرنا زیادتی ہوگی کہ کوئی قوم ان قوتوں کو خاموشی کے ساتھ نظر انداز کر دے جو اس کی اجتماعی زندگی پر گہرا اثر ڈالنے والی ہوں۔ انفرادی زندگی کی مانند اجتماعی زندگی بھی انتشار کے خطرے سے بڑی جلد متاثر ہوتی ہے۔ اس ضمن میں یہ بیان کرنے کی حاجت نہیں کہ مسلمان فرقوں کی باہمی علمی آویزشیں ان بنیادی اصولوں کو متاثر نہیں کرتیں جن پر یہ تمام فرقے اپنے باہمی اختلافات بلکہ ایک دوسرے کی تکفیر کے باوجود متفق ہیں۔

ایک اور بات بھی حکومت کی خاص توجہ کی متقاضی ہے اور وہ یہ کہ وسعت نظری کے جدید فلسفہ کی بنیاد پر ہندوستان میں مذہبی طالع آزماؤں کی حوصلہ افزائی لوگوں کو مذہب کی

طرف سے دن بدن زیادہ بیگانہ کررہی ہے اور آخر کار اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندی قوموں کی زندگی سے مذہب جیسا اہم عنصر بالکل خارج ہوجائے گا۔ پھر ہندوستانی ذہن مذہب کا کوئی دوسرا بدل تلاش کرے گا اور اغلب یہ ہے کہ یہ بدل اس ملحدانہ مادیت سے مختلف نہ ہوگا جو روس میں ظاہر ہوئی ہے۔ (ص ۹۸)

میرے نزدیک ہندوستان کے حکمرانوں کے لیے بہترین راستہ یہ ہے کہ وہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ قوم قرار دے دیں۔ یہ چیز قادیانیوں کی اپنی روش کے بھی عین مطابق ہوگی اور ہندوستانی مسلمان بھی ان کو اسی طرح برداشت کرلیں گے۔ جس طرح وہ دوسرے مذاہب کو برداشت کررہے ہیں۔ (ص ۱۰۰)

۲۔ روزنامہ اسٹیٹسمین کے نام ایک خط:

(روزنامہ اسٹیٹسمین نے ڈاکٹر محمد اقبال کا ایک مضمون بعنوان ''قادیانی اور راسخ العقیدہ مسلمان'' ادارتی تنقید کے ساتھ شائع کیا تھا۔ مندرجہ ذیل خط اس تنقید کے جواب میں اسٹیٹسمین کو لکھا گیا تھا اور اس کے شمارہ مورخہ ۱۰ جون ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا تھا)۔

''میں آپ کے اس تنقیدی اداریے پر آپ کا بہت شکرگزار ہوں جو آپ نے میرے مضمون شائع شدہ اسٹیٹسمین مورخہ ۱۴ مئی کے بارے میں سپرد قلم کیا ہے۔ اس اداریے میں آپ نے جو سوال اٹھایا ہے وہ نہایت ہی اہم ہے۔ درحقیقت میں خوش ہوں کہ آپ نے یہ سوال اٹھایا۔ میں نے اپنے مضمون میں اس سوال کو نہیں چھیڑا تھا۔ کیونکہ میں محسوس کرتا تھا کہ فی الحقیقت یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ قادیانیوں کی علیحدگی پسندی کی اس روش پر جو انھوں نے مذہبی اور معاشرتی معاملات میں مسلسل اس وقت سے اختیار کررکھی ہے۔ جب سے ایک مدمقابل نبوت کی بنیاد پر ایک نئی قوم تعمیر کرنے کا خیال ان میں پیدا ہوا ہے۔ اور ان کی اس روش کے خلاف عام مسلمانوں کے شدید جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے رسمی مطالبہ کا انتظار کیے بغیر، خود ہی قادیانیوں اور مسلمانوں کے اس بنیادی اختلاف کا انتظامی طور پر نوٹس لے۔ سکھوں کے معاملے میں

حکومت کے رویہ سے میرے اس احساس کو تقویت حاصل ہوئی تھی۔ سکھ قوم کو ۱۹۱۹ء تک انتظامی طور پر ایک جداگانہ سیاسی وحدت شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن اس کے بعد سکھوں کی طرف سے کسی رسمی مطالبہ کے بغیر انہیں ایک علیحدہ سیاسی وحدت قرار دیا گیا۔

تاہم اب جب کہ آپ نے اس سوال کو چھیڑا ہے میں اس اہم مسئلہ کے بارے میں جسے میں مسلمانوں اور حکومت برطانیہ دونوں کے نقطۂ ہائے نظر سے انتہائی اہمیت کا حامل سمجھتا ہوں، چند معروضات پیش کروں گا۔

آپ کا مطالبہ یہ ہے کہ میں اس امر کی پوری پوری وضاحت کروں کہ میں ایک قوم کے باہمی مذہبی اختلافات میں سرکاری مداخلت کب اور کس مرحلہ پر برداشت کرسکتا ہوں؟

میری طرف سے اس کا جواب سنیے:

سب سے پہلی بات جو پیش نظر رہنی ضروری ہے، یہ ہے کہ اسلام ایک ایسی مذہبی قوت کا علم بردار ہے جس کے حدود کا ملاً متعین ہیں۔ اور وہ حدود ہیں (۱) اللہ کی وحدانیت پر ایمان (۲) تمام انبیا علیہم السلام پر ایمان اور (۳) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر ایمان۔ موخر الذکر عقیدہ فی الحقیقت ایک ایسا عنصر ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان ایک واضح خط امتیاز کھینچ دیتا ہے اور صرف اسی کی بنیاد پر ایک آدمی یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ کون سا گروہ یا فرد ملت میں شامل ہے اور کون سا نہیں؟ مثلاً برہمو سماج کو لیجیے۔ یہ لوگ خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی اللہ تعالیٰ کے انبیا میں سے ایک نبی خیال کرتے ہیں۔ لیکن ہم انہیں اسلام کا جزو نہیں سمجھتے اس لیے کہ وہ بھی قادیانیوں کی طرح وحی نبوت کے تسلسل کے نظریے کے قائل ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر ایمان نہیں رکھتے۔ میرے علم کی حد تک اسلام کے اندر ایسا کوئی فرقہ آج تک نہیں اٹھا جس نے اس خط امتیاز کو پھاندنے کی کوشش کی ہو۔ ایران میں بہائیوں نے کھلم کھلا ختم نبوت کے عقیدہ کو مسترد کردیا ہے لیکن ساتھ ہی انھوں نے صاف طور پر یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ وہ ایک نئی ملت ہیں اور اصطلاحاً مسلمان نہیں ہیں۔ ہمارے عقائد کے مطابق اسلام بطور ایک دین،

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی نازل کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے ایک ملت اور سوسائٹی کی حیثیت سے زندہ رہنے کا انحصار کلیتہً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی پر ہے۔ میری رائے میں قادیانیوں کے لیے صرف وہی دو راستے کھلے ہیں۔ یا تو وہ سیدھی طرح بہائیوں کے طرز عمل کو اختیار کریں یا ختم نبوت کے عقیدے کی خود ساختہ تاویلات سے دستبردار ہو کر اس عقیدہ کو اس کے تمام تر مضمرات کے ساتھ قبول کر لیں۔ ان کی عیارانہ تاویلات دراصل ان کی محض اس خواہش کی بنا پر ہیں کہ واضح سیاسی مفادات کے حصول کے لیے وہ اپنے آپ کو ملت اسلامیہ کا ایک حصہ شمار کراتے رہیں۔

دوم: یہ کہ دنیائے اسلام کے ساتھ خود قادیانیوں کے اپنے رویے اور طرز عمل کو ہمیں نہیں بھولنا چاہیے۔ اس تحریک کے بانی نے ملت اسلامیہ کو سڑے ہوئے دودھ سے اور اپنے متبعین کو تازہ دودھ سے تشبیہ دی ہے۔ اور موخرالذکر کو اول الذکر (مسلمانوں) کے ساتھ گھلنے ملنے سے خبردار کیا ہے۔

مزید برآں ان کا بنیادی اصولوں کو ماننے سے انکار کرنا، ان کا اپنے آپ کو ایک نیا قومی نام (احمدی) دینا، ان کا مسلمانوں کی نماز باجماعت میں شریک نہ ہونا، بیاہ شادی وغیرہ میں ان کی طرف سے مسلمانوں کا سماجی مقاطعہ کرنا اور ان سب سے بڑھ کر ان کا پوری دنیائے اسلام کو کافر قرار دینا...... یہ سب باتیں خود ان کی طرف سے اس امر کا واشگاف الفاظ میں اعلان ہے کہ وہ ملت اسلامیہ سے ایک علیحدہ قوم ہیں۔

مندرجہ بالا حقائق اس بات کو پوری طرح واضح کر دیتے ہیں کہ قادیانیت اور اسلام کا بُعد اس سے کہیں زیادہ ہے جو سکھ مذہب اور ہندومت میں ہے۔ اس لیے کہ سکھ اگرچہ ہندوؤں کے مندروں میں عبادت نہیں کرتے لیکن ان کے ساتھ کم از کم بیاہ شادی کے تعلقات تو قائم کر لیتے ہیں۔

سوم: یہ بات سمجھنے کے لیے کچھ زیادہ غور و فکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ قادیانی حضرات مذہبی اور سماجی معاملات میں علیحدگی کی روش پر گامزن رہنے کے ساتھ ساتھ

ملت مسلمہ کا ایک جزو شمار کیے جانے پر کیوں مصر ہیں۔

ملت اسلامیہ کے اندر رہنے کا پھل جو انہیں سرکاری ملازمتوں کے دائرہ میں سیاسی مفادات کے حصول کی صورت میں ملتا ہے، اس سے قطع نظر، یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ان کی موجودہ آبادی کی بنیاد پر جو تازہ ترین مردم شماری کے اعداد و شمار کی روشنی میں صرف چھپن ہزار ہے، انہیں ملک کی کسی مقننہ میں ایک نشست کا بھی استحقاق حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ ان معنوں میں سیاسی اقلیت قرار نہیں دیے جا سکتے جن معنوں میں آپ اس اصطلاح کو استعمال کرتے معلوم ہوتے ہیں۔

یہ حقیقت کہ قادیانیوں نے ابھی تک ایک الگ سیاسی وحدت کی حیثیت سے علیحدگی کا مطالبہ نہیں کیا ہے، یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ موجودہ حالت میں وہ خود بھی اپنے آپ کو کسی مجلس مقننہ میں نمائندگی حاصل کرنے کا مستحق نہیں سمجھتے۔ نیا آئین ایسی اقلیتوں (جیسی کہ قادیانی ہیں) کے تحفظ کی دفعات خالی نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ بات یقینی ہے کہ قادیانی حکومت سے یہ مطالبہ کرنے میں کبھی پہل نہیں کریں گے کہ انہیں ملت اسلامیہ سے الگ ایک وحدت قرر دیا جائے۔ (اس لیے) خود ملت اسلامیہ ان کو جسد ملت سے علیحدہ کرنے کے مطالبہ میں بالکل حق بجانب ہے۔ حکومت کی طرف سے اس مطالبہ کو فی الفور تسلیم نہ کرنے سے ہندی مسلمانوں کے ذہن میں لازماً یہ شبہ پیدا ہوگا کہ حکومت برطانیہ اس نئے مذہب کو کسی آڑے وقت کے لیے رکھنا چاہتی ہے، جیسا کہ وہ رکھتی رہی ہے اور علیحدگی کے مسئلہ کے حل میں محض اس لیے تاخیر کر رہی ہے کہ اس مذہب کے پیروکار تعداد میں کم ہونے کی وجہ سے اس وقت ایک ایسی چوتھی قومیت کی حیثیت سے صوبہ کی سیاست میں نہیں ابھر سکتے جو پنجابی مسلمانوں کی مجلس مقننہ میں معمولی سی اکثریت کو کاری ضرب لگا سکے۔ ۱۹۱۹ء میں سکھوں کی ہندوؤں سے علیحدگی کے معاملہ میں حکومت نے کسی رسمی مطالبہ کا انتظار نہیں کیا تھا تو پھر قادیانیوں کی طرف سے رسمی مطالبہ کا انتظار کیوں؟ (ص،۱۰۷)

۳۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی طرف سے اٹھائے ہوئے سوالات کا جواب:

''میرا ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ قادیانیت پر میرے مضمون سے، جو محض ایک مذہبی اصول کی جدید طرز پر تشریح سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ پنڈت جی اور قادیانی حضرات دونوں شاید اس لیے بوکھلا گئے ہیں کہ یہ دونوں مختلف وجوہ کی بنا پر مسلمانوں...... بالخصوص ہندی مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی استحکام کے امکانات کو دلی طور پر ناپسند کرتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک ہندی قوم پرست جو سیاسی نصب العین کی وجہ سے حقائق کو سمجھنے کی صلاحیت کھو چکا ہے۔ شمال مغربی ہند کے مسلمانوں کے دلوں میں حق خودارادیت کی امنگ تک پیدا ہونے کو برداشت نہیں کرسکتا۔ وہ یہ سمجھتا ہے اور میرے نزدیک غلط سمجھتا ہے کہ ہندوستانی قومیت کے ارتقا کا صرف یہی ایک راستہ ہے کہ ملک کی مختلف ثقافتی وحدتوں کی اپنی حیثیت کو بالکل کچل دیا جائے اور پھر ان کے منصوبے سے ہندوستان میں پاک صحت منداور پائیدار ثقافت پیدا کی جائے۔ ایسے طریقوں سے حاصل شدہ قومیت کا نتیجہ مسلسل تلخی اور جبر کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔ بالکل اسی طرح قادیانی حضرات بھی ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی وقار میں اضافہ ہونے سے نبی عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت میں سے ایک ہندی نبی کی امت تشکیل دینے کا منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔ میرے لیے یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ میری طرف سے تاریخ ہند کے موجودہ نازک مرحلہ میں ہندوستانی مسلمانوں پر ان کے اندرونی اتحاد کی ضرورت واضح کرنے اور انہیں ان انتشار پسند عناصر سے جو مصلحین کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں، خبردار کرنے کی کوشش سے پنڈت جی کو انہی عناصر کے ساتھ اظہار ہمدردی کا موقع مل گیا ہے۔

اس طرح ہندوستانی مسلمان اس میں حق بجانب ہیں کہ قادیانی تحریک کو جو تمام دنیائے اسلام کو کافر قرار دیتی اور اس کا سماجی مقاطعہ کرتی ہے، ہندوستان میں اسلام کی اجتماعی زندگی کے لیے اس سے کہیں زیادہ خطرناک قرار دیں، جتنی خطرناک کہ اسپائنوزا کی مابعدالطبیعاتی تحریک یہودیوں کے حق میں تھی۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ایک مسلمان

وجدانی طور پر ان حالات کے مخصوص مزاج کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ جن میں وہ گھرا ہوا ہے اور اس لیے وہ کسی دوسرے ملک کے مسلمانوں کی بہ نسبت انتشار پسندانہ عناصر کے متعلق زیادہ حساس واقع ہوا ہے۔ ایک عام مسلمان کا یہ فطری احساس میرے نزدیک بالکل صحیح ہے اور اس کی جڑیں بلاشبہ اس کے ضمیر میں نہایت گہری ہیں۔ جو لوگ ایسے معاملہ میں روا داری کی باتیں کرتے ہیں، وہ لفظ ''رواداری'' کے استعمال میں نہایت بے پرواہ واقع ہوئے ہیں اور مجھے خدشہ ہے کہ وہ اس لفظ کا صحیح مفہوم ہی نہیں سمجھتے۔ انسان کی بالکل مختلف ذہنی کیفیتیں جذبہ رواداری کو جنم دے سکتی ہیں جیسا کہ گبن نے کہا ہے: ''ایک رواداری اس فلسفی کی ہے جو تمام مذاہب کو سچا سمجھتا ہے۔ ایک اس مورخ کی ہے جو سب کو یکساں جھوٹا خیال کرتا ہے اور ایک اس سیاسی شخص کی ہے جو دوسرے طرز ہائے فکر وعمل کے معاملہ میں محض اس لیے روادار واقع ہوا ہے کہ وہ خود تمام نظریوں اور مسلکوں سے لاتعلق رہا ہے۔ پھر ایک رواداری اس کمزور شخص کی ہے جو محض اپنی کمزوری کی بنا پر ہر اس اصول یا شخصیت کی ہر قسم کی توہین برداشت کر لیتا ہے جس کو وہ عزیز رکھتا ہے۔''

ظاہر ہے کہ رواداری کی یہ اقسام کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتیں بلکہ اس کے برعکس یہ اس شخص کے روحانی افلاس کا پتہ دیتی ہیں جو ان میں مبتلا ہو۔ سچی رواداری وسعت قلب و نظر کا نتیجہ ہوتی ہے۔ رواداری تو اس شخص میں ہوتی ہے جو روحانی طور پر مضبوط ہو اور جو اپنے عقائد کی حدود کی سختی سے حفاظت کے ساتھ ساتھ اپنے لیے مختلف قسم کے عقائد کو بھی برداشت کرتا بلکہ وقعت کی نظر سے دیکھتا ہو۔ ہمارے رواداری کے مبلغین کی بوالعجبی ملاحظہ فرمائیے کہ وہ ان لوگوں کو غیر روادار بتاتے ہیں جو اپنے عقائد کی حدود کا تحفظ کر رہے ہوں۔ وہ غلط طور پر اس رویہ کو اخلاقی گھٹیا پن کی ایک علامت سمجھتے ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ یہ رویہ فی الاصل تحفظ ذات کے نظریہ پر مبنی ہے۔ اگر ایک گروہ کے افراد فطری، وجدانی یا عقلی دلائل پر یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے معاشرہ کی ہیئت اجتماعی کو خطرہ ہے تو ان کی مدافعانہ روش کی جانچ پرکھ تحفظ ذات کے فطری اصول کے معیار کو سامنے رکھ کر ہونی چاہیے۔ اس

سلسلے کے ہر قول و فعل کے بارے میں کوئی رائے قائم کرتے وقت تحفظ زندگی کی اس قدر کو سامنے رکھنا ہوگا، جو اس میں پنہاں ہوتی ہے۔ ایسے معاملہ میں سوال یہ نہیں ہوتا کہ ایک قوم کا کسی شخص کو کافر قرار دینے کا رویہ اخلاقاً اچھا ہے یا برا۔ بلکہ سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ رویہ (اس کی ہیئت اجتماعیہ کے لیے) زندگی بخش ہے یا تباہ کن؟

ضمیمہ نمبر (۱۰)

عدلیہ کے فیصلے

(۱) فیصلہ منشی محمد اکبر خاں صاحب۔ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر (قادیانی مرتد ہیں یعنی دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔)

۲۴/ جولائی ۱۹۲۶ء کو موضع مہاند تحصیل احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور کے ایک باشندے مولوی الٰہی بخش نے اپنی لڑکی غلام عائشہ کی طرف سے احمد پور شرقیہ کی ماتحت عدالت میں عبدالرزاق قادیانی کے خلاف ایک دعویٰ دائر کیا۔مدعیہ کا موقف تھا کہ عبدالرزاق جس کے ساتھ اس کا نکاح بلوغت سے پہلے کر دیا گیا تھا قانوناً اب اس کا خاوند نہیں رہا کیونکہ قادیانی مذہب اختیار کرنے کے نتیجہ میں وہ مرتد ہو گیا ہے اور قانون شریعت کے مطابق ارتداد کی بنیاد پر نکاح منسوخ قرار پاتا ہے۔

مدعا علیہ کا جواب یہ تھا کہ قادیانی مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ ہیں اور انہیں ان کے عقائد کی بنیاد پر کافر یا مرتد قرار نہیں دیا جا سکتا۔اس لیے تنسیخ نکاح کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔

یہ مقدمہ مختلف مراحل سے گزرتا ہوا منشی محمد اکبر خاں صاحب بی۔اے ایل ایل بی ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر کے سامنے سماعت کے لیے پیش ہوا۔فاضل جج نے کئی سال کی بحث کے بعد جس میں فریقین کے مشہور علما اور مذہبی رہنماؤں نے حصہ لیا' اپنا فیصلہ فروری ۱۹۳۵ء کو دیا جو درج ذیل ہے:

فیصلہ

''مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ مرزا صاحب (مرزا غلام احمد قادیانی) نبوت کے جھوٹے دعوے دار تھے۔اس لیے مدعا علیہ جو مرزا صاحب کو نبی مانتا ہے، لازماً مرتد قرار دیا جائے گا۔وہ ابتدائی امور جو احمد پور شرقیہ کے فاضل منصف نے تنقیح طلب

قرار دیئے تھے مدعیہ کے حق میں ثابت ہو چکے ہیں۔ اس لیے مدعا علیہ کو قادیانی مذہب اختیار کر لینے کی وجہ سے مرتد قرار دیا جاتا ہے اور اسی بنا پر اس کا نکاح مدعا علیہ کی تاریخ ارتداد سے منسوخ ہو گیا ہے۔

اگر مدعا علیہ کے مذہبی عقائد کا جائزہ اس بحث کی روشنی میں بھی لیا جائے جس کی تفصیل پہلے آ چکی ہے، تب بھی مدعیہ مدعا علیہ کے دلائل کے مقابلہ میں یہ بات ثابت کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی امتی نبی نہیں آئے گا۔ مزید برآں یہ عین ممکن ہے کہ دوسرے مذہبی عقائد جو مدعا علیہ نے اپنی طرف منسوب کیے ہیں اپنی ظاہری شکل میں دین اسلام کے اصولوں سے مطابقت رکھتے ہوں لیکن اس بارے میں سمجھا یہی جائے گا کہ مدعا علیہ ان عقائد کے اسی مفہوم و منشا پر عمل پیرا ہے جو مرزا صاحب نے ان کو پہنایا ہے۔ پوری امت مسلمہ نے ان عقائد کا جو مفہوم و منشا قرار دیا ہے وہ چونکہ اس سے متصادم ہے اس لیے مدعا علیہ کو مسلمان نہیں کہا جا سکتا۔ غرضیکہ دونوں صورتوں میں مدعا علیہ یقیناً مرتد ہو چکا ہے اور ایک مرتد کا نکاح اس کے ارتداد کی وجہ سے منسوخ قرار پاتا ہے۔ اس لیے مدعیہ کے حق میں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ مدعیہ، مدعا علیہ کے ارتداد کی تاریخ سے اس کی بیوی نہیں ہے اور مقدمہ کے اخراجات کی وصولی کی حق دار ہے۔“

(۲)

فیصلہ شیخ محمد اکبر صاحب۔ ایڈیشنل سیشن جج راولپنڈی

فیصلہ

نقل فیصلہ از عدالت شیخ محمد اکبر صاحب پی سی ایس ایڈیشنل سیشن جج راولپنڈی، مورخہ ۳ جون ۱۹۵۵ء در اپیل ہائے دیوانی نمبر ۳۳، ۳۴، ۱۹۵۵ء از مسماۃ امتہ الکریم بنام لیفٹیننٹ نذیر الدین ملک واز لیفٹیننٹ نذیر الدین بنام مسماۃ امتہ الکریم مقدمہ ہائی

کورٹ نمبر آر۔ایس۔اے ۴۰۸،۱۹۵۵ء

مسماۃ امتہ الکریم دختر کرم الٰہی (قوم لوہار از روئے بیان میاں عطاء اللہ وکیل اپیل کنندہ) مورخہ ۲۵/ستمبر ۱۹۴۹ء کو بہ تقرر مبلغ دو ہزار روپیہ بطور مہر ایک میٹریکولیٹ مسمی نذیر الدین (قوم بڑھئی مطابق بیان میاں عطاء اللہ) کے ساتھ بیاہی گئی تھی۔ یہ نکاح مبینہ طور پر ایک حنفی مولوی سے پڑھوایا گیا تھا۔اپیل کنندہ کے دوسرے وکیل خواجہ احمد اقبال کے بیان کی رو سے مسمی نذیر الدین نے ایک بڑھئی اور میٹریکولیٹ ہوتے ہوئے بھی جب اپنی خوش بختی کے باعث افواج پاکستان میں کمیشن حاصل کرلیا تو اس نے سوچا کہ آئندہ جب افسران اعلیٰ کے ساتھ اس کے مراسم بڑھیں گے، تو ایک لوہار کی بیٹی کا شوہر ہونے کے باعث اس کی تذلیل ہوگی اور افسران کی نگاہ میں اسے ''سوشل'' نہ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اس نے مورخہ ۱۶/جولائی ۱۹۵۱ء کو ایک باقاعدہ طلاق نامہ کے ذریعے سے اپنی بیوی کو طلاق دے ڈالی۔اس پر مسماۃ امتہ الکریم نے اپنے سابقہ شوہر لیفٹیننٹ نذیر الدین ملک کے خلاف مبلغ دو ہزار روپیہ مہر کی وصولیابی کے لیے مقدمہ دائر کر دیا۔اس کے علاوہ اس نے ایک اور دعویٰ مبلغ ۲۴۰۳ روپے کی مالیت کے اس سامان جہیز کے بارے میں بھی کیا جو شادی کے موقع پر اس کو اپنے باپ سے ملا تھا اور جو اس کے سابقہ شوہر نے اپنے قبضہ میں رکھ لیا تھا۔ یہ مقدمہ (pauper suit) تھا۔لیفٹیننٹ نذیر الدین ملک نے مسماۃ امتہ الکریم کے عائد کردہ الزامات کو بے بنیاد قرار دیا اور جہیز کے بارے میں بیان کیا کہ اول تو سامان مذکورہ اس کے قبضہ ہی میں نہیں ہے۔ دوسرے مدعیہ نے اس کی قیمت بھی غلط لگائی ہے۔ مدعیہ کے مطالبہ مہر کے جواب میں یہ دلیل پیش کی گئی کہ اس نکاح کی انجام دہی چونکہ دھوکے اور فریب کے ذریعے سے ہوئی، لہٰذا یہ نکاح سرے ہی سے باطل تھا۔اس امر کا سبب یہ بیان کیا گیا کہ شادی کے موقع پر مدعیہ کو مسلک حنفی کا پیرو ظاہر کیا گیا تھا حالانکہ دراصل وہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی پیرو تھی اور یہ کہ اگر شادی کے طے پانے میں دھوکے اور فریب دہندگی کا ثبوت نہ بھی ملے تب بھی یہ شادی ایک مسلمان اور غیر مسلم

کے درمیان ہونے کے باعث باطل تھی۔اس طرح عذر یہ پیش کیا گیا کہ ان واقعات کی بنا پر مدعیہ حق مہر کے حصول کا دعویٰ نہیں کرسکتی ۔اس مقدمہ میں یہ ایک متفق علیہ امر تھا کہ فریقین کی شادی واقعی عمل میں آئی اور دونوں کے ملاپ کا ثمرہ پانچ سال کے لگ بھگ عمر کی ایک بچی کی صورت میں ظاہر ہے۔مسماۃ امتہ الکریم نے مدعا علیہ کی طرف سے عائد کردہ الزام فریب دہندگی کی تردید کی اور عدالت سماعت میں اس نے اپنے حنفی العقیدہ ہونے کا اظہار کیا۔اس کے والد کرم الٰہی نے بھی عدالت سماعت میں اپنے حنفی مسلمان ہونے کا اظہار کیا تاہم ساتھ ہی یہ بات بھی کہی گئی کہ ایک مسلمان مرد اور احمدی عورت کا نکاح بالکل ہی باطل نہیں ہوتا البتہ زیادہ سے زیادہ اس کو ناجائز کہا جاسکتا ہے اور یہ کہ قانون کی نگاہ میں نکاح باطل کوئی حیثیت نہیں رکھتا لیکن بطور خود ناجائز شادیوں کی ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں خاوند کو مہر کی واجبی یا مصرح رقم کی ادائیگی کرنی پڑی ہے جب کہ شادی واقع ہوچکی ہو۔

لیفٹیننٹ نذیر الدین نے یہ بھی بیان کیا کہ مدعیہ اپنے مہر کے حق سے دست بردار ہوچکی ہے۔کچھ اور ضمنی نکات بھی اٹھائے گئے تھے چنانچہ فریقین کے دلائل سن کر عدالت سماعت نے مندرجہ ذیل امور برائے بحث واضح کیے:

۱۔آیا مدعیہ اور مدعا علیہ کی شادی فریب اور دھوکہ دہی کے ذریعے سے عمل میں آئی کہ جس کے باعث مدعا علیہ مدعیہ کو مہر کی ادائیگی کا ذمہ دار نہیں رہا؟

۱۔(الف) کیا مبینہ دھوکہ دہی کے عدم ثبوت کی صورت میں نکاح باطل ہی تھا نیز اس کا اثر دعویٰ مہر پر کیا پڑا؟

۲۔کیا مدعیہ اپنے مطالبہ مہر سے دست بردار ہوچکی ہے؟

۳۔کیا مدعیہ کے جہیز کا کوئی سامان مدعا علیہ کے قبضہ میں موجود ہے۔اگر ہے تو کتنی مالیت کا؟

۴۔ایسا ہونے کی صورت میں مدعیہ کس قسم کی امداد اور رعایت کی مستحق ہے؟

مقدمہ کی سماعت اور کارروائی کے اختتام پر میاں محمد سلیم صاحب سینئر سول جج راولپنڈی نے اپنے فاضلانہ فیصلے مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۵۴ء کے ذریعے سے مقدمہ طے کیا اور علاوہ دیگر باتوں کے حسب ذیل نتائج اخذ کیے:

۱۔ فریقین کی شادی کسی قسم کے فریب یا دھوکہ دہی کے ذریعے سے طے نہیں پائی۔

۲۔ مدعیہ اپنے حق مہر سے کبھی دست بردار نہیں ہوئی۔

۳۔ مدعیہ کا سامان جہیز مالیتی مبلغ ۲۴۰۳ روپے مدعا علیہ کے قبضہ میں ہے۔

میں نے مدعیہ مسماۃ امتہ الکریم کی جانب سے میاں عطاء اللہ ایڈووکٹ اور مدعا علیہ لیفٹننٹ نذیر الدین ملک کی جانب سے مسٹر ظفر محمود ایڈووکیٹ کی بحث اور دلائل سنے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی نے میرے روبرو محولہ بالا نتائج کی صحت کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ عدالت سماعت کے اخذ کردہ دیگر نتائج یہ ہیں:

(الف) قادیانیوں کو اہل کتاب تصور نہیں کیا جا سکتا۔

(ب) مدعا علیہ کے ساتھ شادی کے وقت مدعیہ مسماۃ امتہ الکریم قادیانی ہونے کے سبب غیر مسلم تھی۔

(ج) فریقین کا نکاح مطلقاً ناجائز اور باطل تھا اور ازدواجی تعلقات کے بعد بھی اسے جائز نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

(د) مہر قانوناً قابل بازیابی ہے۔

اوپر دیئے گئے نتائج اور معلومات کی بنا پر میاں محمد سلیم صاحب نے مسماۃ امتہ الکریم کے حق میں اس کے سابقہ شوہر سے مبلغ ۲۴۰۳ روپے بابت مالیت سامان جہیز کے حصول کی 'جو اس کے قبضہ میں تھا' ڈگری دے دی مگر اس کے دعویٰ حق مہر کو خارج کر دیا۔ اس فیصلہ ڈگری کے خلاف یہ دو اپیلیں داخل کی گئی ہیں۔ مسماۃ امتہ الکریم نے تو اپنے مہر مبلغ ۲۰۰۰ روپے کی وصولی کے لیے اپیل کی ہے اور لیفٹینٹ نذیر الدین ملک کی اپیل سامان جہیز کی مالیت سے متعلق ڈگری سے چھٹکارا پانے کے لیے ہے۔ مختلف شہادتوں اور

خصوصاً مسماۃ امتہ الکریم کے خطوط سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نکاح کے وقت قادیانی تھی لہٰذا میں عدالت سماعت کے اخذ کردہ اس نتیجہ کی توثیق کرتا ہوں۔

اپنی بحث کے آغاز میں اپیل کنندہ کے فاضل وکیل میاں عطاء اللہ نے بشمولہ اور باتوں کے درج ذیل امور پیش کیے ہیں:

۱۔ مسلمانوں کا اس امر پر کوئی اجماع نہیں ہے کہ پیغمبر اسلام محمدؐ اللہ کے آخری نبی تھے اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔

۲۔ مسلمانوں کا اس بات پر بھی اجماع نہیں ہے کہ جو شخص حضرت محمدؐ کی ختم نبوت پر ایمان نہ رکھے وہ مسلمان نہیں۔

۳۔ اور نہ ہی ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ قادیانی احمدی غیر مسلم ہیں۔

عدالت سماعت کے فاضل جج مسئلہ زیر بحث نمبر ۱ (الف) پر بحث سننے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ یہ مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے کہ حضرت محمدؐ سلسلہ انبیا کے آخری نبی تھے اور آپؐ کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہوگا۔ ان کے اس عقیدے کی خاص بنیاد ''خاتم النبیین'' کے وہ الفاظ ہیں جنھیں قرآن حکیم نے ہمارے نبی اکرمؐ کی ذات اقدس کے لیے استعمال کیا ہے۔ لیکن قادیانی حضرات ان الفاظ کو ''خاتم النبیین'' پڑھ کر ان کے معانی ''نبیوں کے مہر کنندہ'' کے کرتے ہیں۔ ان کے ہاں ان الفاظ کی یہ تعبیر اپنے اندر نبیوں کے ایک ایسے سلسلے کے جاری رہنے کی گنجائش رکھتی ہے جو آپؐ کے بعد آپؐ کی مہر لگ کر آتے رہیں گے۔ ان کے عقیدے کے مطابق مرزا غلام احمد صاحب بھی اسی نوع کے انبیا میں سے تھے اور وہ قرآن حکیم سے علیحدہ کوئی کتاب لے کر مبعوث نہیں ہوئے بلکہ ان کے ذمہ یہ فرض تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے مزید الہامات کی روشنی میں اس کتاب کی تشریح وتوضیح کریں۔ قادیانی اس طرح کے نبی کو ''ظلی'' یا ''غیر تشریعی'' نبی کہتے ہیں جو کہ ''تشریعی نبی'' یعنی نئی شریعت کے حامل نبی سے مختلف ہوتا ہے۔ اس موقع پر عدالت سماعت نے یہ ضروری خیال کیا کہ خود مرزا صاحب ہی کے مصنفہ ایک کتابچہ سے

حوالے دے کر یہ دکھایا جائے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ اصل میں کیا تھا؟

''پہلے میرا عقیدہ بھی یہی تھا کہ مجھے عیسیٰ ابن مریمؑ سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی، آپ رسول تھے اور آپ مقربین خداوندی میں سے ہیں اور جب کبھی میری فوقیت جتانے کی خاطر مجھ پر کوئی نشانی ظاہر کی گئی تو میں نے اسے محض جزوی فوقیت ہی پر محمول کیا مگر جس وقت میرے اوپر وحی الٰہی بارش کی طرح آنا شروع ہوئی تو میں اپنے سابقہ عقیدے پر قائم نہ رہ سکا آخر کار مجھے صاف طور پر اعزاز نبوت بخش دیا گیا۔'' (حقیقۃ الوحی ص،۱۴۹، اور ص،۱۵۰)

اس باب میں مرزا صاحب کے متبعین کے نظریہ کو واضح کرنے کے لیے دوسرے قادیانی خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کے مندرجہ ذیل اقتباس کو پیش کرنا ضروری سمجھا گیا:

''ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور نہ ہی ان کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ اللہ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔''

(انوار خلافت ص،۹۰)

عدالت سماعت مزید اس نتیجہ پر پہنچی کہ نبوت کے بارے میں قادیانی نظریہ دوسرے مسلمانوں کے عقیدہ کے سراسر خلاف ہے۔

مدعیہ کے فاضل وکیل نے عدالت سماعت کے سامنے مقدمہ نمبر اے۔ آئی۔ آر۔ ۱۹۲۳ء مدراس کی نظیر بھی پیش کی ہے جس میں قادیانیوں کو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس نظریہ کی بنا یہ تھی کہ مرزا غلام احمد صاحب کے اعلان نبوت کو اتنا قلیل عرصہ گزرا تھا کہ یہ کہنا ممکن نہیں تھا کہ مسلمانوں کی رائے عام قادیانیوں کو مسلمان کہنے کے خلاف ہے۔ عدالت سماعت اس بات پر بحث سے اس ہی نتیجہ پر پہنچی تھی کہ یہ بات بلاخوف و تردید کہی جا سکتی ہے کہ احمدیوں کے علاوہ مسلمانوں کے ہر طبقہ خیال کے علما نے کسی نہ کسی موقع پر قادیانیوں کو غیر مسلم ہی قرار دیا ہے نہ کہ مسلمانوں میں ہی کا ایک فرقہ۔ عدالت کے خیال میں یہ حقیقت ''تنسیخ نکاح مرزائیاں'' نامی اس پمفلٹ سے اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے جو ۱۹۲۵ء میں ''اہل حدیث'' امرتسر کے دفتر سے شائع ہوا تھا اور جو اسلام

کے مختلف فرقوں کے جید علما کے فتووں پر مشتمل تھا۔اس مسئلہ کی اس سے بھی زیادہ وضاحت ۱۹۳۵ء کے مشہور مقدمہ مسماۃ عائشہ بنام عبدالرزاق میں فاضل ڈسٹرکٹ جج بہاول پور کے فیصلہ سے ہوجاتی ہے۔ یہ فیصلہ کتابی شکل میں بھی شائع ہوا تھا۔ اس میں قادیانیوں اور مسلمانوں کے متعدد اختلافات پر فریقین اور فریقین کی جانب سے پیش کردہ مذہبی رہنماؤں کے بے شمار دلائل اور فتوؤں کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی تھی۔اسی ضمن میں عدالت سماعت نے اس حقیقت کا عدالتی نوٹس لینا ضروری سمجھا کہ قادیانیوں کے خلاف حالیہ ملک گیر ایجی ٹیشن کے دوران احمدیوں کے سوا مسلمانوں کے ہر مکتب فکر کے علما کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں انھوں نے متفقہ طور پر اعلان کیا کہ عرف عام (In the accepted sense) میں قادیانی مسلمان نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ ایک بالکل ہی جداگانہ دین کے پیرو ہیں۔لہٰذا اس موقع پر یہ بات بلا تامل کہی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کے کامل اتفاق رائے کی رو سے قادیانی غیر مسلم ہیں۔ایک اور بحث جو مدعیہ کے فاضل وکیل نے چھیڑی، وہ یہ تھی کہ احمدی کم از کم قرآن مجید پر تو ایمان رکھتے ہی ہیں لہٰذا انہیں اہل کتاب یا متبعین قرآن پاک کے زمرہ میں شامل کیا جاسکتا ہے اور شریعت اسلامیہ میں مسلمان اور اہل کتاب کی شادی ناجائز نہیں ہے اور ایسی شادی کو ازدواجی تعلقات ہوجانے کی صورت میں ''قانوناً'' تسلیم کیا جاتا ہے اور شوہر پر مہر کی ادائیگی واجب ہوجاتی ہے۔

یہاں عدالت سماعت نے یہ بات مزید اختیار کی کہ مدعا علیہ کے فاضل وکیل نے شریعت اسلامیہ کے متذکرہ بالا اصول سے تو کوئی اختلاف نہیں کیا لیکن ان کے نزدیک قادیانیوں کو اہل کتاب بھی شمار نہیں کیا جاسکتا۔فریقین کے وکیل اس بات پر متفق تھے کہ ''اہل کتاب'' کی کوئی معین تعریف (definition) کہیں نہیں ملتی۔اس اصطلاح کے لفظی معانی ''کسی الہامی کتاب کو ماننے والے'' کے ہیں۔مدعیہ کی جانب سے اس بات پر پورا زورِ بحث صرف کیا گیا کہ قادیانیوں کا چونکہ قرآن مجید پر ایمان ہے لہٰذا وہ اہل کتاب ہیں مگر ایسا کہنے سے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے نظریہ کی بنیاد ہی منہدم ہوجاتی ہے

کیونکہ اگر ایک مرتبہ یہ تسلیم کرلیا جائے کہ قادیانی قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں تو پھر انہیں غیر مسلم قرار دینے کی کوئی معقول وجہ جواز باقی نہیں رہتی۔ مجھے یہ دلیل پسند نہ آئی۔ عدالت سماعت نے مزید کہا کہ درحقیقت واقعہ یہ ہے کہ قرآن پر قادیانیوں کا ایمان مسلمانوں کی متفقہ تاویل وتشریح کے مطابق نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس وہ اپنی مطلب برآری کے لیے قرآنی آیات کے مطالب کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔ اس وجہ سے انہیں دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ نیز قادیانی قرآن مجید پر اس طرح ایمان نہیں رکھتے ہیں جیسا کہ تیرہ سو سال سے اس پر ایمان رہا ہے اور وہ اس پر اس طرح سے ایمان نہیں رکھتے جیسا کہ نبی اکرمؐ نے پیش کیا بلکہ مرزا غلام احمد کے پیش کردہ مطالب قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ بات بلاشبہ درست ہے کہ عیسائیوں نے بھی اپنی الہامی کتاب یعنی انجیل میں تحریفیں کی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کو اہل کتاب ہی سمجھا گیا ہے لیکن اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا نبی مانتے ہیں لہٰذا اس حقیقت کے باوجود کہ مسلمانوں کی نگاہ میں عیسائیوں نے کتاب الٰہی میں تحریفات کیں انہیں اہل کتاب ہی سمجھا گیا۔ عدالت سماعت کی نگاہ میں قادیانیوں کا معاملہ اس سے قطعاً مختلف ہے کیونکہ مسلمان مرزا غلام احمد صاحب کو ہرگز خدا کا نبی تسلیم نہیں کرتے بلکہ نبوت کا جھوٹا مدعی سمجھتے ہیں۔ ایسے جھوٹے مدعی نبوت کے پیروؤں کو کسی تخیلی کاوش سے اہل کتاب قرار نہیں دیا جاسکتا خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ وہ قرآن پر انہی معنوں میں ایمان نہیں رکھتے جیسا کہ مسلمانوں کا سواد اعظم رکھتا ہے۔ جیسا کہ خود قرآن مجید کے پہلے پارے میں ارشاد ہے کہ اس کتاب سے صرف وہی لوگ ہدایت پاسکتے ہیں جو اس چیز پر ایمان رکھتے ہوں جو نبی اکرمؐ پر نازل ہوئی اور اس چیز پر جسے آپ سے پہلے کے انبیا پر نازل کیا گیا۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔ عدالت سماعت کی رائے میں ان الفاظ کی رو سے یہ کتاب (قرآن) ان لوگوں کے لیے ہدایت کا کوئی سامان نہیں رکھتی جو آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بھی کسی وحی کے آنے پر اعتقاد رکھتے ہوں۔ اس کتاب پر قادیانیوں کا ایمان چونکہ

مرزا غلام احمد صاحب کے مزعومہ الہامات کے مطابق ہے لہٰذا عدالت کی نگاہ میں مدعیہ کے فاضل وکیل کے دلائل میں کوئی وزن نہیں اور قادیانی اہل کتاب بھی نہیں سمجھے جاسکتے۔ مدعیہ علیہ کے ساتھ شادی کے وقت غیر مسلم تھی اس لیے فریقین کی شادی قطعاً باطل تھی اور ازدواجی تعلقات کا ہونا بھی اس کو جواز نہیں بخش سکتا، لہٰذا مہر قانونی لحاظ سے ناقابل بازیابی ہے۔ یاد رہے کہ احمدیوں کی لاہوری شاخ مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتی بلکہ صرف مجدد مانتی ہے۔

اس مقدمہ میں پیش آمدہ سوالات بڑے دوررس نتائج کے حامل ہیں اور روزمرہ کے واقعات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہماری معزز عدالت عالیہ لاہور کی طرف سے ابھی تک کوئی ایسی قانونی سند یا نظیر موجود نہیں جس میں اس نکتہ پر مستند فیصلہ کیا گیا ہو۔ مدعیہ کے فاضل وکیل میاں عطاء اللہ نے فسادات کی جس تحقیقاتی رپورٹ کا حوالہ دیا ہے اور جس پر انحصار کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب ضلع گورداس پور کے قادیان نامی ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے فارسی اور عربی کی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی اور ان کے مغربی تعلیم حاصل کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ وہ ۱۸۶۴ء میں سیالکوٹ کی ضلع کچہری میں محرر مقرر ہوئے جہاں انھوں نے چار سال ملازمت کی۔ مارچ ۱۸۸۲ء میں انھوں نے دعویٰ کیا کہ انہیں ایک ''الہام'' کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ایک خاص مشن پر مقرر کیے گئے ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ ''مامور من اللہ'' ہیں۔ ۱۸۸۸ء میں ایک اور الہام کے تحت اپنے وابستگان سے بیعت کا مطالبہ کیا اور ۱۸۹۰ء کے اختتام کے قریب پھر ایک ''الہام'' ہوا جس میں بتایا گیا کہ مسیح ناصری یعنی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے نہ تو صلیب پر وفات پائی اور نہ ہی انہیں آسمان پر اٹھالیا گیا تھا بلکہ ان کو ان کے حواریوں نے زخمی حالت میں صلیب پر سے اتار لیا تھا اور پھر ان کے زخم اچھے ہوگئے۔ اس کے بعد آپ چھپ کر کشمیر چلے گئے جہاں آپ طبعی موت مرے اور یہ عقیدہ کہ وہ قیامت کے قریب اپنی اصل جسمانی حالت میں دوبارہ نزول فرمائیں گے، غلط ہے۔ آپ کے ظہور ثانی کے وعدہ کا مطلب محض یہ ہے کہ ایک شخص عیسیٰ ابن مریم کی صفات کا حامل ہوگا۔ پیغمبر اسلام ہی

کی امت میں سے ظاہر ہوگا، سواب اس وعدہ کی تکمیل خود مرزا صاحب کی بعثت کی صورت میں ہو چکی ہے جو مثل عیسیٰ ہونے کے سبب مسیح موعود ہیں۔ اس عقیدہ کی تشہیر سے مسلمان بھڑک اٹھے کیونکہ یہ ان کے اس مسلمہ عقیدے، کہ عیسیٰ ابن مریم اپنی اصل جسمانی حالت میں آسمان سے دوبارہ ظہور فرمائیں گے، کے خلاف تھا۔ چنانچہ مسلمان علما میں اس نظریہ کے خلاف شدید مخالفت پیدا ہوگئی۔ پھر اس کے بعد مرزا صاحب نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا۔ وہ مہدی نہیں جو جنگ وقتال کرے گا بلکہ ایک ایسا مہدی جو اپنے دلائل سے مخالفین کو ختم کر دے گا۔ ۱۹۰۰ء میں مرزا صاحب نے ایک مزید عقیدہ لوگوں کے سامنے یہ پیش کیا کہ اب جہاد بالسیف باقی نہیں بلکہ اب جہاد صرف مخالفین کو دلائل سے قائل کرنے کی کوششوں تک محدود ہوگا۔ ۱۹۰۱ء میں مرزا صاحب نے ''ظلی'' نبوت کا دعویٰ کیا اور ''ایک غلطی کا ازالہ'' نامی اشتہار کے ذریعے عقیدہ ختم نبوت کی تشریح یوں کی کہ پیغمبر اسلام کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں ہوگا جو نئی شریعت لے کر آئے لہٰذا کسی غیر تشریعی نبی کی آمد ختم رسالت کے عقیدہ کے منافی نہیں ہے۔ نومبر ۱۹۰۴ء میں سیالکوٹ کے ایک عام جلسے میں مرزا صاحب نے مثیل کرشن ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔

جماعت احمدیہ کی تاسیس ۱۹۰۱ء میں عمل میں آئی اور اس وقت مرزا صاحب ہی کی درخواست پر مردم شماری کے کاغذات میں اس جماعت کو مسلمانوں کے ایک علیحدہ فرقہ کی حیثیت سے ظاہر کیا گیا۔

مرزا غلام احمد صاحب کے متبعین کے محولہ بالا چند مخصوص عقائد اور نظریات نے مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان شدید مذہبی اختلافات کھڑے کر دیئے۔ تحقیقاتی عدالت کے معزز ججوں نے اپنی رپورٹ میں مزید یہ کہا ہے کہ احمدیہ فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد صاحب کے دعویٰ نبوت نے امت مسلمہ میں ایک ہیجان برپا کر دیا اور مسلمانوں کی رائے میں ان کے اس عقیدے نے انہیں دائرہ اسلام سے قطعی خارج کر دیا۔ ایک عام طور پر تسلیم شدہ حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کی

خاطر جو انبیا مامور فرمائے ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور مسلمان آنحضورؐ کو انبیا کے اس سلسلے کا آخری نبی مانتے ہیں۔ان انبیا میں سے بعض کے نام خاص طور پر قرآن حکیم اور انجیل میں بیان کیے گئے ہیں۔عقیدہ ختم نبوت کے یہ معانی کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ختم ہوگئی اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

لوگو! محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔　الاحزاب 40:33

یاد کرو! اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ ’’آج ہم نے تمہیں کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا ہے کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اس تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی‘‘ یہ ارشاد فرما کر اللہ تعالیٰ نے پوچھا ’’کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟‘‘ انھوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔اللہ نے فرمایا ’’اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔　آل عمران 81:3

آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارا دین چن لیا ہے۔　المائدہ 3:5

اس کے علاوہ متعدد احادیث اور قرون اولیٰ کی جن مستند تفاسیر سے استدلال کیا گیا ہے، وہ سب اس مطلب کی ہیں کہ ہمارے نبی اکرمؐ کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں۔

لیفٹیننٹ نذیر الدین کے فاضل وکیل شیخ ظفر محمود نے اپنی بحث میں رسالہ طلوع اسلام جولائی ۱۹۵۴ء پمفلٹ ’’نکاح مرزایاں‘‘ رسالہ ’’ترجمان القرآن‘‘ نومبر ۱۹۵۳ء اور ’’قادیانی مسئلہ‘‘ از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے استدلال کیا ہے۔

میاں عطاء اللہ نے رسالہ ’’طلوع اسلام‘‘ جولائی ۱۹۵۴ء ’’ختم نبوت کی حقیقت‘‘ از مرزا بشیر احمد ایم۔اے (برادر خورد مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ ثانی مرزا غلام احمد صاحب)

''الحق ''عرف مباحثہ لدھیانہ ''از بانی فرقہ احمدیہ''، ''حقیقۃ الوحی'' از بانی سلسلہ احمدیہ فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء پر تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ' مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے قادیانی مسئلہ کا قادیانیوں کی طرف سے جواب ''تحقیقاتی عدالت میں مرزا بشیر الدین محمود کا بیان''، ''مقدمہ بہاولپور'' از جلال الدین شمس احمد ''تصدیق احمدیت'' از بشارت احمد وکیل حیدر آباد دکن ''حقیقۃ الوحی'' چوتھا ایڈیشن ۱۹۵۰ء تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر ایک نظر' از جلال الدین شمس صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے مفصل حوالے پیش کیے ہیں انھوں نے میری توجہ خاص طور پر قادیانیوں کے اس نقطہ نظر کی جانب مبذول کرائی ہے جس کا اظہار احمدیہ کمیٹی کے فاضل وکیل مسٹر عبدالرحمن خادم نے تحقیقاتی عدالت کے روبرو کیا تھا۔ وہاں خادم صاحب نے قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے استدلال کیا تھا۔

جو اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے' جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیا (جو تعلیم دیتے ہیں) اور صدیقین (جو صداقت کے شیدائی ہیں) اور شہدا (جو گواہی دیتے ہیں) اور صالحین (جو نیک کام کرتے ہیں) کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔ النساء 89:4

اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ان کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہوگا اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخی ہیں۔ الحدید 19:57

اے بنی آدم! یاد رکھو' اگر تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایسے رسول آئیں جو تمہیں میری آیات سنائیں' تو جو کوئی نافرمانی سے بچے گا اور اپنی اصلاح کرلے گا اس کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ الاعراب 37:7

اے نبیو! تمام پاکیزہ اور اچھی چیزوں سے مستفید ہو۔ نیک کام کرو کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو میں اس سے پوری طرح باخبر ہوں۔ المومنون 91:32

بحث اور دلائل کے عمل سے مندرجہ بالا آیات سے یہ ثابت کرنے کی سعی کی گئی ہے کہ مستقبل میں یعنی آنحضرتؐ کے بعد بھی ایسی ہستیاں پیدا ہوتی رہیں گی جن پر ''نبی'' اور ''رسول'' کے الفاظ کا اطلاق ہو سکے گا اور ان دلائل کو مزید مضبوط بنانے کی خاطر کچھ

احادیث‘ کچھ تفاسیر اور کچھ قابل احترام روحانی مرتبہ کے بزرگوں کے اقوال سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس بات کو تو نہیں جھٹلایا گیا کہ مرزا غلام احمد صاحب نے اپنے لیے نبی کا لفظ استعمال کیا تھا تاہم یہ بحث کی گئی ہے کہ انھوں نے اس لفظ کو ایک مخصوص مفہوم میں استعمال کیا تھا نہ کہ اس کے اصطلاحی مفہوم میں اور وہ کوئی ایسے شخص نہیں تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی تازہ پیغام لے کر آئے ہوں جو پہلے سے نازل شدہ کسی حکم کی ترمیم و تنسیخ کرتا ہو نیز ان کا دعویٰ ’’ظلی‘‘ اور ’’بروزی‘‘ نبوت کا تھا نہ کہ تشریعی نبوت کا۔ فریق مخالف نے اس بات پر زور دیا کہ ’’بروزی‘‘ اور ’’ظلی‘‘ جن کا ترجمہ ’’جسمانی ظہور‘‘ کیا جاسکتا ہے اسلامی عقائد کے لیے اجنبی ہیں اور ہر وہ شخص جو ایک ایسی چیز کے حامل ہونے کا دعویٰ کرے جس کو ’’وحی نبوت‘‘ سے تعبیر کیا جاسکے بہرحال ایک نئی امت کی تشکیل کرتا ہے اور آپ سے آپ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مرزا غلام احمد صاحب‘ ان کے فرقہ کے موجودہ سربراہ اور اس فرقہ کے نمائندہ مصنفین کی متعدد تحریروں کی مدد سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مرزا صاحب نے ایسے الہامات یا وحی پانے کا دعویٰ کیا تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرات انبیا کرام علیہم السلام کے لیے خاص ہے۔ لہٰذا اب ساری بحث سمٹ کر اس سوال پر آجاتی ہے کہ آیا مرزا صاحب نے کبھی ایسی وحی کی پابندگی کا دعویٰ کیا جسے وحی نبوت سے موسوم کیا جاسکے؟ ماضی میں جب بھی کوئی نبی آیا اس نے لوگوں پر کہ جن کے درمیان اس کی بعثت ہوئی ایک ذمہ داری عائد کی (جس طرح ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری انسانیت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوے کو پرکھنے اور اس پر ایمان لانے کی ذمہ داری ڈالی) اور اپنی نبوت کا انکار کرنے پر انہیں آخرت کے مواخذہ کا مستحق ٹھہرایا۔ لہٰذا وہ لوگ اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں کہ یا تو اس کے دعوائے نبوت کو تسلیم کریں یا پھر کھلے بندوں اسے رد کر دیں۔ ایسے کسی دعوے کو قبول کرنے والوں پر مشتمل ایک نئی مذہبی برادری معرض وجود میں آجاتی تھی جسے پچھلے عقیدہ کے حامل لوگ اپنے سے خارج سمجھتے تھے اور نئی جماعت ان لوگوں کو اپنی برادری سے باہر تصور

کرنے لگتی تھی جو اس کے نبی پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ مرزا صاحب نے بھی لوگوں کی طرف اسی ہدایت کے ساتھ اپنا ہاتھ بڑھایا کہ وہ اسے قبول کریں مگر مسلمانوں نے مرزا غلام احمد کے دعوائے نبوت کو مسیلمہ کذاب کی مانند سمجھا۔ اپنی اولین تحریروں میں مرزا صاحب نے صاف صاف الفاظ میں یہ تسلیم کیا تھا کہ مسلمان ہونے کے لیے اسلام کے بنیادی عقائد پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اپنی کتاب ''ایام صلح'' میں احمدیہ فرقہ کے بانی نے خود یہ تحریر کیا کہ اہل سنت کے بنیادی عقائد جن پر عام مسلمانوں کا اجماع ہے' اسلام ہے جس پر ایمان لانے کے مسلمان پابند ہیں۔ ایک دوسری کتاب ''انجام آتھم'' میں انھوں نے لکھا کہ جو شخص شریعت سے سرمو بھی تجاوز کرے اور ان اصولوں کو اپنانے سے انکار کرے جن پر امت کا اجماع ہے تو وہ اللہ' اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت کا مستحق ہے۔ اور ان کا اسی بات پر پختہ عقیدہ تھا پھر کتاب ''ازالہ اوہام'' کے صفحہ ۲۳۰ پر لکھتے ہیں کہ تواتر (جو لوگوں کا مسلسل عقیدہ رہا ہو) کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد ہی مرزا صاحب نے خود اپنی ہی نبوت کا دعویٰ کھڑا کر دیا۔ ان کی اس ''نبوت'' کی نوعیت خود ان کے اپنے اور ان کے جانشینوں اور پیروکاروں کے اعلانات' ہدایات اور تحریرات کی روشنی میں حسب ذیل ہے۔

۱۔ ''حقیقۃ الوحی'' کے ایک الہام میں دعویٰ کیا کہ خدا نے انہیں ''محمد'' اور رسول کے الفاظ سے خطاب فرمایا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ قرآن وحدیث کی پیشین گوئیاں انہیں کے بارے میں ہیں اور آیت ''ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ'' انہیں کے متعلق ہے۔

(اعجاز احمدی، ص ۷۱)

۳۔ ''ضمیمہ براہین احمدیہ'' کے صفحہ ۱۳۹ پر اعلان کیا کہ لفظ ''نبی'' کے معانی پر آج تک کسی نے غور نہیں کیا اور یہ کہ اس لفظ سے مراد صرف ایسا ہی شخص ہے جو اپنے ساتھ مکالمہ کرنے والے خدا کی بھیجی ہوئی وحی کے ذریعے اس کی خبریں لوگوں تک پہنچائے۔ ایسے

شخص کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ صاحب شریعت ہو اور نہ ہی اس پر یہ لازم ہے کہ وہ کسی صاحب شریعت نبی کا پیرو ہو نیز روز حشر تک تمام انسانوں کو مرتبہ نبوت کے حصول سے محروم کر دیئے جانے کی کوئی تک نہیں۔ جو دین لوگوں کا اس قسم کی باتیں سکھائے وہ لائق مذمت ہے اور جو انسان اس طرح کی چیزوں کا ڈھنڈورا پیٹتا پھرے وہ اللہ کا نبی نہیں ہو سکتا البتہ شیطان کا پیغامبر ضرور ہو سکتا ہے۔ یہ باتیں اسلام اور رسول مقبول ﷺ کی کھلی توہین ہیں۔

۴۔ ''دافع البلا'' کے صفحہ ۱۱ پر لکھا کہ سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔

۵۔ ''حقیقۃ الوحی'' کے صفحہ ۱۴۹۔۱۵۰ پر لکھا کہ پہلے میرا عقیدہ یہ تھا کہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہمسر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ رسول تھے مگر بعد ازاں جب مجھ پر وحی کی بارش ہوئی مجھے اپنے سابقہ عقیدے کو ترک کرنا پڑا۔ اب اللہ مجھے رسول کہہ کر پکارتا ہے اور مجھے اس نے واضح طور پر اپنا رسول مقرر کیا ہے۔

۶۔ ''ازالہ اوہام'' کے پہلے ایڈیشن کے صفحہ ۶۳۳ پر خود کو رسول احمد کہا ہے اور اپنا مرتبہ قرآن سے جتانے کی سعی کی ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۶۶۵ پر اپنے آپ کو مسیح موعود بتایا ہے اور ''معیار الاخیار'' کے صفحہ ۱۱ پر خود کو متعدد انبیا کرام سے افضل کہا ہے۔ ''خطبہ الہامیہ'' کے صفحات ۱۹/ اور ۳۵ پر اپنے آپ کو انسانیت کے بلند ترین مقام کا حامل بتایا ہے۔ اپنی تقریر سیالکوٹ کے صفحہ ۳۳ پر مسلمانوں کے لیے مسیح و مہدی اور ہندوؤں کے لیے کرشن مہاراج ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ''دافع البلا'' کے صفحہ ۱۳ پر یہ لکھ کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر اپنی فوقیت کا دعویٰ کیا ہے کہ حسین علیہ السلام اپنے دشمنوں کے ہاتھوں مارے گئے مگر وہ (یعنی مرزا صاحب) شہید محبت (خدا کی محبت) ہیں۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کے اہل خاندان کی بے حرمتی ان الفاظ میں کی ہے کہ آپ علیہ السلام کی تین دادیاں اور تین نانیاں بدکار عورتیں تھیں نیز آپ علیہ السلام عادی کذاب اور دروغ گو تھے اور آپ علیہ السلام کے پاس دجل و فریب اور مسمریزم کے سوا کچھ نہیں تھا۔

۷۔غیر مبہم اور واضح انداز میں اپنی نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں نبی ہوں اور اس اُمت میں نبی کا لفظ صرف میرے ہی لیے خاص ہے۔ (حقیقۃ الوحی، ص ۳۹۱)

مجھے وحی آئی ہے اور مجھے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے (ایضاً)

میں وحی کے بغیر کچھ نہیں کہتا (اربعین جلد ۳)

اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ بلا شبہ میں اس کا رسول ہوں (ایضاً، ص ۱۰۷)

اللہ نے اور کسی انسان کو وہ عزت نہیں بخشی جو مجھے بخشی ہے۔(ایضاً، ص ۱۰۶)

اللہ نے مجھے کوثر عطا فرمایا ہے۔(ضمیمہ انجام آتھم، ص ۳۵)

اپنے آپ کو سچا اور اصل خدا کہہ کر اللہ تعالیٰ کا درجہ دیا اور کہا کہ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں ہی خدا ہوں اور میں نے ہی یہ زمین و آسمان پیدا کیے ہیں۔

(آئینہ کمالات ص ۵۶۴‘ ۵۶۵)

ہر وہ شخص جو ان پر ان کی اپنی بیان کردہ حیثیت میں ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے۔

(حقیقۃ الوحی، ص ۱۶۳)

ان کے متبعین کے لیے ان کا انکار کرنے والوں کی اقتدا میں نمازیں پڑھنا ممنوع ہے۔

(فتاوی احمدیہ جلد نمبر ا ص ۱۸)

خدا نے انہیں اپنا بیٹا کہہ کر مخاطب کیا۔(البشارۃ ص ۴۹)

اللہ نے بتایا کہ اگر وہ انہیں پیدا نہ کرتا تو اس کائنات ہی کو پیدا نہ کرتا۔

(حقیقۃ الوحی ص ۹۹)

مرزا صاحب کے ان دعاویٰ کی بنا پر ۱۹۲۵ء میں تمام فرقوں کے علما سے ایک فتویٰ حاصل کیا گیا جس پر عدالت سماعت نے اعتماد کیا ہے۔

۸۔مرزا غلام احمد کے مذکورہ بالا اعلانات نبوت کو ان کے جانشین اور احمدیہ فرقہ کے موجودہ سربراہ مرزا بشیر الدین محمود کی طرف سے مسلسل دہرایا جاتا رہا ہے۔اپنی کتاب ’’حقیقت نبوت‘‘ کے صفحہ ۲۲۸ پر مرزا محمود نے لکھا ہے کہ یہ امر روز روشن کی طرح ایک

مسلمہ حقیقت کا روپ دھار چکا ہے کہ پیغمبر اسلام کے بعد نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ ''انوار خلافت'' میں انھوں نے کہا ہے کہ مسلمانوں نے غلط طور پر یہ سمجھ رکھا ہے کہ خدا کے خزانے خالی ہو چکے ہیں۔ انہیں اللہ کی قدرت کا اندازہ ہی نہیں ورنہ ایک تو کیا میں یقین سے کہتا ہوں کہ ہزاروں انبیا اور آئیں گے۔ اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۶۵ پر احمدیوں کے موجودہ سربراہ نے لکھا کہ اگر اس کی گردن کے دونوں جانب تلواریں رکھ کر اس سے یہ بیان کرنے کو کہا جائے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا تو وہ یہی کہے گا (کہ ایسے بیان کا مطالبہ کرنے والا) شخص جھوٹا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد انبیا کی بعثت ہوسکتی ہے اور بالیقین نبی مبعوث ہوئے ہیں۔ اس طرح مرزا غلام احمد صاحب نے نت نئے نبیوں کے ظہور کا دروازہ کھولا اور قادیانی جماعت نے مرزا غلام احمد صاحب کو سچا نبی مانا۔ اس مسئلہ پر حسب ذیل مثالیں پیش کی ہیں:

الف۔ ۵ مارچ ۱۹۰۸ء کے ''بدر'' میں مرزا غلام احمد صاحب نے لکھا کہ انہیں اللہ کے حکم سے نبی بنایا گیا ہے۔

ب۔ مرزا بشیر الدین نے ''حقیقت نبوت'' کے صفحہ ۱۷۴ پر لکھا کہ مرزا غلام احمد صاحب ''نبی'' کی اصطلاح کی معروف تعبیر اور شریعت کے مطابق نبی تھے، وہ مجازی نہیں بلکہ حقیقی نبی تھے۔

اس نوع کی نبوت کے دعوے کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ جو کوئی مدعی کے اعلان کردہ مرتبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کرے وہ کافر قرار پائے۔ بیان بھی یہی کیا گیا ہے کہ قادیانی ان سارے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں جو مرزا غلام احمد صاحب کی حقیقی نبوت پر ایمان نہیں لاتے۔ اس نکتہ کی وضاحت میں مندرجہ ذیل مثالیں پیش کی ہیں:

۱۔ ''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انھوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں''

(مرزا بشیر الدین محمود، آئینہ صداقت ص ۳۵)

۲۔ ''ہر وہ شخص جو موسیٰ پر تو ایمان رکھتا ہے مگر عیسیٰ پر ایمان نہیں لاتا یا عیسیٰ پر تو ایمان

رکھتا ہے مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لاتا یا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تو ایمان رکھتا ہے لیکن مرزا غلام احمد صاحب پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔''

(ریویو آف ریلیجنز، ص ۱۱۰)

۳۔سب جج گورداسپور کی عدالت میں مرزا بشیر الدین محمود نے حسب ذیل بیان دیا جو ''الفضل''مورخہ ۲۶۔۲۹ جون ۱۹۲۲ء میں یوں شائع ہوا۔

ہم مرزا صاحب پر ایمان رکھتے ہیں جب کہ غیر احمدی ان پر ایمان نہیں رکھتے اور قرآن کی تعلیمات کی رو سے کسی نبی کا انکار کفر ہے لہٰذا تمام غیر احمدی کافر ہیں۔

۹۔مرزا صاحب نے درج ذیل اشعار کہے ہیں:

(الف) منم مسیح زماں و منم کلیم خدا
منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد!

(ب) میں کبھی موسیٰ کبھی عیسیٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

یہ ہے وہ مرتبہ ومنصب جس کے مرزا صاحب دعوے دار ہیں اور اس مرتبہ کا انکار کرنے والوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔انھوں نے مسلمانوں کے اس عقیدہ کو اپنی نبوت کی تائید کا ذریعہ بنانے کی سوچی کہ حضرت عیسیٰ کی صلیب پر وفات نہیں ہوئی بلکہ وہ چوتھے آسمان پر زندہ ہیں جہاں سے یوم حشر سے قبل آپ کا زمین پر نزول ثانی ہوگا اور یہ نزول قرب قیامت کی علامات میں سے ہے۔چنانچہ انھوں نے مسیح علیہ السلام کا مرتبہ اپنے لیے مختص کیا اور مسیح موعود کا لقب اختیار کیا۔یہ ان کے سلسلہ الہامات کے دوسرے مرحلہ کا ذکر ہے۔مسلمانوں کا ایک اور عقیدہ یہ بھی ہے کہ قیامت سے قبل حضرت امام مہدی تشریف لائیں گے۔چنانچہ مرزا صاحب نے اپنے لیے مہدی موعود کے منصب کا بھی دعویٰ کیا۔وہ یہ حقیقت جانتے تھے کہ گذشتہ چودہ صدیوں میں مسیلمہ کذاب اور اس قماش کے جس کسی فرد نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے اسے مسلمانوں نے برداشت نہیں کیا اس لیے انھوں نے

’’مہربان حکومت انگلشیہ‘‘ کی محافظت کا سہارا تلاش کیا۔تحقیقاتی عدالت کے فاضل ججوں نے اس نکتہ پر حسب ذیل تبصرہ ہے:

’’اس قسم کے تفرقات انگریزوں کے لیے مفید طلب تھے۔وہ چاہتے تھے کہ ان کے محکومین ایسے جھگڑوں میں اس حد تک الجھے رہیں جہاں تک ملکی امن وامان کو کسی خطرے کا اندیشہ نہ ہو۔اگر لوگ ایک دوسرے کو جنت وجہنم میں بھیجنے کے بارے میں باہم اس طرح دست وگریباں رہیں کہ نہ تو ان میں کوئی سر پھٹول ہو اور نہ ہی وہ دنیاوی مفادات کا کوئی مطالبہ کریں تو انگریز اس قسم کے نزاعات کا پورے سکون واستقلال بلکہ تسکین خاطر کے ساتھ تماشا دیکھتے رہتے تھے۔مگر جونہی انھیں کوئی فریق آمادہ پیکار دکھائی دیتا تو وہ سخت گیر اور غیر مصالحت پسندانہ پالیسی اختیار کر لیتے۔مرزا صاحب برطانوی راج کی اس برکت کی پوری قدر جانتے تھے جو ایسے بحث مباحثوں کی نہ صرف اجازت دیتا تھا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتا تھا اور تحریک احمدیہ کے بانی اور اس تحریک کے رہنماؤں کے خلاف غیر احمدی حضرات کو ایک خاص شکایت ان کا انگریزوں کی انتہائی خوشامد اور کاسہ لیسی کا یہ طرز عمل بھی ہے۔‘‘

قادیانی فرقہ کے بانی کو ظہور اسلام کے بعد مسیلمہ کذاب اور دیگر مدعیان نبوت کا حشر معلوم تھا اس لیے یہ فرقہ اپنی ’’نبوت‘‘ کے قیام واستحکام کی خاطر تاج برطانیہ کے سایہ محافظت اور سرپرستی کا شدید محتاج تھا۔اس ضمن میں مرزا غلام احمد صاحب کی ان تحریروں کا حوالہ دیا گیا ہے۔

۱۔’’ملفوظات احمدیہ‘‘ کی پہلی جلد کے صفحہ ۱۴۶ پر مرزا غلام احمد صاحب رقم طراز ہیں:

’’برطانوی حکومت بے شمار پہلوؤں سے ہماری خیر خواہ ثابت ہوئی ہے اگر ہم اس جگہ کو چھوڑ دیں تو ہمارے لیے نہ مکہ میں جگہ ہے اور نہ ہی قسطنطنیہ میں۔پھر بھلا ہم حکومت برطانیہ کے برخلاف اظہار خیال کا کیسے تصور کر سکتے ہیں۔‘‘

۲۔’’تبلیغ رسالت‘‘ جلد ۶ صفحہ ۹۶ پر مرزا غلام احمد صاحب نے لکھا:

’’میں اپنے کام کو نہ تو مکہ میں رہ کر جاری رکھ سکتا ہوں نہ مدینہ میں، نہ روم میں ایران

میں اور نہ ہی کابل میں رہ کر۔ میں تو ہندوستان میں انگریزی راج کے دوام کا دعا گو ہوں۔‘‘

۳۔اسی کتاب کی دسویں جلد کے صفحہ ۱۴۲ پر مرزا غلام احمد صاحب نے کہا کہ اگر قادیانی تاج برطانیہ کے ’’سایہ عاطفت‘‘ سے نکل جائیں تو انہیں اور کہاں پناہ ملے گی؟

ان ہی وجوہات کے تحت پاکستان کے بارے میں قادیانیوں کے رویہ کا لُب لُباب تحقیقاتی عدالت کے معزز ججوں نے اپنی رپورٹ کے صفحہ ۱۹۶ پر اس طرح بیان کیا ہے:

’’1918ء کی پہلی جنگ عظیم کے دوران ترکی کی شکست اور بغداد پر برطانوی قبضہ ہو جانے پر قادیان میں جوجشن فتح منایا گیا۔اس نے مسلمانوں میں سخت ناراضگی اور برہمی پیدا کردی اور احمدیت کو انگریزوں کی لونڈی سمجھا جانے لگا۔ جب افق پر ملک کی تقسیم کے ذریعے مسلمانوں کے لیے جداگانہ وطن والے واقعات کے تصور سے تشویش ہونے لگی۔ ان کی ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء کے اوائل تک بعض تحریروں میں انگریزوں کے جانشین بننے کی توقعات کی جھلک پائی جاتی ہے مگر جب پاکستان کا دھندلا سا تصور ایک متوقع حقیقت کا روپ دھارنے لگا تو ایک نئی مملکت کے نظریہ سے خود کو مستقلاً ہم آہنگ کرنے کے لیے انہیں قدرے مشکلات محسوس ہوئیں اس وقت وہ سخت گومگو کی کیفیت سے دوچار تھے کیونکہ اپنے قیام کی خاطر نہ تو ہندوستان ہی کا انتخاب کر سکتے تھے جو ایک ہندو لادینی ریاست بننے کو تھا اور نہ ہی پاکستان کا کہ اس میں فرقہ بندی کی حوصلہ افزائی کی امید نہ تھی ان کی بعض تحریروں سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ تقسیم کے خلاف تھے اور ان سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ اگر تقسیم معرض عمل میں آ بھی گئی تو وہ برصغیر کے دوبارہ اتحاد کے لیے جدوجہد کریں گے۔ یہ سب کچھ محض اس امر واقعہ کے سبب سے تھا کہ احمدیت کے گڑھ‘ قادیان کے غیر یقینی مستقبل کا احساس ان کے اندر ابھرنا شروع ہو گیا تھا جس کے متعلق مرزا صاحب کی متعدد پیشین گوئیاں تھیں۔‘‘

یہی کچھ اغراض تھیں جن کے تحت مرزا صاحب نے تیرہ سو سال پرانے اسلامی نظریہ جہاد کو منسوخ کرنا چاہا تھا اور اعلان کیا کہ اب سے جہاد بالسیف نہیں ہو سکتا بلکہ جہاد اب صرف

ان ہی کوششوں تک محدود ہوگا جو مخالفین کو دلائل سے قائل کرنے کے واسطے کی جائیں۔

جہاد کی حدود و شرائط قرآن کی مندرجہ ذیل آیات میں ملتی ہیں:

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ o الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ o الحج 22:40-39

اجازت دے دی گئی ہے ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے "ہمارا رب اللہ ہے" اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ o اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ o وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ o

البقرہ 2:195-192

اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہیں مگر اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا ان سے مقابلہ پیش آئے اور انہیں نکالو جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے۔ اس لیے کہ قتل اگرچہ برا ہے مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ برا ہے اور مسجد حرام کے قریب جب تک وہ تم سے نہ لڑیں، تم بھی نہ لڑو، مگر جب وہ وہاں لڑنے سے نہ چوکیں تو تم بھی بے تکلف انہیں مارو کہ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو جان لو کہ اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا

عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○ البقرہ 193:2

تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی روا نہیں۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○ البقرہ 194:2

ماہ حرام کا بدلہ ماہ حرام ہی ہے اور تمام حرمتوں کا لحاظ برابری کے ساتھ ہوگا۔ لہٰذا جو تم پر دست درازی کرے تم بھی اس پر دست درازی کرو۔ البتہ اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ انہیں لوگوں کے ساتھ ہے، جو اس کی حدود توڑنے سے پرہیز کرتے ہیں۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ الممتحنہ 8:60

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

فَلْيُقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ○ النساء 74-75:4

پھر جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اور مارا جائے گا' یا غالب رہے گا' اسے ضرور ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں' عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا

الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ التوبہ 5:9

پس جب حرام (حرمت والے) مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لیے بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو انھیں چھوڑ دو۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ الفرقان 52:25

پس اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کافروں کی بات ہرگز نہ مانو اور اس قرآن کو لے کر ان کے ساتھ جہاد کبیر کرو۔

لیکن جہاد کے بارے میں احمدی نظریہ یہ ہے کہ جہاد بالسیف کی اجازت صرف اپنے دفاع کی خاطر دی گئی ہے اور اس مسئلہ پر اپنا نظریہ پیش کرتے ہوئے مرزا غلام احمد صاحب نے محض اس عقیدہ کی تشریح وتوضیح کی ہے جس کی بنیاد براہ راست متعدد قرآنی آیات پر رکھی ہے کیونکہ انھوں نے کسی قرآنی حکم یا ہدایت کی تنسیخ کا دعویٰ نہیں کیا لیکن فریق مخالف کی دلیل یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اس مسئلے پر اظہار رائے کے لیے جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قرآنی حکم کی محض تشریح وتوضیح ہی نہیں کر رہے ہیں بلکہ ایک موجود قرآنی قانون کی صریحاً تنسیخ کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل عبارتوں پر انحصار کیا گیا ہے:

''میں ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں وہ یہ ہے کہ اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے۔''

''اب جہاد دین کے لیے حرام ہے۔''

''دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے۔''

''مسیح کے آنے کا یہ نشان ہے کہ وہ دین کی لڑائیاں ختم کر دے گا''۔

''میں نے جہاد کی مخالفت کے بارے میں نہایت موثر تقریریں کیں۔''

''میں نے جہاد کے خلاف صدہا کتابیں تحریر کیں اور عرب مصر اور بلاد شام اور افغانستان میں گورنمنٹ کی تائید میں شائع کی ہیں۔''

''مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کے حکم منسوخ کر دیئے گئے۔''

’’اب زمین کے فساد بند کیے گئے۔‘‘

’’اب جو دین کے لیے تلوار اٹھاتا ہے اور غازی نام رکھ کر کافروں کو قتل کرتا ہے وہ خداوند تعالیٰ اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔‘‘

’’میرے فرقے میں‘ جس کا خدا نے مجھے امام اور رہبر مقرر فرمایا ہے‘ تلوار کا جہاد بالکل نہیں۔ یہ فرقہ اس بات کو قطعاً حرام جانتا ہے کہ دین کے لیے لڑائیاں کی جائیں۔‘‘

’’اسلام میں جو جہاد کا مسئلہ ہے میری نگاہ میں اس سے بدتر اسلام کو بدنام کرنے والا اور کوئی مسئلہ نہیں۔‘‘

’’مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔‘‘

مرزا صاحب اور ان کے جانشینوں کی تحریروں میں پائے جانے والے ان فقروں اور ’’اربعین‘‘ جلد چہارم کے صفحہ ۷ کی عبارت ’’میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی‘‘ کی بنیاد پر یہ بات بڑے پرزور انداز میں پیش کی گئی ہے کہ ان عبارتوں میں مندرج اعلانات ایک قرآنی قانون کی ترمیم و تنسیخ ہی کرتے ہیں۔ اپیل کنندہ کی جانب سے اس بات کا جواب دیا گیا ہے کہ ان تحریروں میں جو الفاظ اور مطالب اختیار کیے گئے ہیں ان سے تنسیخ کا کوئی پہلو نہیں نکلتا بلکہ وہ تو ایک ایسے قرآنی حکم کی صحیح تشریح کرتے ہیں جس کو تیرہ سو سال سے غلط سمجھا جاتا رہا ہے اور بہرحال دوسرے لوگ مرزا صاحب کے اقوال کی تعبیرات خواہ کچھ بھی کریں احمدیوں نے تو ان کا مطلب ہمیشہ یہی لیا ہے کہ قرآن میں کوئی نیا حکم نہیں نکلتا اور مرزا صاحب کے سارے کام کی اصل غرض و غایت قرآن کے حقیقی احکامات پر سے کھوٹ اور میل کو دور کرنا تھی۔ اس بارے میں احمدی فریق نے ’’یضع الحرب‘‘ والی روایت کے حوالے سے یہ دلیل فراہم کی ہے کہ مرزا صاحب نے جیسا کہ ان کی کچھ تحریروں سے ثابت ہے جو کچھ کیا، وہ محض یہ تھا کہ انھوں نے مذکورہ روایت کے مصداق جنگ کو معطل کر دیا اور کسی قانون کی تنسیخ ہرگز نہیں کی۔ یہاں یہ نکتہ بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ اگر مان لیا جائے کہ مرزا صاحب کے ان خیالات کا مقصد قرآنی

قانون کی تنسیخ سے ایک نئے حکم کا اجرایا اس میں جزوی ترمیم تھا(ان کے پیروؤں کے نزدیک انھوں نے یہی کچھ کیا) تو پھران کی حیثیت تشریعی نبی کی ہوتی ہے۔مگر یہ بات آیت ''خاتم النبیین'' کی احمدیوں کی خودکردہ تفسیر کے خلاف پڑتی ہے اور یہ نتیجہ خاص طور پر اس صورت میں تو لازماً نکلے گا جب کہ اس نئے حکم کی بنیاد ''وحی'' و ''الہام'' پر رکھی گئی ہو۔غیر احمدی طریق نے اس دلیل کو یوں آگے بڑھایا ہے کہ ان تحریروں پر مبنی نظریات کی نوعیت اگر محض تشریحی یا تصدیقی بھی ہوتب بھی اصولی طور پر مرزا صاحب کی حیثیت تشریعی نبی کی ہی رہتی ہے کیونکہ اگر شارح کسی قانون کی تعبیر کے بجائے اپنے لیے اس کے استقرار کے حق کا بھی مدعی ہوتو اس کی، کی ہوئی تشریحات و (declaratory legislation) توضیحات بجائے خود قانون سازی کے ضمن میں آجاتی ہیں۔احمدی حضرات مندرجہ بالا آیات میں سے متعلقہ آیات کے حوالے سے اور آیت السیف یعنی نویں سورت کی پانچویں، مدینہ میں نازل شدہ آیت کے متعلق اس مروجہ نظریہ کی صحت کو مشتبہ قرار دے کر کہ اس آیت کے نزول سے مکہ میں نازل شدہ وہ آیات منسوخ ہوگئی تھیں (جن کا تعلق اپنے دفاع یا اس زمانہ میں عرب میں کفار کے زیر اثر علاقوں میں آباد مسلمانوں کو ظلم واستبداد سے نجات دلانے کی خاطر کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے تھا۔) مرزا صاحب کی ان تحریروں کے اصل مفہوم کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔یہاں اس امر کی نشان دہی بھی کر دی گئی ہے کہ یہ احمدیوں کا ایک بنیادی عقیدہ ہے کہ قرآن کی کوئی آیت مابعد کی کسی آیت کو منسوخ نہیں کرتی اور آیت السیف سے مکی آیات کا کوئی تضاد یا تناقض ظاہر نہیں ہوتا۔نیز ناسخ ومنسوخ کے پورے نظریہ کی تردید کی گئی ہے۔اس فریق نے نظریہ ناسخ ومنسوخ پر دلالت کرنے والی درج ذیل آیات کی تشریح وتاویل کسی اور ہی انداز سے کی ہے:

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَآ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ○ البقرہ 106:2

ہم اپنی جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں، اس کی جگہ اس سے بہتر لاتے ہیں یا کم از کم ویسی ہی۔کیا تم جانتے نہیں ہو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں......اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کرے......تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم یہ قرآن خود گھڑتے ہو۔ النحل 101:16

چنانچہ مسلمان قادیانیوں کو مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں:

۱۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ختم نبوت سے انکار، الفاظ قرآنی کی غلط تاویلات اور اس دین کو لعنتی اور شیطانی قرار دینا جس کے پیروکار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔

۲۔مرزا غلام احمد صاحب کا تشریعی نبوت کا قطعی دعویٰ۔

۳۔یہ دعویٰ کہ حضرت جبرائیل ان (مرزا غلام احمد صاحب) پر وحی لاتے ہیں اور وہ وحی قرآن کے برابر ہے۔

۴۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مختلف طریقوں سے توہین۔

۵۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے دین کا اہانت آمیز طور پر ذکر۔

۶۔قادیانیوں کے سوا تمام دوسرے مسلمانوں کو کافر قرار دینا۔

۱۹۵۳ء کے فسادات کے دوران اور ۱۹۵۴ء کی تحقیقات سے پہلے قادیانیوں نے اپنے کئی ایک عقائد سے پلٹنا شروع کر دیا ہے۔تحقیقاتی عدالت کے روبرو انھوں نے جو موقف اختیار کیا، اس سے صاف طور پر مترشح ہوتا ہے کہ وہ اپنے مذہب کے بانی اور اس کے جانشینوں کے وضع کردہ متعدد اصولوں اور عقائد کے معانی کو تبدیل کرنے کے لیے کوشاں رہے مگر ہمارے پاس احمدیہ فرقہ کے بانی اور اس کے جانشینوں کی تصنیف کردہ وہ کتب موجود ہیں جن سے میاں عطاء اللہ نے استدلال کیا ہے گویا اس طرح ہمارے سامنے کثرت سے وہ ذرائع موجود ہیں جن کی مدد سے ہم اس فرقہ کے فلسفہ کی حقیقت جان سکیں۔

اوپر کی ساری بحث سے میں نے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے ہیں:

۱۔مسلمانوں کا اس امر پر بھی اجماع ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتا، وہ مسلمان نہیں۔

۳۔مسلمانوں کا اس امر پر بھی اجماع ہے کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔

۴۔مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اپنے دعاوی، تشریحات و تاویلات کی روشنی میں ایک ایسی وحی پانے کے مدعی تھے جسے وحی نبوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۵۔اپنی اولین تصانیف میں مرزا صاحب کے خود اپنے قائم کردہ معیار ان کے اس دعویٰ نبوت کو جھٹلاتے ہیں۔

۶۔انھوں نے واقعتاً دنیا بھر کے مانے ہوئے انبیا کرام علیہم السلام کی طرح نبی کامل ہونے کا دعویٰ کیا اور ''ظل'' و ''بروز'' کی اصطلاحوں کی حقیقت ایک فریب کے سوا کچھ نہیں۔

۷۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وحی نبوت نہیں آسکتی اور جو کوئی ایسی وحی کا دعویٰ کرے، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس بحث اور اس سے اخذ کردہ نتائج کی بنا پر یہ بات بڑی آسانی کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ عدالت سماعت نے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ درست ہیں، چنانچہ میں ان سب کی توثیق کرتا ہوں۔مسماۃ امتہ الکریم کی اپیل میں کوئی جان نہیں ہے لہٰذا میں اسے خارج کرتا ہوں۔

جہاں تک لیفٹیننٹ نذیر الدین کی اپیل کا تعلق ہے مسٹر ظفر محمود ایڈووکیٹ نے اس کے بارے میں مجھ سے کچھ نہیں کہا۔مسماۃ امتہ الکریم کے سامان جہیز پر نذیر الدین کا قبضہ ثابت ہو چکا ہے اور اس کی قیمت کا تخمینہ بھی مناسب لگایا گیا ہے لہٰذا میں ان کی اپیل میں بھی کوئی وزن محسوس نہیں کرتا اور میں ان کی اپیل کو بھی خارج کرتا ہوں۔

چونکہ دونوں فریق اپنی اپنی اپیلوں میں ناکام رہے ہیں لہٰذا میں اخراجات کے متعلق کوئی فیصلہ نہ دینے ہی کو ترجیح دیتا ہوں۔

کورٹ فیس کی وصولیابی کے اقدامات کے واسطے کلکٹر راولپنڈی کو اطلاع دی جائے۔

اعلان فیصلہ بتاریخ ۳ جون ۱۹۵۵ء

دستخط محمد اکبر
ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج راولپنڈی

قادیانی مسئلہ اور اس کا صحیح حل

گذشتہ ماہ مئی ۱۹۷۴ء کے حادثہ ربوہ (اب چناب نگر) پر مسلمانوں میں جو ردعمل واقع ہوا اور غلام احمدی امت کو امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام سے الگ کرنے کے لیے پاکستان کے تمام مسلمانوں نے کامل اتحاد و اتفاق کے ساتھ جو جدوجہد شروع کی وہ اگرچہ بالکل ایک فطری امر ہے مگر میں اس کو بروقت نہیں بلکہ بہت بعد از وقت سمجھتا ہوں۔ کیونکہ یہ ردعمل اس وقت رونما ہوا ہے جب مسلم معاشرے کے اندر اس فتنے کو پرورش پاتے اور پروان چڑھتے ۸۰۔۹۰ سال بیت چکے ہیں اور اب اس کے استیصال کے لیے یہ آخری موقع ہمیں ملا ہے جس کو اگر ہم نے کھو دیا تو کچھ بعید نہیں کہ یہ فتنہ ہمیں لے ڈوبے گا۔

لا قدر اللہ:

حقیقت اسلامی نقطہ نظر سے یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ بہت بڑی بات ہے کہ مسلمانوں کے درمیان کوئی شخص حضور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کھلم کھلا نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھے اور اس کی دعوت باطل کو اسی مسلم معاشرے میں پھیلنے کا موقع حاصل ہوتا چلا جائے۔ یہ اتنا بڑا گناہ عظیم ہے کہ اسے ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہ کیا جانا چاہیے تھا' کجا کہ اس کے معاملے میں اس قدر تساہل برتا جاتا کہ وہ صدی کی آٹھ نو دہائیوں تک نہ صرف ہمارے ملک میں' بلکہ دوسرے مسلم اور غیر مسلم ملکوں میں بھی پھیلتا چلا جاتا۔ اس معاملہ میں ہم اس دور کے لیے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سامنے کچھ عذر پیش بھی کر سکتے ہیں جب کہ ہم پر انگریزی حکومت مسلط تھی اور ہم اس کے آگے بے بس تھے اور وہ اس فتنے کی آبیاری کر رہی تھی۔

لیکن انگریزوں سے آزاد ہونے کے بعد جب پاکستان کا اقتدار خود مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس وقت ۲۷ سال تک اس فتنے کی آبیاری خود انگریزوں سے بھی بڑھ کر

ہمارے مسلمان حکمرانوں کے ہاتھوں ہونا اور اس کو اتنی طاقت پکڑ جانے کا موقع دینا کہ وہ پاکستان کی حکومت پر قابض ہوجانے کا حوصلہ کرنے لگے‘ ایسا اکبرالکبائر ہے جس پر کوئی عذر ہم اپنے رب کے حضور پیش نہیں کر سکتے۔ اب اگر ہم اسی پچھلے طرزِ عمل کو جاری رکھتے ہیں تو خدا کے عذاب سے ہمیں کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ اس لیے میں عام مسلمانوں سے بھی کہتا ہوں کہ جو تحریک انھوں نے اس فتنہ غلام احمدیت سے نجات حاصل کرنے کے لیے شروع کی ہے، اسے ایک قطعی فیصلے تک پہنچائے بغیر ہرگز نہ چھوڑیں اور ملک کی حکومت اور قومی اسمبلی سے بھی کہتا ہوں کہ وہ خدا کے حضور اپنی جواب دہی کو یاد کریں‘ سیاسی اغراض و مصالح کو بھول جائیں اور پوری ایمانداری کے ساتھ وہ فیصلہ کریں جو عین ان کے دین و ایمان کے مطابق ہے۔

یہ معاملہ جو اس وقت اسمبلی میں زیر بحث ہے‘ اپنے اندر کوئی پیچیدگی نہیں رکھتا۔ بلکہ کھلے آسمان کی طرح صاف اور عیاں ہے۔ جس شخص کو دین کی معمولی واقفیت بھی حاصل ہو وہ جانتا ہے کہ اسلام میں نبوت ایک فیصلہ کن چیز ہے۔ اگر نبی سچا ہو اور کوئی اس کو نہ مانے تو کافر اور اگر وہ جھوٹا ہو اور کوئی اسے مان لے تو کافر۔ بہرحال ایک دعوائے نبوت کے بعد یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے کہ اس کے ماننے والے اور اس کا انکار کرنے والے ایک امت میں جمع ہوسکیں۔ نبوت ایک سنگین دیوار ہے جو دونوں گروہوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے حائل ہوجاتی ہے اور انھیں نہیں ملنے دیتی جب تک کہ وہ منہدم نہ ہوجائے۔ ہر نبوت اپنے ماننے والوں کی ایک الگ امت بناتی ہے اور نہ ماننے والوں کو قطعی طور پر ان سے جدا کر دیتی ہے۔

یہ تو ہے بجائے خود نبوت کی اصولی حیثیت۔ لیکن اسلام میں اس امر کا قطعاً کوئی امکان نہیں ہے کہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھنے والا کوئی شخص سچا نبی ہوسکے۔ اس لیے کہ قرآن حکیم‘ احادیث صحیحہ اور اجماع امت کی رو سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد نبوت

کا دعویٰ کرنے والے کسی شخص سے بھی یہ نہیں پوچھا کہ اس کے نبی ہونے کی دلیل کیا ہے بلکہ بالاتفاق اس کو جھوٹا مدعی قرار دے کر اس سے اوراس کے ماننے والوں سے جنگ کی اوران کو وہ حقوق بھی نہیں دیے جو اسلامی قانون میں مسلح بغاوت کرنے والے مسلمانوں یا ذمیوں کو دیے جاتے ہیں۔ پھر صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے دور سے آج تک چودہ سو برس کی مدت میں ہر زمانے کے مسلمان اس بات پر متفق رہے ہیں اوراس میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا ہے کہ بعثت محمد یہ علی صاحبہا السلام کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا ہر شخص جھوٹا ہے، کافر ہے اوراس پر ایمان لانے والا بھی کافر ہے، حتیٰ کہ ایسے مدعی سے اس کی نبوت کی دلیل پوچھنا بھی کفر ہے، کیونکہ دلیل پوچھنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا سمجھ رہا ہے اور اسے کھلا سمجھنا بجائے خود قرآن وحدیث اور اجماع کی رو سے کفر ہے۔

اب دیکھیے ایک طرف تو دعوائے نبوت بعداز خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اسلام کا یہ صریح اور متفق علیہ حکم ہے اور دوسری طرف یہ نا قابل انکار واقعہ ہے کہ مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا، اپنی نبوت تسلیم کرنے کی لوگوں کو دعوت دی، نہ ماننے والوں کا کافر قرار دیا اور ماننے والوں کی ایک الگ امت بنائی جس کا کوئی فرد اپنے باپ کا جنازہ بھی نہیں پڑھ سکتا اگر وہ اس نئی نبوت پر ایمان نہ لایا ہو۔ سوال یہ ہے کہ یہ مدعی آخر سچا کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جب یہ سچا نہیں ہے تو اس کے کافر ہونے اور اس کی تصدیق کرنے والے سب لوگوں کے کافر ہونے میں شک کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے؟ اوراس نئے نبی کی یہ امت مسلمانوں ہی کے اندر کا ایک فرقہ کیسے قرار پا سکتی ہے جبکہ وہ اسلام کی سرحد توڑ کر خود اس سے باہر نکل چکی ہے؟

لیکن یہ اس نئی امت اوراس کے بانی مدعی نبوت کی انتہائی چالاکی ہے کہ اس نے اسلام کی سرحد سے نکل کر بھی اپنے دین کو اصل اسلام قرار دیا، اسلام ہی کے نام سے اس کی تبلیغ کی اور لاکھوں مسلمانوں کو اس گمراہی میں مبتلا کیا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے

قائل ہوتے ہوئے بھی وہ کافر رہتے ہیں جب تک کہ مرزا غلام احمد کی نبوت کا کلمہ اس کے ساتھ نہ ملائیں۔ اگر یہ لوگ سیدھی طرح اسلام سے نکل کر کسی دوسرے نام سے اپنی الگ امت بنا لیتے اور اپنے آپ کو مسلمان نہ کہتے تو اتنا بڑا فتنہ نہ بنتے جتنا بڑا فتنہ وہ امت در امت کی صورت اختیار کر کے بن گئے ہیں۔ وہ اپنے مذہب کا کوئی دوسرا نام رکھ کر اس کی تبلیغ کرتے تو کسی ایک مسلمان کو بھی اس بات پر آمادہ نہ کر سکتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی چھوڑ کر مرزا غلام احمد کی پیروی قبول کر لے۔ وہ نہ انگریزی حکومت کے دور میں مسلمانوں کے حقوق کا بڑا حصہ ہتھیا سکتے تھے اور نہ پاکستان قائم ہونے کے بعد انہیں یہ موقع مل سکتا تھا کہ حکومت کے نظم ونسق اور اس کی مسلح افواج اور اس کے زیر اثر معاشی زندگی کے ہر شعبے میں پھیلتے اور بڑھتے چلے جاتے۔ مگر یہ ان کی انتہائی عیاری تھی کہ انھوں نے مسلمانوں کو کافر قرار دے کر ان سے الگ اپنی امت بھی منظم کی اور پھر مسلمانوں کی امت میں شامل رہ کر وہ سرطان کے پھوڑے کی طرح جسد ملت میں اپنی جڑیں بھی پھیلاتے رہے۔ یہ اُن کی اسی عیاری کا نتیجہ ہے کہ انہیں مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھا جاتا رہا۔ مسلمانوں کو توڑ توڑ کر وہ اپنی امت میں ملاتے اور اپنی تعداد بڑھاتے رہے اور ایک منظم طریقے سے پیہم کوشش کر کے وہ مسلم معاشرے اور حکومت پر اس طرح چھاتے چلے گئے کہ اب وہ پاکستان کے حکمران بن جانے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

ربوہ (چناب نگر) کا حادثہ اسی پس منظر میں پیش آیا ہے اور یہ گویا مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آخری تنبیہ ہے کہ اگر ان میں کچھ بھی دینی حس باقی ہے تو امت محمدیہ کے اندر امت غلام احمدیہ کے پھلنے پھولنے کا ہر راستہ بند کر دیں۔ ہزار ہزار شکر ہے اس خداوند عظیم کا کہ اس تنبیہ پر پاکستان کے علما و مشائخ، سیاسی لیڈر اور عام مسلمان بھی پوری طرح بیدار ہو گئے، اور حکومت بھی بروقت اس کی طرف متوجہ ہو گئی جیسا کہ صمدانی ٹریبونل کے قیام، مسٹر بھٹو کی ۱۳ جون والی تقریر اور پوری قومی اسمبلی کے ایک کمیٹی کی صورت میں اس مسئلے کے حل کی کوشش میں لگ جانے سے ظاہر ہوتا ہے۔

اس موقع پر میں چند ضروری تجاویز پیش کرتا ہوں جن سے میرے نزدیک یہ مسئلہ بخوبی حل کیا جاسکتا ہے۔

ا۔میری پہلی تجویز یہ ہے کہ پاکستان کے دستور کی دفعہ ۲ میں، جو ریاست کا مذہب اسلام قرار دیتی ہے، حسب ذیل دو شقوں کا اضافہ کیا جائے:

i۔اللہ کی توحید، تمام انبیا کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی ماننا، تمام کتب الٰہیہ کے بعد قرآن مجید کو اللہ کی آخری کتاب تسلیم کرنا اور آخرت پر ایمان رکھنا اسلام کے لازمی بنیادی عقائد ہیں جن میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔

ii۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرے اور ایسے مدعی کو جو شخص اپنا مذہبی پیشوا مانے وہ کافر اور خارج از اسلام ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ مدعی خود اپنے آپ کو یا اس کے پیرو گروہ اس کو ظلی یا بروزی یا امتی یا غیر تشریعی نبی کہیے یا مسیح موعود، مجدد، محدث وغیرہ ناموں سے یاد کرے۔

۲۔میری دوسری تجویز یہ ہے کہ دستور کی دفعہ ۱۰۶ کی شق (۳) میں جہاں اقلیتوں کا ذکر ہے، وہاں بدھ مت والوں کے بعد ''مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروؤں'' کا اضافہ کر دیا جائے۔

۳۔میری تیسری تجویز یہ ہے کہ دفعہ ۲ شق (ا) کے بعد حسب ذیل شق (۲) کا اضافہ کر کے بقیہ شقوں کو ان دونوں شقوں کے مطابق کر دیا جائے۔

''کوئی شخص جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو اور اس کے باوجود محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے یا ایسا دعویٰ کرنے والے کو اپنا مذہبی پیشوا مانے یا لوگوں کو اسے مذہبی پیشوا ماننے کی دعوت دے یا اسے نہ ماننے والوں کو کافر قرار دے، وہ بھی خیانت عظمیٰ (high treason) کا مرتکب سمجھا جائے گا۔''

ان ترمیمات سے دستور کی حد تک نئی نبوت کے فتنے کا کماحقہ سد باب ہو جاتا ہے۔ میری تجویز کردہ ان دستوری ترمیمات پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ دستور جیسی دستاویز

میں کسی شخص خاص کا نام لینا مناسب نہیں ہے۔ ہمارا دستور قرآن سے زیادہ مقدس تو نہیں ہوسکتا۔اس میں جب ابولہب کا نام لیا گیا ہے تو ہمارے دستور میں مرزا غلام احمد کا نام کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ خصوصاً جب کہ قادیانی مسئلے کو حل کرنے کے لیے اس گروہ کے بانی کا نام لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

اس کے بعد یہ ضروری ہے کہ قومی اسمبلی ایک قرارداد کے ذریعہ سے حکومت کو حسب ذیل تدابیر جلدی سے جلدی اختیار کرنے کا مشورہ دے۔

۱۔ تمام ملازمین حکومت سے ایک ڈیکلریشن فارم پر کرایا جائے جس میں ہر ملازم یہ واضح کرے کہ وہ مرزا غلام احمد کو اپنا مذہبی پیشوا مانتا ہے یا نہیں۔

۲۔ جو شخص غلط ڈیکلریشن دے اس کی غلط بیانی جس وقت بھی ظاہر ہو اسی وقت اس کو ملازمت سے الگ کر دیا جائے اور اس کے تمام حقوق جو سرکاری ملازمت کی بنا پر اسے حاصل ہوں، ساقط کر دیئے جائیں، اور اس کو آئندہ ہر ملازمت کے لیے نااہل قرار دے دیا جائے۔

۳۔ رائے دہندوں کی فہرست اور مردم شماری میں پیروان مرزا غلام احمد کا خانہ علیحدہ رکھا جائے۔

۴۔ شناختی کارڈوں اور پاسپورٹوں میں بھی مرزا غلام احمد کے پیروؤں کے لیے ان کے نام کے ساتھ ان کے مذہب کی تصریح کی جائے۔

۵۔ تمام کلیدی اسامیوں سے اس گروہ کے افراد کو ہٹا دیا جائے۔

۶۔ سرکاری ملازمتوں میں اس گروہ کے لوگوں کا تناسب ان کی آبادی کے مطابق کر دیا جائے اور تناسب سے بہت زیادہ مناصب ان کو دے کر مسلمانوں کے ساتھ جو بے انصافی کی جاتی رہی ہے، اس کا تدارک کیا جائے۔

۷۔ ربوہ (چناب نگر) کی زمین جن شرائط پر انہیں دی گئی ہے ان پر نظر ثانی کی جائے اور مفاد عامہ کو ملحوظ رکھ کر از سر نو شرائط مقرر کی جائیں۔ نیز اگر یہ ثابت ہو کہ

انھوں نے گرانٹ کی شرائط کی خلاف ورزی کی ہے تو اس گرانٹ کو مسنوخ کر دیا جائے۔

۸۔ ربوہ (چناب نگر) کو جسے انھوں نے ریاست در ریاست بنا رکھا ہے، کھلا شہر قرار دیا جائے اور وہاں مسلمانوں کو جائیداد حاصل کرنے، سکونت اختیار کرنے یا کاروبار کرنے کے پورے مواقع دیئے جائیں۔

ایسی قرار دادیں پاس ہونے کے بعد اگر حکومت اس پر مستعدی کے ساتھ انتظامی کارروائی کرے تو ملک بہت جلد ان خطرات سے محفوظ ہو سکتا ہے جو اس فتنے کے ۸۰۔۹۰ سال تک پروان چڑھتے رہنے سے اب اعلانیہ رونما ہو رہے ہیں۔

اس کے علاوہ میں وزیر اعظم صاحب سے دو گزارشیں اور کروں گا۔ ایک یہ کہ صمدانی ٹریبونل کی رپورٹ کو بلا کم و کاست شائع کریں۔ دوسرے یہ کہ ختم نبوت کی تحریک پر جو بے جا پابندیاں ملک میں لگائی گئی ہیں، جو گرفتاریاں اس تحریک کو روکنے کے لیے عمل میں لائی گئی ہیں اور پریس کا گلا گھونٹنے کے لیے جو کچھ کیا گیا ہے۔ اس پورے سلسلے کو انہیں فوراً ختم کر دینا چاہیے کیونکہ یہ سب کچھ ان کی ۱۳ جون ۱۹۷۴ء والی تقریر کی روح اور معنی کے بالکل خلاف ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۷۴ء)

☆......☆......☆......☆......☆